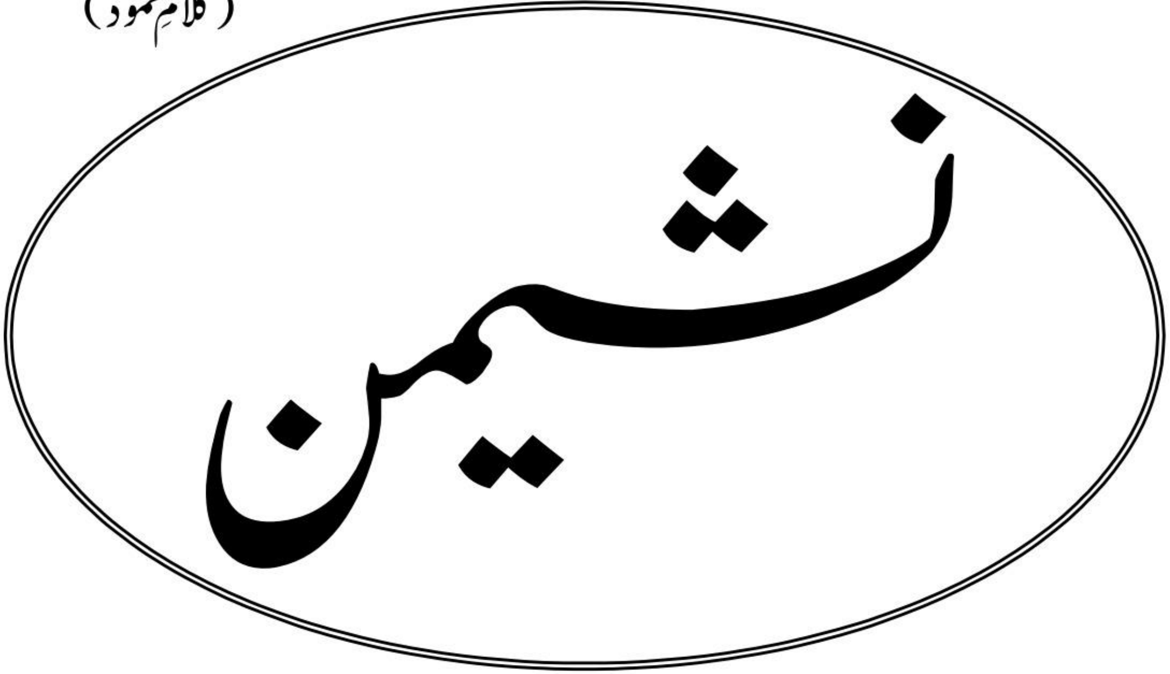
ذرّہ ذرّہ میں نشاں ملتا ہے اس دلدار کا
اس سے بڑھ کر کیا ذریعہ چاہیئے اظہار کا

(کلامِ محمود)



علمی، ادبی، دینی و معلوماتی مضامین کا مجموعہ



لیڈی امتہ الباسط ایاز۔لندن

نام کتاب	:	نشیمن
مصنفہ	:	لیڈی امتہ الباسط ایاز۔لندن
اشاعت اوّل	:	2003ء
اشاعت دوم	:	2005ء
اشاعت سوم	:	2018ء
تعداد	:	500
اہتمام اشاعت	:	ڈاکٹر امتہ القدوس ایاز شمس۔امریکہ
کمپوزنگ وتزئین	:	خورشید احمد خادمؔ۔قادیان
رابطہ	:	

Sir Iftikhar Ahmad Ayaz - K.B.E, O.B.E
230 Worple Road, SW20 8RH,
London - U.K
Ph. : +44-20-88-790-985
tuvaluconsulate@netscape.net



NASHEMAN

A Collection of Articles

by

Lady Amatul Basit Ayaz - London

انتساب

یہ نشیمن نام کی چھوٹی سی کتاب ہے جو اپنے پیارے ابا جان حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم کے نام کرتی ہوں جنہیں تقریر و تحریر میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا اور اُن کی خواہش بھی تھی کہ ہم سب بچے خوب پڑھ لکھ کر علم دوست اور باعمل انسان بنیں۔

قارئین سے اپنے ابا جان کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کی درخواست کرتی ہوں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اِس ''نشیمن'' کو ایک روحانی نشیمن بنا دے اور اس میں بسیرا کرنے والے اُس کی درگاہ سے بہترین انعامات پانے والے ہوں۔ آمین۔

عاجزہ

امتہ الباسط ایاز

لندن

ستمبر 2004ء

نشیمن کا تیسرا ایڈیشن

آج میں خود اپنی ہی ایک کتاب کے بارہ میں کچھ لکھنے بیٹھی ہوں۔ یعنی میری دس کتب جو اب تک قارئین کی خدمت میں پیش کر پائی ہوں یہ محض اور محض خدا تعالیٰ کے فضل اور پیارے آقا کی دعاؤں، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

کہتے ہیں بلکہ بار بار سننے میں آیا ہے کہ پہلے بچے کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔ یہ تو رہی بچوں کی بات، مگر میں کہتی ہوں کہ ہر نئی بات، نئی شروعات سے انسان کو ایک نیا اور انوکھا پیار اور لگاؤ ہوتا ہے۔ کچھ ایسا ہی مجھے آج اپنی کتاب نشیمن سے ہے۔ نشیمن کے تنکوں نے مزید تنکے اکٹھے کرنے کی لگن لگا دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تحریر و تصنیف کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ الحمدللہ۔

آج جبکہ نشیمن کو پہلے بار چھپے پوری 14 سال ہو گئے۔ اس دوران دو ایڈیشن سب کی فرمائش پر چھپوائے گئے۔ اب کچھ عرصہ سے لوگ اس کے بارہ میں پوچھنے لگے ہیں کہ کب اور کہاں سے یہ کتاب ملے گی۔ اس پر الحمدللہ کہ خدائے تبارک تعالیٰ نے خاکسارہ ناچیز کو نشیمن کا تیسرا ایڈیشن منظر عام پر لانے کی توفیق بخشی ہے۔ اب یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے پڑھیئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس سے فائدہ اور لطف اٹھایئے۔ جزاکم اللہ۔

آپ سب کی خاکسارہ تہہ دل سے شکر گزار ہے اور اپنے لئے دعا کی درخواست کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے میاں سر افتخار ایاز صاحب کو خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے اور پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی شفقت اور دعاؤں کے ہم ہمیشہ مورد بنے رہیں۔آمین۔

والسلام

6اپریل2018ء لیڈی امتہ الباسط ایاز

لندن



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین۔ نشیمن





حرفِ اوّل

(از محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم و مغفور سابق ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو جو جید عالم عطا کئے ان میں سے ایک نام مولانا ابولعطاء صاحب جالندھری کا بھی ہے آپ کی مایۂ ناز کتاب ''تفہیمات ربانیہ'' کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو قلم پر پورا عبور دیا تھا۔ جس زمانہ میں آپ فلسطین میں مبلغ تھے وہاں آپ کو البشریٰ رسالہ جاری کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ۔ پھر جامعۃ الاحمدیہ ربوہ میں بھی پرنسپل کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ الفرقان رسالہ ایک عرصہ آپ ہی کی ادارت میں کام کرتا رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے علمی کارہائے نمایاں دیکھتے ہوئے آپ کو ''خالد احمدیت'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

آپ کی خدمت اسلام و احمدیت کا وصف آپ کی اولاد میں بھی خوب اُجاگر ہوا جہاں آپ کے بیٹے مولانا عطاء المجیب صاحب راشد امام مسجد لندن کو نمایاں طور پر خدمت احمدیت کی توفیق ملی وہاں آپ کی بیٹی امۃ الباسط ایاز صاحبہ کو بھی قلم سے کام لینے کا خوب موقع حاصل ہوا جو کہ محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ برطانیہ کی اہلیہ ہیں۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ ہر مضمون ایک نئے زاویہ سے لکھا گیا ہے

مضمون پڑھنے والے کو مضمون پورا پڑھنے کی طرف مضمون خود ہی راغب کرتا ہے۔ مضامین میں ادبی ناول کا رنگ نمایاں ہے اور بات کو بڑے آسان اور عمدہ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موصوفہ کے علم میں اَور برکت ڈالے اور اس کتاب کو بہتوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا وسیم احمد

ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان



تعارف

(از محترمہ بشریٰ طیبہ غوری صاحبہ سابق صدر لجنہ اماء اللہ بھارت)

مکرمہ بہن امۃ الباسط ایاز صاحبہ اور خاکسار کا تعارف صرف چار سال پُرانا ہے جب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی شفقت کے نتیجے میں خاکسار جلسہ سالانہ یو کے 2000ء میں لجنہ اماء اللہ بھارت کی نمائندہ کی حیثیت سے شمولیت کی غرض سے لندن گئی اور جلسے کے بعد بہن امۃ الباسط صاحبہ کی طرف سے ایک پُرخلوص دعوت سے ہمارے تعلق کا آغاز ہوا۔ ظاہری طور پر تو یہ تعلق صرف چار سال پرانا ہے لیکن در اصل میرے بچپن سے ہی یہ تعلق یوں قائم تھا (گو کہ اس کا علم نہ تھا) کہ آپ کے والد صاحب محترم ابولعطاء صاحب جالندھری کا ذکر اپنے والد صاحب مرحوم سے اس طرح سنا ہوا تھا کہ ''استاذی المحترم جناب ابوالعطاء صاحب'' اور باقاعدگی سے آنے والے رسالے ''الفرقان'' پر یہ نام دیکھتی تھی اور اسی طرح رسالہ مصباح جو بچپن سے پڑھتی تھی اور ٹائیٹل سمیت پڑھتی تھی اور ٹائیٹل پر امۃ اللہ خورشید مدیرہ مصباح (آپ کی بڑی بہن) کا نام پڑھ پڑھ کر ذہن میں بڑی محبت سے بیٹھا ہوا تھا۔ نہ کبھی ان کو دیکھا، نہ ملاقات، نہ کبھی خط و کتابت۔ پھر ملکی حالات کے تحت رسالے آنے بھی بند ہو گئے مگر دلوں کا تعلق تو بندھ چکا تھا۔

''...دِل کی دونوں حالتوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلانے کی کوشش کی ہے۔ بالآخر ایک نہایت اہم نکتہ بتاتی چلوں کہ دل کی ایک نالیاں وہ ہیں جن

میں خون گردش کرتا ہے جو انسانی جسم کے لئے زندگی بخش ہیں۔ ایک وہ نالیاں ہیں جن میں اطاعت کی نہریں بہتی ہیں اور انسان کی روحانیت کا زندگی بخش جام ہیں...''

مندرجہ بالا یہ سطور، دلوں کو چھو جانے والی تحریر روحانی ''نشیمن'' جو مکرمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ کے علمی، ادبی، دینی و معلوماتی مضامین کے مجموعہ کا نام ہے کے ایک مضمون ''دِل'' سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب میں ادیبہ نے انتہائی حسین پیرائے میں مختلف عناوین پر اپنے دل سے اٹھنے والی آواز کو اس طرح پیش فرمایا ہے کہ ہر دل پر اثر کر جائے اور آپ کا دل ان کے لئے دعا ہی دعا بن جائے۔ یہ گلدستہ ہے حسین و جمیل پھولوں کا جن کی خوشبو سے آپ کا دل و دماغ معطر ہو جائیگا۔

اس کتاب میں اگر ایک طرف کسی خوبصورت سفر کی داستان قلمبند کی گئی ہے تو دوسری طرف کسی جزیرے کی جغرافیائی سطح سے لے کر اسکی جھیل کے اندر تک کی کہانی کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ آپ کا دل سچ مچ وہاں جانے کی خواہش میں مچلنے لگے گا۔ کہیں ہمارے بزرگ آباء و اجداد کی سیرت کے دل نشین واقعات کا تذکرہ ملے گا کہیں امہات المؤمنین کے حالات پڑھ کر دل میں ایک عجیب جوت جلتی نظر آنے لگے گی۔ کہیں تربیت کے نکتے اس طرح بیان ہیں کہ دل میں اتر جائیں۔ کہیں ایفائے عہد کی داستانیں دلوں میں اپنے اپنے عہد ناموں پر کھرا اترنے کی جدو جہد کی ترغیب دلائیں گی۔

''یہ سنتے نہیں'' اور ''خوشیوں کا حصول'' پڑھیں گے تو ضرور اس کا ایک ایک لفظ دل میں بَس جائے گا۔ ذرا ''ہماری اماں جی'' کا مطالعہ کریں آپ کے دل سے ہزاروں ہزاروں دعائیں ان کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی نکلیں گی کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں بھی ایسے

احساسات بھر دے کہ ہم بھی اپنی بہوؤں کے لئے اپنے دل کے گوشوں کو یوں ہی نرم و شفیق رکھ سکیں جس کے نتیجے میں بہوؤں کے دلوں میں گھر کر جائیں۔

اور ہاں جب بھی گھر میں دال پکے گی تو نشیمن کی ''ذ'' بھی ضرور آپ کو ''دل'' اور ''دال'' (صرف الف کا ہی فرق ہے) کے عنوان سے یاد آئے گی۔

بس کرتی ہوں، کہیں آپ کا تجسس کم نہ ہو جائے خود ہی ملاحظہ فرمائیں۔

دعا کی درخواست کے ساتھ

بشریٰ طیبہ غوری قادیان



پیش لفظ

(از محترم انور کاہلوں صاحب مرحوم)

محترمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ نے مجھ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں ان کی کتاب نشیمن کے لئے پیش لفظ لکھوں۔ یوں تو میرے لئے یہ بہت اعزاز کی بات ہے کہ عزیزہ کی نظرِ انتخاب مجھ جیسے کم پایہ اور کم علم شخص پر پڑی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے کبھی کسی رسالہ یا کتاب کے لئے پیش لفظ تو کجا کوئی مضمون تک نہیں لکھا۔ اور میں اس کوچہ سے قطعی طور پر نابلد ہوں لیکن عزیزہ باسط کے ارشاد کی تعمیل کے بغیر میرے لئے کوئی چارہ بھی نہیں کہ وہ ایک عظیم باپ کی بیٹی، ایک عظیم آنریری مبلغ کی زوجہ اور ایک عظیم مبلغ کی بہن ہیں گویا ان کا سارا گھرانہ ہی روحانیت علم و عمل اور پاکیزگی کا گہوارہ ہے۔ بقول شاعر:

این خانہ ہمہ آفتاب است

مجھے عزیزہ باسط کے والد گرامی حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے بچپن سے ہی محبت اور عقیدت کا تعلق ہے میں بچپن میں اپنے والد چوہدری بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے چچا چوہدری فیض احمد صاحب کی معیت میں جب بھی جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے لئے جاتا تھا تو میری زبردست خواہش ہوتی تھی کہ میں حضرت مولوی صاحب کی تقریر کو ضرور سنوں اگرچہ عمر کے لحاظ سے میں پوری طرح آپ کی تقریر سے مستفیض تو نہیں ہوسکتا تھا لیکن سارا وقت آپ کی تقریر کے دوران جم کر بیٹھا رہتا تھا اور ایک عجیب قسم کا سرور محسوس کرتا تھا

حضرت مولوی صاحب کا وجود روحانی مقناطیس کی طرح تھا جو ہر اس شخص کو جو آپ کے قریب ہوتا تھا اپنی طرف کھینچ لیا کرتا تھا اور ایسا روحانی اثر اس میں بھی منتقل کر دیا کرتا تھا آپ ایک روشن اور خوبصورت چراغ تھے جس سے ہزاروں چراغ روشن ہوئے اور آپ کی شاگردی کے طفیل ان چراغوں کی روشنی سے ہر طرف اجالا ہو گیا۔

حضرت مولوی صاحب کا ایک زبردست کارنامہ آپ کا علمی اور قلمی جہاد ہے آپ نے اپنے قلم کے زور سے دشمنوں کے چھکے چھڑا دئے تھے۔ بڑے نامی گرامی مخالفین احمدیت قلم کاروں کو چاروں خانے چت گرا کر احمدیت کا بول بالا کر دیا تھا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلطان القلم ہونے کے معجزہ سے بھرپور حصہ پایا تھا۔

عزیزہ امۃ الباسط کے مضامین کا کچھ حصہ جو انہوں نے اپنی کتاب نشیمن کے لئے تحریر کیا ہے میں نے پڑھا ہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قلم کے میدان میں بھی اپنے عظیم باپ کا حقیقی وارث بنایا ہے۔ ''نشیمن'' علم وادب اور روحانیت کے خوشبودار، رنگا رنگ اور دلربا تنکوں سے بنایا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ قارئین کیلئے بے حد ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا۔ اور یہ مضامین قارئین کی تعلیم وتربیت میں ایک اہم کردار ادا کریں گے۔

''نشیمن'' کا ایک مضمون ''انکے، آپکے اور ہمارے نام'' ایک علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ اس موضوع پر لکھنا آسان کام نہ تھا لیکن عزیزہ باسط نے نہایت خوبصورتی سے ملک ملک کے نام رکھنے کے انداز کو بڑے سلیقہ سے جمع کر کے پیش کیا ہے۔

ناموں کے رکھنے میں بھی اسلام نے ایک جدت یہ پیدا کی ہے کہ نام بامعنی ہوں اور مشرکانہ نہ ہوں۔ یہ خصوصیت کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی۔

''نشیمن'' کے تمام مضامین پر تبصرہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔ قارئین خود تمام مضامین کو پڑھ کران سے علمی، ادبی اور روحانی لطف اٹھائیں گے۔ میری یہ دعا ہے کہ عزیزہ باسط کی یہ کاوش اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہو اور قارئین میں بھی مقبولیت کرے۔

عزیزہ باسط کیلئے میری یہ دعا ہے کہ:

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

خاکسار

انور احمد کاہلوں



مکاتیب مبارکہ

حضرت اقدس مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہٖ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

لندن

5-5-95

پیاری مکرمہ امتہ الباسط ایاز صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

...آپ کی بے ساختہ خودرو رواں دواں تحریر حضرت مولوی صاحب کی تقریر یاددلاتی ہے۔ ماشاء اللہ۔ چشمِ بددور۔ ناموں سے متعلق آپ کا دلچسپ، کھلتا، اُبھارتا ہوا مضمون بھی پڑھ کر لطف اندوز ہوا تھا...

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع

○○

مکاتیب مبارکہ

حضرت اقدس مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

لندن

15-1-98

پیاری عزیزہ مکرمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ ماشاء اللہ آپ خوب لکھتی ہیں اور بڑے اخلاص سے منظر کشی کرتی ہیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا و الآخرۃ......

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع

○○

مکاتیب مبارکہ

حضرت اقدس مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا

إنا فتحنا لك فتحا مبينا

ولقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة

خلیفۃ المسیح الرابع

امام جماعت احمدیہ

لندن

1-12-98

عزیزہ مکرمہ امۃ الباسط ایاز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پرخلوص خط ملا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ آپ ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں اور پرانی یادوں کو اچھے رنگ میں لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیک تمناؤں کو پورا فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے اور دین کی خدمت کی توفیق بخشے۔ گھر میں سب عزیزوں کو بہت بہت سلام اور دعا۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

مکاتیب مبارکہ

حضرت اقدس مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

لندن

01-11-98

عزیزہ مکرمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پر خلوص خط ملا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ آپ ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں اور پرانی یادوں کو اچھے رنگ میں لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیک تمناؤں کو پورا فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے اور دین کی خدمت کی توفیق پائیں۔ گھر میں سب بچوں کو بہت بہت سلام اور دعا۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع

○○

مکتوب مبارک

حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

جْعَلْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ سُلْطٰناً نَصِیْراً

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ

خلیفۃ المسیح

امام جماعت احمدیہ

لندن

08-05-04

مکرمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اللہ آپ کو قلمی میدان میں بھرپور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعاؤں پر زور دیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی بہترین برکات وحسنات کا وارث بنائے اور ہر آن آپ کی نصرت فرماتا چلا جائے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے فضل ورحم سے ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

محترمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ

......ایک نظر میں......

امۃ الباسط صاحبہ حضرت مولانا ابوالعطا صاحب کے عقد ثانی مکرمہ سعیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ کے بطن سے سب سے بڑی بیٹی ہیں ۔دسمبر ۱۹۵۹ میں آپ کی شادی مکرم سرافتخار ایاز صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ انگلستان اور سابق امیر جماعت طوالو ابن مکرم مختار احمد ایاز صاحب مرحوم سے ہوئی اور شادی کے بعد آپ میاں کے ساتھ تنزانیہ مشرقی افریقہ تشریف لے گئیں۔

تنزانیہ جاتے ہی وہاں آپ کو بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کا خیال آیا اور آپ نے ایک رسالہ 'زجاجہ' شروع کیا۔ اس پر آپ بہت محنت کرتیں ۔مضامین تیار کرنے کے علاوہ طباعت اور اشاعت کا کام بھی خود ہی کرتیں ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ رسالہ بہت مقبول اور مفید ثابت ہوا۔ بعد میں تنزانیہ میں آپ کو دارالسلام بکوبہ اور مورو گورو کی لجنات کی صدارت کی بھی توفیق ملی 1984ء میں مستقل طور پر لندن تشریف لے آئیں ۔ یہاں آتے ہی حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ڈاک کے کام میں معاونت کی توفیق ملی ۔اس کے ساتھ لجنہ کے رسالہ النصرت کے ادارتی بورڈ پر کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ ومبلڈن حلقہ کی لجنہ کی صدر بھی رہیں اور پھر اپنے میاں کے ساتھ طوالو جزائر میں خصوصی خدمات کی توفیق ملی ۔ وہاں تبلیغ کے میدان میں نتیجہ خیز کام کرنے کا موقع ملا اور اللہ تعالیٰ نے پھل عطا فرمائے ۔ وہاں لجنہ کا قیام اور پھر اس کے بعد لجنہ کی تعلیم و تربیت کے کام میں بہت

محنت کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے طوالو میں لجنہ کا کام جاری ہے۔

بچوں کی تربیت کا اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور انورؒ نے ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر ان کے میاں کے ذکر کے ساتھ ان کا بھی ذکر فرمایا کہ باپ کی غیر حاضری میں اپنے بچوں کی بہت اچھے رنگ میں تربیت کر رہی ہیں۔

حضور انورؒ کو آپ کی تحریر کا انداز بہت پسند تھا اور حضورؒ نے کئی مرتبہ اس کا اظہار فرمایا ان کے خطوط پر۔

مضامین لکھنے کا بہت شوق ہے اور نہایت دلکش انداز میں مضمون پیش کرنے کی صلاحیت ہے۔ مختلف ممالک کے جریدوں میں ان کے مضامین چھپتے رہتے ہیں اور سب ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

ان کی شادی کے موقع پر حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے ایک دعائیہ نظم لکھی تھی جو اس نوٹ کے ساتھ پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب مرحوم و مغفور کی ساری اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ شمعیں ہمیشہ روشن رہیں جن کو آپ نے اپنی زندگی میں لَو عطا کی۔



حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم ومغفور کا دعائیہ کلام

محترمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ کی شادی کے موقع پر

اے میرے خدا اے میرے محسن میرے منان
اس بندۂ ناچیز پر ہیں کیا کیا تیرے احسان
تُونے مجھے ناچیز سے اِک چیز بنادیا
پھر دولت ایمان دی اور نعمت قرآن
پھر تُو نے عطا کی مجھے اولاد وہ پیاری
جو دین محمدؐ پہ دل و جان سے ہے قربان
ان بچوں میں امتہ الباسط مِری بچی
جو بیٹھی ہے اب گھر میں مرے صورتِ مہمان
اب رشتۂ شادی میں وہ افریقہ چلی ہے
اور اس کی جدائی سے ہے دل سب کا پریشان
اے میرے خدا تُو ہی سہارا ہے سبھی کا
رحمان تیرا نام ہے سبحان تیری شان
ہاں جاؤ میری جان خدا حافظ و ناصر
اللہ نگہبان ہو اللہ نگہبان

خاکسار : (دستخط) ابو العطاء جالندھری - مورخہ 6 دسمبر 1959ء

نشیمن

خواہش ہے کہ تنکے تنکے سے ایک روحانی نشیمن بنا سکوں
اللہ اس کی توفیق دے۔آمین۔

وہ علم دے جو کتابوں سے بے نیاز کرے
وہ عقل دے کہ دو عالم میں سرفراز کرے

یہ ''نشیمن'' نام کی چھوٹی سی کتاب ہے جو اپنے پیارے ابا جان کے نام کرتی ہوں جنہیں تقریر وتحریر میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا اور اُن کی خواہش بھی تھی کہ ہم سب بچے خوب پڑھ لکھ کر علم دوست اور باعمل انسان بنیں۔اُن کی ایک نظم جب کہ وہ ہمارے ساتھ یا ہم اُن کے ساتھ قادیان دارالامان پارٹیشن کے بعد پہلی بار 1962ء میں گئے۔واپسی پر ٹرین میں بیٹھے ہوئے حضرت ابا جان کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہے تھے۔ان کی آنکھوں میں ایک گہری اُداسی تھی اور مسلسل منارۃ المسیح اور قادیان کی مبارک بستی کو دیکھتے جا رہے تھے۔میں سامنے والی سیٹ پر بیٹھی تھی اور پیارے ابا جان اپنے دھیان میں یہ گنگنا رہے تھے:

''تنکے تنکے سے بنایا میں نے اپنا آشیاں''

اور میں اس کوشش میں رہی کہ اگلا مصرعہ بھی سنائی دے کہ گاڑی کی تیز آواز والی سیٹی اور شور وغل کے ساتھ یہ تسلسل ٹوٹ گیا۔آج جبکہ میں کئی سالوں پر پھیلے ہوئے اپنی تحریرات

کے تنکوں کو جمع کر کے شائع کروانا چاہتی ہوں تو یہ واقعہ یاد آ گیا اور ابا جان مرحوم کی یاد بہت آ رہی ہے۔انہی تنکوں کی نسبت سے میں نے اس کتاب کے لئے ''نشیمن'' کا نام منتخب کیا ہے اور یہ کتاب میں اپنے پیارے ابا جان حضرت مولٰنا ابوالعطاء صاحب مرحوم کے نام کرتی ہوں اور قارئین سے اپنے ابا جان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اس ''نشیمن'' کو ایک روحانی نشیمن بنا دے اور اس میں بسیرا کرنے والے اس کی درگاہ سے بہترین انعامات پانے والے ہوں۔آمین۔

کم ہیں جہاں میں لوگ جو مر کر امر ہوئے
دن تیری زندگی کے بڑے پُر اثر ہوئے

عاجزہ

جون 2004ء　　　　　　　　امۃ الباسط ایاز

لندن



میری مضمون نویسی کی ابتداء

یوں تو اسکول میں بھی چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے کا موقع ملتا تھا اور اللہ کے فضل سے ہماری استانی محترمہ سیدہ صاحبہ جو میر مہدی حسین صاحب کی بیٹی تھیں وہ انگلش اور اُردو دونوں زبانیں پڑھایا کرتی تھیں۔ بڑی قابل اور شفیق استاد تھیں۔ مجھ سے اُن کا سلوک کچھ انوکھا تو نہ تھا مگر خاص توجہ ضرور فرماتی تھیں اور بڑی محبت سے ہر غلطی کی اصلاح کرواتیں اور کبھی کبھی سرزنش بھی کر کے کہہ دیا کرتیں کہ امتہ الباسط آپکو تو یہ معنی آنے چاہئے تھے۔ایک دفعہ جبکہ میں اپنی آپا امتہ اللہ خورشید مرحومہ کے ساتھ ان کے گھر گئی تو گفتگو کے دوران انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپکے ابا جان اور آپکی آپا کو دیکھو کتنے عالم ہیں تم بھی تو میری شاگردِ سعید ہو نا! ان کی طرح عالم بننا میں چونکہ سعید کے معنی نہ جانتی تھی جھٹ کہہ دیا نہیں اس پر میری آپا اچھی امتہ اللہ بہت ہنسیں۔ پھر واپسی پر مجھے رستے میں ڈانٹ ڈپٹ بھی کی کہ تم نے کیوں یہ جواب دیا۔ بھلا پتہ ہے کہ وہ کتنی قابل ہیں اور کتنی شفقت سے تمہارا ذکر کر رہی تھیں اس پر مجھے بہت شرمندگی ہوئی اور اگلے دو روز اسکول سے چھٹی کر لی کہ کس طرح اُستانی سیدہ صاحبہ کو منہ دکھاؤں گی۔

پھر جب اسکول گئی تو دوبارہ وہی شفقت اور حوصلہ بڑھانے والے واقعات شروع ہو گئے۔ہمیں ایک مضمون لکھنے کو دیا گیا ’’وقت کی پابندی‘‘ جس کیلئے پابندی یہ تھی کہ خوشخط بھی ہو اور چار صفحے کا بھی ہو۔ وجہ اس عنوان کے دینے کی یہ تھی کہ اکثر لڑکیاں دیر سے آتی تھیں اور

اُن کی کلاس میں اگر کوئی لیٹ آتا تو کلاس سے باہر کھڑا رہنا پڑتا یا پھر کافی سخت سزا اور ڈانٹ پڑا کرتی تھی اور لیٹ آنے والا دوبارہ کافی محتاط اور ہوشیار ہو جاتا تھا۔ اب یہ مضمون لکھنا ہم سب کیلئے ایک نمونہ یا ٹیسٹ ہی بن گیا اور کبھی نہ کبھی تو ہر ایک ہی لیٹ ہو جایا کرتا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اب کے اپنے ابا جان سے یہ مضمون لکھوانے کو کہتی ہوں۔ کئی روز آج نہیں تو کل ہوتا رہا۔ کبھی بیٹھ کر لکھوا دوں گا۔ آخر مضمون دینے کا آخری دن آ گیا اور آج تک ایک لفظ بھی نہ لکھا گیا تھا۔ میں بیٹھی یوں ہی کاغذ قلم لے کر اُداس سی تھی کہ ابا جان میرے پاس آئے کہ کیا بات ہے میں نے کہا ابا جان آپ نے کہا تھا کہ میں مضمون لکھوا دوں گا اور کل میں نے ضرور لے کر جانا ہے اور ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں لکھا اس پر ابا جان نے کہا فکر نہ کرو آؤ بیٹا ابھی بیٹھ کر میں لکھواتا ہوں تم لکھنا شروع کرو اور مضمون کچھ یوں لکھوانا شروع کیا:

''ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک قدرت ہمیں وقت کی پابندی سکھاتی ہے اور اپنی قدرت سے وقت کی پابندی دکھاتی ہے موسم اپنے وقت پر آتے ہیں اور بدلتے ہیں۔ دن رات مقررہ وقت پر چڑھتے ہیں اور ڈھلتے ہیں اور اسی طرح چاند اور سورج بھی روزانہ مقررہ وقت پر طلوع ہوتے ہیں اور غروب ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر زندگی اور موت کا بھی خدا تعالیٰ نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر انسان کو جو اپنے وقت پر دنیا میں آیا ہے موت کا بھی وقت مقرر کر دیا ہے اسی پر جائے گا۔ اب ہم روزمرہ کی زندگی میں نظام زندگی شروع کرنے سے پہلے پانچ فرض نمازوں کی ادائیگی کے پابند ہوتے ہیں اور نماز فجر کے وقت مقررہ پر ادا کرنے سے بہت سی برکات اور فائدے اٹھاتے ہیں۔ صحت، کاروباری کاموں میں برکت اور دن بھر چاک و چوبند رہنے میں اسی نماز کے مقررہ وقت پر اُٹھ کر پڑھنے سے منسلک کر دیا گیا ہے اور ہر تجربہ کرنے والا اس کا گواہ ہے۔ اور اسی طرح باقی نمازوں کے اوقات مقرر کرنے

اور اُن کے مقررہ وقت پر ادا کرنے سے جو فوائد اور برکات اور سکون ملتا ہے ہر پنج وقتہ نمازی خوب جانتا ہے اور وقت کا پابند اور نمازوں کا پابند اس کو پالیتا ہے۔''

پس یہاں تک ہی یہ مضمون لکھوایا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ساتھ ہی دروازے پر بھی کسی ملنے والے نے دستک دی۔ گویا اب میں نے سوچا کہ ابا جان تو گئے اور پھر نہ جانے کب فرصت کے دو لمحے ملیں گے اور باقی مضمون پورا ہوگا۔ میں بھی خوش بہت ہوگئی تھی کہ چلو بنیاد تو رکھی گئی اب عمارت بھی دھیرے دھیرے آگے بڑھ ہی جائے گی۔ مگر ہوا کیا کہ جو ملنے آئے تھے وہ دراصل ابا جان کو اپنی کار میں لینے آئے تھے۔ نہ معلوم کہاں جانا تھا۔ بہر حال شام سے رات اور رات سے صبح ہوگئی اور پھر ابا جان سے ملاقات نہ ہوسکی کہ ابا جان کو تو دو تین دن کے سفر پر جانا تھا جس کا مجھے علم ہی نہ تھا۔ میں نے سخت گھبراہٹ میں جلدی جلدی صبح کی نماز ادا کی اور بعد دعا کے کوشش کر کے اپنا مضمون پورا کیا اور اسکول کیلئے تیار ہو کر چلی گئی۔ کلاس میں داخل ہوتے ہی سب نے اپنی اپنی کاپیاں کھولیں اور اچھے خوشخط لکھے ہوئے مضامین اُستانی سیدہ صاحبہ کی میز پر لے جا کر رکھنے شروع کئے۔ میں نے چونکہ اپنا مضمون دوبارہ ایک بار بھی نہ پڑھا تھا اور خیال تھا کہ کافی غلطیاں لکھائی کی اور الفاظ کی درستگی ضروری تھی۔ میں ابھی اسی طرف متوجہ تھی کہ اُستانی صاحبہ کی آواز آئی۔ امتہ الباسط آپ کیا کر رہی ہیں۔ میں نے گھبرا کر جو کچھ لکھا تھا کاپی لا کر اُن کی میز پر سب لڑکیوں کی کاپیوں کے آخر میں رکھ کر واپس جانے لگی۔ تو اُستانی صاحبہ جھٹ میری ہی کاپی سب سے پہلے اُٹھا کر مضمون خاموشی سے پڑھنے لگیں۔ میں ڈر کے مارے کانپ رہی تھی کہ چونکہ وہ بالکل خاموش اور ذرا بہت غور سے پڑھ رہی تھیں کہ مجھے یوں لگا جیسے بہت ساری غلطیاں ہیں اور سُرخ پین سے نشان کر رہی ہیں۔ دعائیں اس وقت جتنی آتی تھیں پڑھ ڈالیں۔ کیونکہ طریق تھا کہ کسی ایک کی غلطی کی اصلاح کر کے ہم سب کی اصلاح کر

دیا کرتی تھیں اور آئندہ سے ہم وہ غلطی نہ کرتے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ انہوں نے مضمون کے آخر پر کچھ لمبا چوڑا نوٹ لکھا اور کھڑی ہو گئیں اور ساری کلاس کو میری کاپی پر لکھا ہوا مضمون دکھا کر کافی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جو کچھ انہوں نے کہا میں خود اپنے منہ سے نہ کہوں گی۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ انکی خوشنودی پا کر میرا حوصلہ بڑھ گیا اور میں نے آئندہ پوری کوشش کر کے مضمون لکھنے شروع کئے یا لگے ہاتھوں یہ بتاتی چلوں کہ آپ نے پوچھا امتہ الباسط یہ مضمون آپ نے خود لکھا ہے؟ میں نے چونکہ غلط بات تو کرنا نہیں تھی میں نے جھٹ بے ساختہ کہہ ڈالا جی آدھا مضمون میرے ابا جان نے لکھوایا تھا پھر وہ سفر پر چلے گئے اور آدھا میں نے خود ہی لکھا ہے اس پر آپ نے مجھے بہت شاباش دی اور مزید خوشی کا اظہار کیا کہ جرأت سے سچ بھی بولا ہے اور کام بھی پورا کر کے لائی ہے۔ جزاکم اللہ۔ ایک اور بات جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اُستانی صاحبہ نے مجھ سے پوچھا کہ ''آفرینش'' کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ اگرچہ مجھے اس کے معنی تو نہ آتے تھے مگر اگلا مضمون لکھنے سے مطلب صاف سمجھ میں آ گیا تھا میں نے اپنے اندازہ سے اُن کو بتا دیا اس پر وہ مزید خوش ہوئیں۔ مگر میں دل میں یہ سوچ کر خوشی محسوس کر رہی تھی کہ نہ جانے میں نے کیسے صحیح معنی بتا دئے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے گھر جا کر ڈکشنری سے معنی دیکھ کر تسلی بھی کر لی اور پھر آئندہ کیلئے یہ عادت بنا ڈالی کہ ڈکشنری کا استعمال بہت مفید ہوتا ہے۔ یہ تھی میری پہلی حوصلہ افزائی کی داستان جس کا کریڈٹ میرے ابا جان کو جاتا ہے اور میری مضمون نویسی کی ابتدا اسی مضمون سے ہوئی۔ الحمدللہ۔

علاوہ ازیں مضمون نویسی کی ابتداء اور شوق میں اس بات کا بھی بہت دخل ہے کہ ہمارے ابا جان کے گھر میں بالکل دینی ماحول تھا اور علمی ماحول کے علاوہ دنیا بھر کے اخبارات اور رسالے جو اکثر روزانہ اور ماہانہ اور کئی ایک ہفتہ وار بھی ہوا کرتے تھے جن کے کچھ نام اب بھی

یاد ہیں اور وہ سب دیوار سے تاروں میں پرو پرو کر لٹکائے ہوتے تھے اور جگہ جگہ سُرخ پین سے نشان لگے بھی میں دیکھا کرتی تھی شاید حوالے وغیرہ لکھتے ہوں گے یا خطوں اور بحثوں کے لئے جواب لکھنا ہوں گے نہ معلوم بچپن تھا کچھ زیادہ جستجو نہ کی جاتی تھی بس ہم دیکھا کئے اور نام جو یاد ہیں یہ تھے۔ الفضل، نوائے وقت، Pakistan Times تشحیذ الاذہان، لاہور، تقویٰ، البشریٰ، قندیل، جنگ اور Readers Digest اور بھی بے شمار اخبار ہوا کرتے تھے مجھے یاد ہے جبکہ میں مڈل کلاس میں تھی حضرت ابا جان مرحوم و مغفور Reader's Digest رسالہ جب آتا، تو لا کر میرے بستر پر رکھ جاتے اور مجھے کہتے کہ بیٹا اس میں یہ ٹاپک ضرور تم بھی پڑھا کرو "Life Is Like That" اور دوسرا ''Laughter Is The Best Medicine'' یہ میں بڑے شوق سے پڑھتی اور ابا جان کو بتاتی کہ لکھنے والے نے بڑا ہی اچھا لکھا ہے اس پر فرماتے کہ تم بھی تو لکھا کرو نا میں جھینپ جاتی اور کہتی کہ ابا جان میں کیسے اتنے اچھے مضمون لکھ سکتی ہوں تو باصرار کہتے کہ کیوں نہیں تم کوشش کرو تو ایک دن ضرور لکھ پاؤ گی۔ شاید یہی دعا انہوں نے مجھے دل سے دی ہوگی آج اگر اس دنیا میں ہوتے تو شاید یہ لکھتے ہوئے دیکھ کر بھی ضرور خوشی محسوس کرتے کیونکہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور کوششوں پر بڑی ہمت بڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کو اپنے جلسہ سالانہ کیلئے تقریر تیار کرنی تھی، ادھر دن کم رہ گئے تھے اور ہمیں دعا کے لئے کہا کرتے تھے کہ دعا کرو جلسہ سالانہ کی تقریر تیار کرنی ہے وقت نہیں ملتا۔ ایک دن نماز کے لئے وضو کر رہے تھے کہ مجھے آواز دی کہ جلدی پین اور کاغذ لے کر آؤ۔ میں ذرا گھبرائی نہ جانے کیا بات ہے کہنے لگے کہ یہیں بیٹھو اور لکھو ......اور مجھے چند فقرے جلدی جلدی لکھنے کو کہا کہ باقی نماز پڑھا کر آؤں گا تو لکھواؤں گا یہ جلسہ کی تقریر کے لئے کوئی مضمون تھا جو ذہن میں آ گیا اور فوراً کاغذ پر نوٹ کر دینا چاہتا تھا اور جب جلسہ سالانہ کی تقریر ان کی

امید سے بڑھ کر ہی شاندار ہوگئی اور بہت پسند کی گئی اور بہت لوگوں نے مبارک باد بھی دی۔ میں بھی اندر اندر خوش تھی کہ میری لکھی ہوئی تحریر بھی اس تقریر میں شامل ہوئی ہوگی مگر دیکھئے شفقت اور محبت کا پیکر کیا کہتا ہے۔ ابا جان میرے پاس آئے اور مجھے گلے لگا کر بہت پیار کیا اور کہا کہ بچڑا تم نے تقریر لکھی تھی اور سب کو پسند آئی میں نے کہا میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا صرف آپ کے کہے ہوئے چند فقرے نوٹ کئے تھے کہنے لگے اسی کی برکت سے تو ایسے ہوا ہے تم بھی تقریریں کیا کرو اور مضمون لکھا کرو اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی اور آگے بڑھنے کی ہمت دلائی۔ انہی دنوں سکول میں جلسہ تھا اور تقاریر ہوا کرتی تھیں میں نے بھی حصہ لیا۔ عنوان تھا: ''اقوام متحدہ کی اہمیت و ضرورت'' تقریر تو بھائی جان عطاء الکریم شاہد صاحب نے لکھ کر دی تھی مگر میں نے زبانی یاد کر کے خوب جوش سے کی۔ یہ میری پہلی تقریر تھی جس کا پسندیدگی کی وجہ سے انعام بھی ملا تھا۔ اس کے بعد ایک Debate میں بھی حصہ لیا، عنوان تھا:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

خوب دھواں دار تقاریر دونوں طرف سے ہوئیں۔ خوب رونق افزاء پروگرام تھا اور مزا بھی آیا کہ ہماری ٹیم جیت گئی اور مبا کباد اور ٹرافی کی حقدار ٹھہری۔ بس اس طرح سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ قدم بہ قدم آگے بڑھنے لگا اور اللہ کے فضل سے اب میرے بچے مجھے کہتے ہیں کہ امی کے سامنے کوئی بھی بات، واقعہ یا سیر کا ذکر کرو یا حادثے کا تو یہ مضمون لکھ دیں گی ... یہ تو بچوں کا پیار ہے مگر اللہ کا فضل ہے کہ مجھے لکھنے کا شوق ضرور ہے وقت ملنے پر ضرور کچھ لکھتی یا پڑھتی ہوں اللہ تعالیٰ میری حقیر کوششوں میں برکت ڈالے آمین اور کوئی مفید باتیں، کام اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

رہا اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کا ذکر تو یہ بھی کسی کے پوچھنے پر بتانا ہی پڑتا ہے کہ مصباح میں سب سے پہلے مضمون جو چھپا اور جسے دیکھ کر مجھے خود بھی یقین نہ آتا تھا وہ تھا ''والدین کی خدمت'' اور دوسرا ''سچائی'' اور تیسرا ''میرا پہلا بحری سفر''

اللہ کرے کہ یہ زندگی کا سفر بھی بہت حسین و خوشگوار اور نافع الناس ہو اور خدا کی خوشنودی پا کر پورا ہو۔ آمین۔



میرا پہلا بحری سفر

یہ مضمون لکھوانے کی محرک میری آپا اچھی مرحومہ امتہ اللہ خورشید تھیں جنہوں نے مجھے خط میں لکھا کہ تم اپنے سفر کے حالات مجھے لکھو۔ میں نے انکو خط میں یہ سب کچھ لکھا تھا اور انہوں نے مجھے Surprise دیا کہ مصباح میں شائع کر کے مجھے رسالہ بھجوا دیا۔ یہ مضمون فروری 1960ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے لکھے ہوئے بوسیدہ کاغذوں کو چوالیس سال تک محفوظ رکھا یہ میرے ڈاکٹر افتخار احمد ایاز کی قدر دانی ہے، جوں کا توں کاغذ کا پلندہ محفوظ رہا اور آج یہ نوٹ لکھ کر میں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ جن کے طفیل میں نے یہ ذرا سی کوشش کی ہے۔ آپ بھی ان کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاکم اللہ۔ (امتہ الباسط ایازؔ)

دسمبر 1959ء میں میری شادی ہوئی۔ مجھے ربوہ سے افریقہ جاتے ہوئے بحری جہاز کے سفر کے بارہ میں کچھ لکھنے کی تحریک میری اچھی آپا امتہ اللہ خورشید مرحومہ جو ان دنوں مصباح کی ایڈیٹر تھیں نے کی کہ باسط تم ضرور لکھنا۔ وطن سے دور عزیزوں پیاروں سے دور جا کر عجیب سی کیفیت تھی۔ نیا ملک نئے لوگ، بس خطوط لکھنے کے علاوہ کوئی کام بھی نہ تھا کیونکہ ان دنوں افریقہ سے خطوں کے جواب بھی مہینوں کے بعد آیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک خط میری آپا

امتہ اللہ کا آیا۔ انہوں نے مجھے افریقہ کے سفر اور وہاں کے حالات لکھنے کے بارہ میں لکھا کہ ہمیں تفصیل سے لکھ کر سب کچھ بتاؤ۔ لوگوں کا رہن سہن اور ملکی حالات وغیرہ۔ کیونکہ ہم میں سے کسی نے افریقہ نہیں دیکھا اور نہ ہی بحری سفر کیا ہے۔ لہٰذا میں نے ان کی دلچسپی کیلئے احمد نگر، ربوہ، کراچی اور ممبئی کے راستے شروع ہونے والے پہلے بحری سفر کے تمام تر حالات کچھ یوں لکھنے شروع کئے:

8-1-60 اچھی آپا! یوں تو عرف عام میں زندگی کو بھی ایک سفر ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن آج جس سفر کے متعلق میں نے کچھ لکھنے کیلئے اپنا قلم اٹھایا ہے اس سے مراد میرا پہلا سمندری (بحری) سفر ہے۔

چھ دسمبر 1959ء کی صبح نے میری زندگی میں ایک انقلاب سا پیدا کر کے مجھے ایک نئے سفر کیلئے تیار کر دیا۔ میرا سفر احمد نگر سے شروع ہوا اور ٹانگا (تنزانیہ میں ایک بڑے شہر کا نام ہے) پہنچ کر ختم ہوا۔ چونکہ میرا یہ سفر زندگی کے خوشگوار اور حسین ترین سفروں میں سے ایک ہے۔ اسی لئے آج میں اس سفر کے بیتے ہوئے دنوں کی دلچسپیاں قلم کی نوک تک لانے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ لیجئے سنئے کہ میں احمد نگر سے چھ دسمبر کی شام کو اپنے امی، ابا جان اور بہن بھائیوں کے علاوہ اپنی عزیز ترین ہمجولیوں کو بھی الوداع کہہ کر رخصت ہو کر ربوہ پہنچی۔ یہ سفر کی پہلی منزل تھی جو بخیر و خوبی طے ہوئی۔

اب ہمیں یہاں پر ہی نہیں رکنا تھا بلکہ ابھی بہت لمبی مسافت طے کر کے کہیں دور اپنی منزل کو پانا تھا۔ تو بس پھر کیا ہوا کہ میں اپنے مہربان والدین اور دوسرے سب عزیز و اقارب کی دعائیں لے کر اُنکی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ امی ابا اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت خوشی اور غمی کے جذبات لئے ہوئے تھے اگرچہ ان کی آنکھیں پرنم تھیں مگر ان کے دل خوش تھے اور

مطمئن تھے کہ آج انہوں نے اپنا بہت بڑا فرض احسن رنگ میں انجام دے دیا ہے۔اور وہ دونوں زیر لب دعائیں کئے جا رہے تھے۔ ان کے ہلتے ہوئے ہونٹوں اور ہاتھوں کے اشاروں سے خدا حافظ، خدا حافظ کی آواز مجھے صاف سمجھ آ رہی تھی۔ میں نے بڑے ضبط وتحمل سے اپنی اجنبی زندگی کے سفر پر روانہ ہونا شروع کر دیا تھا۔گارڈ کی سیٹی اور سبز جھنڈی نے یہ اعلان کر دیا کہ بس اب تو چھوڑ بابل کا گھر اب تجھے جانا ہی ہے۔ ماڑی انڈس دھیرے دھیرے سرکنے لگی۔ آنسوؤں پر کسے زور ہوتا ہے۔بن برسات کے برس پڑے۔ دل بہلانے والوں نے بہلاوے اور پیار کے انداز سے سمجھایا کہ بیٹیوں کو تو اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے نا۔ یہ میری محترمہ ساس صاحبہ صالحہ ایاز مرحومہ میرے ساتھ تھیں۔ مجھے گلے لگا کر کہہ رہی تھیں۔ لاہور سے ہمیں امرتسر سے ٹرین کے ذریعہ دہلی جانا تھا اور وہاں سے ممبئی جا کر بحری جہاز میں سوار ہونا تھا۔سفر کی یہ منزلیں رکتی رکتی کٹ ہی رہی تھیں مگر اپنے ساتھ بہت سی نئی باتیں دیکھنے اور سننے میں آ رہی تھیں۔ امرتسر میں جب پہلی مرتبہ ٹرین داخل ہو رہی تھی تو مجھے اپنے پیارے پیارے قادیان دارالامان جو میری جائے پیدائش بھی ہے اس جگہ جانے کی تڑپ دل میں چٹکیاں لینے لگی اور اپنے والدین کی زبانی قادیان کی پیاری بستی کی پیاری اور حسین یادوں کو یاد کر کے رونا آ گیا، جو وہ ہمیں سنایا کرتے تھے کہ وہاں ہمارا گھر ایسا ہوا کرتا تھا۔ ماحول ایسا پیارا اور روحانی تھا۔ اور بہت سے گزر جانے والے بزرگوں کی یاد سے وہ دونوں بے چین سے نظر آیا کرتے تھے۔ امرتسر سٹیشن پر رنگا رنگ کی پگڑیاں پہنے، کرپانیں لٹکائے لوگ میری توجہ کا مرکز بن گئے۔ کیونکہ میں نے بھی ان لوگوں کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔صرف سن ہی رکھا تھا۔

آخر دہلی آ گیا۔ یہ سترہ جنوری کی صبح تھی اور ہمیں ٹرین تبدیل کر کے دوسرے کمپارٹمنٹ

میں سارا سامان بھی لے کر جانا تھا۔ بہرحال میں تو سب کچھ دیکھا ہی گئے۔اب کے ہماری ہمسفر ایک یوروپین اور دو پنجابی سکھ عورتیں تھیں جو کہ میری دلچسپی کا باعث بن گئیں۔دوران گفتگو انکے مذہب کے بارہ میں کچھ معلومات حاصل کیں۔اور یہ گفتگو بڑی دلچسپ تھی۔مثلاً میری بول چال میں پنجابی کے لفظ ''کیداں'' کیسے،''تاہیں''تبھی ان عورتوں نے نوٹس کر کے پوچھا کہ بیٹا آپ تو جالندھر سے معلوم ہوتی ہو۔میں نے جھٹ کہہ دیا کہ میں نہیں بلکہ میرے ابا جان جالندھر کے ہیں۔اس پر دونوں بے ساختہ خوش ہو کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں پھر تو ہم تمہاری ''بوأ'' (پھوپھی) ہیں۔مجھے بوأ کے معنی نہیں آتے تھے۔میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہوتا ہے۔اس پر وہ بہت ہنسی اور بتایا کہ پھوپھی کو کہتے ہیں۔لگتا ہے تمہاری امی پنجاب کی ہیں۔اس طرح سے ہمارے تعارف اور رشتہ کو جان گئیں۔

رات کا کھانا ہم نے Dining Car میں جا کر کھایا سردی کے باوجود چائے ندارد۔رات بڑی اچھی گزری گھوڑے بیچ کر سوئے۔صبح ہوتے ہی ہمیں ممبئی دیکھنے کا شوق چرا رہا تھا اور ہم اشتیاق بھری نظروں سے ٹرین سے باہر دیکھ رہے تھے۔خدا خدا کر کے ساڑھے نو بجے ہم ممبئی کے پلیٹ فارم پر اترے۔جو منظر میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا دیکھنے میں، میں نے بڑا مختلف پایا۔کوئی خاص چہل پہل بھی نہ تھی۔قریب ہی سے ٹیکسی مل گئی۔اور ہم نے چونکہ اگلے دن بحری جہاز پر سوار ہونا تھا اس لئے ایک روز کے قیام کیلئے Windsor Hotel کا رُخ کیا۔چونکہ ٹرین کی تھکاوٹ کافی تھی۔نہا دھو کر نرم نرم بستروں پر سو گئے۔ربوہ سے رخصت ہوئے تھے تو شدید سردی تھی اور یہاں کافی سخت گرمی کا موسم ملا۔پسینہ تھا کہ ایڑی سے چوٹی تک بہا جا رہا تھا۔شام ڈھلے ہمیں Mumbai کی سیر کا شوق چرایا اور ہم نکل کھڑے ہوئے۔ٹیکسی کرایہ پر لی اور سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ممبئی کراچی

کے مقابلہ میں کئی لحاظ سے زیادہ پسند آیا۔ سمندر کے کنارے بیٹھنے کا جو لطف آیا اس سے ساری تھکاوٹ دور ہو گئی۔ ایک تو رنگین شام کے ساتھ ساتھ ہوا بھی پانی پر اٹھکیلیاں کر رہی تھی دوسرے ہم پتھروں کے بڑے بڑے ڈھیروں پر بیٹھے مزے مزے کی باتیں کر رہے تھے۔ ایسے میں بڑا ہی سہانا سماں دکھائی دے رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کافی وقت ہو چکا تھا تو ہم نے چلنے کی سوچی۔ کیونکہ آسمان کا راجا چاند اپنی رانیوں کو لئے بڑی شان سے اونچا ہو رہا تھا۔ اور تاریکی کافور ہو کر ہر طرف نور کی کرنیں چمک رہی تھیں۔ ایسے میں ممبئ شہر کا نظارہ بھی بڑا ہی پیارا لگ رہا تھا۔ واپسی پر ہم نے کچھ فروٹ خریدا اور رات ساڑھے دس بجے ہوٹل پہنچے۔ صبح چونکہ Ship پر سوار ہونا تھا رات بھر نیند نہ آئی۔ کچھ خوف سا محسوس کرتی رہی کہ پانی میں دس دن کیسے جہاز چلتا رہے گا اور ہم اس میں سوار ہو کر کیسے وقت گزاریں گے۔ بس ڈر ڈر سا لگ رہا تھا جب ہم 19 دسمبر کو AMRA Ship یہ جہاز کا نام تھا، میں سوار ہوئے تو بس یوں لگا کہ ایک بہت بڑا شہر ہے جو پانی میں چل رہا ہے۔ ہر قسم کے لوگ، آرام وسہولت میسر، تفریح کے سامان دوکانیں اور گرما گرم کھانے اور ڈائننگ روم وغیرہ کے علاوہ نوکر اور بیرے اور دھوبی تک ساتھ ہی سفر کرتے ہیں۔ بس آرام ہی آرام ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی بیمار نہ ہو اور Sea Sickness نہ ہو۔ شام کو deck پر بیٹھ کر گہرے نیلے سمندر کے صاف شفاف پانی میں مچھلیوں کے کھیل سے بھی لطف اندوز ہونا ہمارا مشغلہ تھا۔ دور سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی لہروں کو بھی آتے دیکھ کر قدرت کی قدرت نمائی پر گھنٹوں غور کرتی رہتی۔ اور یہ ضرور چاہتی کہ کاش میرے والدین اور میرے بہن بھائی بھی میرے ساتھ اس سفر میں ہوتے تو کتنا مزا آتا۔ سب بہت خوش ہوتے۔ مگر کبھی کبھی دل گھبرانے بھی لگتا۔ جب جہاز موسم کی خرابی کی وجہ سے کافی ڈولنے لگتا اور جہاز کا کپتان یہ اعلان کرتا کہ موسم کئی گھنٹوں تک خراب ہے۔ ہم جہاز کو آہستہ چلائیں

گے اور اوپر سے لہروں کا پانی پڑنے سے بچانے کیلئے سائبان جیسی چادریں لگا رہے ہیں۔ آپ سب مسافر اپنے اپنے کیبن میں بیٹھے رہیں۔فکر نہ کریں۔لوگ دعا یا خدا کا کوئی لفظ نہ بولتے تھے۔ میں نے اپنے میاں ڈاکٹر افتخار صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ سب غیر مسلم ہیں.........انہوں نے کہا کیوں آپکو کیسے یہ خیال آیا؟ میں نے کہا کہ یہ طوفان سے دوچار ہیں۔پھر بھی خدا رسول کا نام تک نہیں لیتے۔نہ ہی دعا کی درخواست کا اعلان ہے۔بس ظاہری سامان کی فکر ہے..........انہوں نے بتایا کہ ہوسکتا ہے ان سینکڑوں لوگوں سے بھرے جہاز میں ہم اکیلے احمدی مسلمان ہوں گے۔آپ فکر نہ کریں کچھ نہ ہوگا۔یہ طوفان تو آتے ہی رہتے ہیں،آپ دعا کریں ٹل جائے گا۔خیر دعائیں تو جتنی اس عمر میں آتی تھیں کر ڈالیں۔ہر سمت پانی ہی پانی نہ کوئی پرند نہ چرند دکھائی دیتا تھا عجیب سماں تھا سوائے خدا تعالیٰ کی طرف دھیان جانے کے انسان اور کچھ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔خدا خدا کر کے اگلے روز سے کچھ کچھ دور فاصلے پر خشکی کے ڈھیر نظر آنے لگے تو ڈھارس بندھی اور پتہ چلا کہ یہ ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے جس کا نام Porbandar Harbour ہے ہمارا جہاز بھی کافی سست ہونے لگا اور بندرگاہ سے کافی دور فاصلے پر ٹھہرایا گیا۔کیونکہ اندر جانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔کیونکہ اسی شام کو چار بجے اس جہاز کو کراچی کیلئے روانہ ہونا تھا۔حالانکہ ہم تو سوار ہوتے ہوئے یہ سوچ کر سوار ہوئے تھے کہ ہم دس دن بعد ممباسہ افریقہ کی بندرگاہ پر ہی اتریں گے۔اب جو کراچی کا نام سنا تو اس قدر خوشی ہوئی کہ گویا گمشدہ اونٹنی ملنے والے کو کیا خوشی ہوئی ہوگی۔جو مجھے اس وقت ہوئی۔رات بھر آنکھیں بے چین اور دل بلیوں اچھلتا رہا کہ صبح کراچی کی بندرگاہ میں اتریں گے۔اگر چہ ربوہ امی جان اور ابا جان اور بہن بھائیوں کے پاس تو نہیں جاسکیں گے تاہم اپنے ملک کی سرزمین تو ہوگی۔دوبارہ کراچی والے عزیزوں سے مل لیں گے۔دراصل یہ جہاز

AMRA کراچی سے مزید سامان لینے اور ممبئی سے لایا ہوا تجارتی سامان اتارنے کیلئے ٹھہرا تھا۔ دو روز کے بعد دوبارہ روانہ ہوا اور پورے دس روز مسلسل دن رات چلنے کے بعد ہمیں دور افق کے اس پار کچھ زمین کے آثار نظر آنے لگے۔ اور سمندر کی سطح پر پتے تیرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ کبھی کبھی کوئی پرندہ بھی ادھر سے اڑتا ہوا گزرتا تو سب لوگ خوش نظر آتے کہ اب یہاں سے زندگی کے آثار یعنی کنارہ قریب آنے لگا ہے اور تسلّی پاتے۔ آدھے دن کے بعد تو چھوٹی کشتیوں میں سوار چھوٹے ملاح جو تمام کے تمام افریقی جن کو سیاہ فام کہا جاتا ہے اور یہ لوگ بھی میں نے کبھی پاکستان میں نہ دیکھے تھے۔ سوائے چند جامعہ کے طلباء یا استاد یا مبلغین جو ہمارے ابا جان کے پاس مہمان ہوا کرتے تھے میں نے دیکھے تھے مگر اب تو ہر طرف یہی لوگ تھے۔ جہاز خدا خدا کر کے کنارے پر لگا تو شکر ادا کیا اور ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوا کہ اب واپس جانے کیلئے بھی ایسا ہی لمبا کٹھن نہ سہی مگر اکتا دینے والا سفر کرنا ہوگا۔ خیر بات تو ایک سمندری سفر ہی کی تھی جو میرے لئے ایک نیا تجربہ اور انوکھا سفر تھا۔ تو یہ تھا آپا اچھی میرا سفر جو میں آج خط نہیں بلکہ کافی بھاری لفافہ بنا کر بھجوا رہی ہوں۔ آپ گھر میں سب کو سنا دیں یا پڑھا دیں۔ میں آپ سے بہت دور آ گئی ہوں، اُداس ہوں مگر وعدہ کرتی ہوں کہ سب کو خط جلد جلد لکھا کروں گی۔ آپ سب مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ انشاء اللہ پھر چند دنوں کے بعد ملکی حالات اور گھریلو حالات یعنی اپنے سسرال والوں کے ساتھ رہنا سہنا اور ماحول اور لجنہ وغیرہ کے بارہ میں لکھوں گی۔ سب سے کہیں کہ اُداس نہ ہوں۔ میری قسمت تھی جو یہاں اتنی دور لے آئی ہے۔ دل دور نہ ہوں گے۔ اللہ میاں آپکو صحت والی لمبی زندگی دے آمین۔ سب کو سلام و پیار

بہت اُداس آپکی بہن امتہ الباسط ایاز

ٹانگا، ایسٹ افریقہ

وقت کی قدر کرو تا وقت تمہاری قدر کرے

یہ وہ پوسٹر تھا جو مجھے آٹھویں جماعت میں خوبصورت لکھائی میں لکھ کر لانے اور کلاس روم میں مناسب جگہ پر آویزاں کرنے کیلئے کہا گیا تھا۔ جبکہ ہمارے نصرت گرلز ہائی اسکول کی انسپکشن ہونے میں چند دن باقی تھے۔ میں نے پوری کوشش سے اس پوسٹر کو لکھا، سجایا اور پھر لگایا بھی... مگر کبھی اس کے الفاظ، ضرورت واہمیت پر غور نہ کیا۔ مگر آج جب میں نے سڈنی کی لمبی فلائٹ میں کچھ لوگوں کو اتنا مصروف پایا کہ گویا کہ وہ گھر پر یا آفس میں بیٹھے ہوں۔ اُن میں سے کوئی اپنی ڈھیروں ڈاک دیکھ رہا ہے، پڑھتا ہے اور کچھ لکھ کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ مگر ڈاک ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی کوئی ننھا منا کمپیوٹر لئے بیٹھا اپنی سیٹ پر ہی ہاتھوں کی انگلیوں کو تیز تیز حرکت دئے جا رہا ہے۔ مگر کوئی کاغذ قلم لئے نہ جانے ڈائری یا مضمون ہی لکھ رہا ہے۔ مگر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر کہ ہوائی جہاز کا وہ ایک مسافر ہے۔ اسکرین پر کوئی فلم بھی آ رہی ہے مگر اسے اس سے کیا کہ ایئر ہوسٹس بھی دو بار چکر لگا کر کہہ چکی ہے کہ "Sir, Please Move" آپ کسی اور کی سیٹ نمبر پر براجمان ہیں۔ گویا کچھ لوگ اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتے بلکہ بہت اچھی طرح سے سفر بھی کارآمد بنا لیتے ہیں۔ یہ میں نے تب سوچا کہ جب میرے ذہن میں اچانک دیوار پر لکھا ہوا یہ پوسٹر یاد دلا گیا جو اس تحریر کے پیچھے پوشیدہ تھا اور ہے۔ یعنی اسکول میں تو الھڑ پن کا زمانہ تھا۔ پوسٹر کو سنوار کر لکھنا اور سجا سجا کر بنانا ہی بڑی کامیابی تھی۔ اور بس اپنی ٹیچر کی خوشنودی حاصل کر لینا ہی مقصد ہوتا تھا۔ اگر کہیں

انہوں نے خوش ہو کر شاباش کہہ دیا یا کاپی پر لکھ دیا تو گویا آج کے دن کی مراد پوری ہو گئی۔ ہوم ورک پر ذرا اچھے نمبر مل گئے تو بس ہم سب کچھ کرنے کو تیار۔ گھر آ کر بھی خوب خوب کام کاج کر کے امی جان کو خوش کر دینا۔ اور پھر رات گئے تک پڑھنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہ لگنے لگا۔ یہ تھیں ہماری زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور دلچسپیاں اور بس......

مگر اب جبکہ زمانے کے نشیب و فراز، گرمی سردی اور بہت کچھ دیکھ چکی ہوں میں یہ کہنے میں ذرّہ بھر بھی جھجھک محسوس نہیں کرتی کہ وہ پوسٹر تو ہماری زندگی کیلئے ایک سنگِ میل تھا اور مجھے وہ تحریر ذہن میں رکھ کر ہی زندگی گزارنا چاہیئے تھی جس میں اس زندگی کے راز پنہاں ہیں۔ قدرت بھی تو وقت کی پابندی ہمیں سکھاتی ہے۔ دن رات وقت پر بدلتے، گھٹتے اور بڑھتے ہیں۔ موسم وقت پر بہار اور خزاں لاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے قویٰ بھی ایک وقت تک مضبوط اور توانا رہتے ہیں۔ خدائے پاک کی عبادت کیلئے بھی وقتِ مقررہ پر ادا کرنے کا اجر بڑھا دیا گیا ہے۔ سویرے اٹھنا، بدلتے موسم کے ساتھ اور حالات بدلنے کے ساتھ اپنے آپکو بدلنا اور بیکار وقت نہ کھونا ہی تو زندگی کی حقیقت کو پانا ہے۔ بیکار بیٹھ کر اپنے آپکو کوسنا کہ کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا اور یہ کیا ہوتا۔ بلکہ وقت کی دوڑ کے ساتھ ہمیں بھی دوڑنا ہی چاہیئے۔ بلکہ احسن رنگ میں اپنی ڈائری کے اوراق کو ترتیب دے کر نہ صرف ٹی وی اور ریڈیو کے پروگراموں کی تاریخیں اور وقت لکھ لینے چاہئیں بلکہ ضرورت کے مطابق کس کام کو پہلے اور کتنی دیر میں کرنا چاہیئے لکھیں اور نشان دہی کر لیں، مارکر سے ہائی لائیٹ کر لیں تا کہ یاد رہے اور آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اور پھر اہمیت کے مطابق وقت کے اندر پورا کر کے مزید تحقیق و تحریر میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کسی نے یہ کہہ تو دیا کہ

''کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو''

آخر سارے کام ایک دن میں تو پورے نہیں ہو سکتے نا مگر جو شروع کیا ہو اس کو ادھورا یا نامکمل نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ دن تو صرف چوبیس گھنٹوں کا ہی ہوتا ہے۔مگر مستقل مزاجی اور تحمل سے کام کرنے سے ذرا اچھا لگتا ہے اور وقت پر پورا بھی ہوسکتا ہے۔اور جب کبھی خدانخواستہ طبیعت خراب ہو، یا مہمانوں کی اچانک آمد اور دیگر مصروفیات آن پڑیں تو آپ بخوبی جانتی ہیں کہ ہمیں اپنے ضروری کام بھی ادھورے چھوڑ کر ہی سونا پڑتا ہے۔وگرنہ مہمانوں کو بھی گلہ ہو جاتا ہے کہ لو دیکھو ہم اُن کے شہر گئے تو نہ ہمیں دعوت پر بلایا۔نہ سیر کرائی اور نہ شاپنگ کرائی بس اپنے کاموں اور مصروفیت کے قصے سنا کر روکھی سوکھی چائے پر ٹرخا دیا۔خواہ آپ نے کئی گھنٹے اُن کے ساتھ گزارے ہوں۔سموسوں، کیک اور چاٹ کے علاوہ nuts وغیرہ بھی چائے میں شامل تھے۔مگر بقول ان کے تھی تو چائے ہی نا۔خیر چھوڑیں ان باتوں کو ہمیں تو عادت سی ہوگئی ہے ایسی باتیں سننے کی۔شاید آپکو بھی کبھی ایسا تجربہ ہوا ہو مگر ہوتا یہ ہے کہ ہم شکایت نہیں کر پاتے۔کولہو کے بیل کی طرح جُتے رہتے ہیں اور تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مگر کبھی آپ نے مجبوراً کسی سے معذرت ہی کرنا چاہی تو ہماری بات کڑوی لگ گئی۔اور مہمان جو کبھی غیر یا عزیز بھی ہوتے ہیں، روٹھ گئے.......... دراصل

''جے میں آکھاں تے سچی گل کوڑی لگدی اے''

یعنی آپ نے یہ کہنا چاہا کہ مجھے آج ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے آپ کل ہمارے گھر آجائیں، یا فون پر آپ نے معذرت کرنا چاہی کہ آج آپ آتو رہی ہیں مگر میں آپکو توجہ یا وقت نہیں دے سکوں گی۔ کیونکہ آج ہی میرے ہاں کسی اور کی دعوت الی اللہ کی میٹنگ ہے۔میں نے کچھ مہمانوں کو مدعو کر رکھا ہے۔ایسے میں ظاہر ہے کہ آپ کیلئے مشکل ہو جائے گا کہ آنے والے مزید اور مختلف ماحول کے مہمانوں سے کوئی جوڑ بھی نہ ہوگا۔آپ نے ان

Urdu Speaking مہمانوں سے معذرت کیا کر دی گویا طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ فلاں نے ایسے کیا اور پھر نہ آنے کا وعدہ کر کے ایسا منہ موڑا کہ بار بار یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم تو اُس روز آ رہے تھے تم ہی نے نہ کی تھی۔ حالانکہ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ آپ نے بہت اچھا کیا اور ایسے ہی کرنا چاہیئے۔ یہ صحیح اسلامی طریق بھی تو ہے نا۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ آپ ایک ضروری تبلیغی نشست کا اہتمام کئے ہوئے تھیں اور اللہ نے آپکی خلوصِ نیت کا آپکو میٹھا پھل بھی دیا ہے۔ آپ ایسے مواقع پر ناراضگی کی ہرگز پرواہ نہ کریں کہ اوہو وہ ناراض ہو گئے۔ ہونے دیں ناراض، اللہ کو راضی کرنا ہمارا مقصد ہونا چاہیئے۔

وقت کا ضیاع مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً رات دیر تک جاگتے رہنا، ٹیلیویژن کے پروگرام دیکھنا یا گپیں ہانکنا اور صبح کی نماز کیلیئے وقت پر نہ اٹھ سکنا وقت کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے۔ جبکہ زندگی کا مقصد یعنی عبادت میں سستی، تاخیر اور کبھی قضا کر لینا بالآخر آپکی عادت بن کر ایمان کی کمزوری بن سکتی ہے۔ دنیا کے پروگراموں میں دلچسپی لینے کیلیئے ہر وقت تیار مگر خدا تعالیٰ خالق و مالک کے آگے سربسجود ہونے کیلیئے غفلت برتنا کیوں کر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ مہمانوں کو بھی چاہیئے کہ وقت پر بلاوے پر جائیں اور مناسب وقت قیام کرنے کے بعد میزبان سے اجازت لے کر واپس گھر آ جائیں۔ تاکہ دونوں کو خدا کی یاد اور پکار کا خیال رہے۔

بچوں کو سلاتے ہوئے، کھانا کھلاتے اور نہلاتے ہوئے، سکول چھوڑنے جاتے وقت غرض پارک میں ان کے ساتھ کھیلتے ہوئے بھی ہم اگر ایسے پیارے وقتوں میں ذکر کرتے رہیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ ایک عرصہ سے ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی ایک قیمتی اور انمول خطبات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس سے

ہمیں ہر موقع کی دعائیں سکھا اور سمجھا دی گئی ہیں۔ایسے پیارے انداز میں حضور بتاتے ہیں کہ جس قدر توجہ سے اس کو سنیں، سمجھیں اور یاد کریں تو یہ ہمارے لئے اور بچوں کیلئے ایک قیمتی خزانہ ہے جو حضور نچھاور کر رہے ہیں۔ہمیں اس سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

مائیں ننھے بچوں کو دودھ پلانے میں خاصہ وقت اپنے نونہال کو گود میں لے کر بیٹھتی ہیں۔ یہ وقت قیمتی وقت ہوتا ہے۔تسبیح ،تحمید اور دعاؤں کا ورد اس جسمانی غذا کے ساتھ ساتھ آپ اپنے بچوں کو روحانی غذا بھی بہم پہنچا سکتی ہیں۔یہ کچھ مشکل نہیں۔آپ حیران ہوں گے کہ بچے میں حیرت انگیز طور پر ایسی خداداد صلاحیتیں ابھریں گی کہ وقت ہی آپکو بتائے گا کہ اس بچے کو آپنے دودھ کے ساتھ کیا پلایا تھا جو یہ آج آسمان احمدیت کا روشن ستارہ بن کر ابھرا ہے۔بزرگوں کا کہنا ہے کہ تربیت بچپن ہی سے کرو جبکہ شاخیں نازک اور کونپلیں نرم ہوتی ہیں اور آسانی سے جدھر موڑنا چاہو تو مڑ جاتی ہیں۔لیکن اگر مضبوط اور سخت پکی ہو جائیں تو ذرا بھی موڑنا چاہیں گے تو ٹوٹ جائیں گی۔یا یہ ہوسکتا ہے کہ موڑنے پر آپ کو ہی چوٹ لگ جائے اور ویسے بھی تو آپ نے دیکھا ہے کہ ہمیشہ پھلدار ٹہنی جھکتی ہے۔خشک اور سخت ٹہنی کو تو سبھی اکھیڑ پھینکتے ہیں۔

اب رہا لہو ولعب کا ذکر جو قرآن پاک اور احادیث اور کتابوں میں مختلف جگہوں میں ملتا ہے آج کل ہم اس کو کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کی گیمز کہتے ہیں یا پھر e-mail جیسی وقت ضائع کرنا سکھانے والی آسان خاموش زبان کہہ لیجئے کہ گھر بیٹھے گھنٹوں اپنے دوستوں اور عزیزوں اور دوستوں سے باتیں کئے جاتے ہیں۔یہ سراسر وقت کا ضیاع ،پیسے کا ضیاع اور بیہودہ خیالات اور کبھی ہنگاموں کا اجتماع بھی بن جاتا ہے۔فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ایک نئی ایجاد کہہ لیجئے بلکہ اب تو پرانی ہوگئی ہے۔موبائل فون ایک اچھا،آسان اور ایمرجنسی میں کام آنے

والا فوری سہولت کیلئے بہترین آلہ ہے۔مگر اب سبھی جان گئے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ سراسر بیماری اور بیکاری کی ایجاد ہے۔کینسر جیسے موزی مرض کا نام سنتے ہی ہم ڈر تو جاتے ہیں، مگر اس آلہ کو کانوں سے لگائے گھنٹوں باتیں کئے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وقت بچا رہے ہیں۔کار میں جاتے ہوئے باتیں کر لینا، بستر میں لیٹے بھی بات کر لینا فخر سمجھتے ہیں۔اور جواباً سبھی وقت کا تقاضا کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ جلدی تھی موبائل فون استعمال کر لیا۔ مگر وقت خطرہ کی گھنٹی بجاتا ہوا ہمارے گرد گھومتا رہتا ہے۔

ہر کام وقت پر کرنا سنوار کر کرنا اور یہ خیال دل میں رکھنا کہ کہیں ہم زندگی کے قیمتی لمحات بیکار تو نہیں گزار رہے کہ بعد میں ہمیں پچھتانا پڑے کہ کاش ہم نے یہ فلاں وقت ضائع نہ کیا ہوتا تو اس پر تو یہی بات صادق آتی ہے کہ جو بچپن میں بھاگتے دوڑتے گایا کرتے تھے:

کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو
جو کرنا ہے کر لو کہ ہے وقت تھوڑا
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
کہ جو وقت کھوتا ہے پھر اس کو پاتا نہیں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کی قدر کی توفیق دے تا کہ وقت بھی ہماری قدر کرے۔آمین۔



ایفائے عہد

اللہ تعالیٰ سورۃ مومنون میں مومن لوگوں کی صفات ،اُن کے اخلاق اور اُن کی پاکیزہ عادات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ (سورۃ مؤمنون: آیت 9)

اور وہ لوگ یعنی کامل مومن جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

یعنی مومن لوگوں میں بہت ساری دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ وہ امانتیں جو انکے پاس لوگ رکھتے ہیں وہ انہیں بحفاظت واپس لوٹاتے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتے۔اسی طرح وہ جو بھی عہد کرتے ہیں اُسے بڑی شان سے پورا کرتے ہیں اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایفائے عہد کے بارہ میں بہت زور دیا ہے۔اور بہت پیارے انداز میں آپؐ نے وعدہ کو پورا کرنے کے سلسلہ میں تلقین کی ہے۔آپؐ فرماتے ہیں:

عِدَةُ الْمُؤمِنِ كَأَخْذِ الْكَفِّ

مومن کا وعدہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز۔گویا کہ جو وعدہ کیا وہ پورا ہو گیا۔اور اسکی تکمیل میں کوئی کمی نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام بھی ایفائے عہد کے خلق میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔وعدہ پورا کرنے کیلئے اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔

غزوہ اُحد سے ایک رات قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی حضرت عبداللہ نے جو کہ

حضرت جابرؓ کے والد تھے اپنے سب بچوں کو اکٹھا کیا اور بتایا کہ میں کل غزوہ اُحد میں شامل ہوں گا اور خدا کی قسم کہ سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوں گا۔ چنانچہ وہ اگلے روز میدان جنگ میں پہنچے اور بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور 70 صحابہ جو اس جنگ میں شہید ہوئے ان میں سب سے پہلے آپ شہید ہوئے اور یوں آپ نے خدا تعالیٰ سے جو عہد باندھا اور اس کے حضور میں جو وعدہ کیا خدا تعالیٰ نے خود اس عہد کو بڑی شان سے پورا کیا۔ اور آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی تمنا کو دیکھتے ہوئے سب سے قبل آپکو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا۔

جنگ اُحد کے موقع پر انصار مدینہ نے اپنے دل و جان سے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عہد باندھا تھا کہ یا رسول اللہ ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے اور آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن ہر گز ہر گز آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔

چنانچہ صحابہ کرام نے بڑی شان سے اس عہد کو نبھایا۔ اس وعدہ کو پورا کیا کہ اسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 70 صحابہ نے اس عہد کو نبھاتے ہوئے اپنی جان خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دی۔ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے، ناک کان کاٹ لئے گئے۔ اس عہد کو نبھاتے ہوئے حضرت طلحہؓ کا ہاتھ شل ہو گیا۔ صحابہ زخموں سے چور ہوئے اور دیوانوں کی طرح آپ کی حفاظت فرماتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔

ہاں یہی وہ اپنے عہدوں کو نبھانے والے لوگ تھے جن کے متعلق خدا نے آسمان سے یہ اعلان کیا کہ: رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ

کہ اللہ بھی ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اپنے رب سے راضی ہوئے۔ اور انہوں نے

اپنے رب سے راضی ہونے کی حالت میں ہی جان دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعدہ پورا کرنے سے متعلق اسرائیل کے ایک شخص کا بہت پیارا واقعہ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ بیان فرمایا کہ اُس نے اپنی قوم کے ایک مالدار شخص سے ایک ہزار اشرفی قرض مانگا۔ اُس نے ضمانت اور گواہوں کا مطالبہ کیا۔قرض مانگنے والے نے جواب میں کہا۔اللہ تعالیٰ کے سوا نہ میرا کوئی ضامن ہے نہ گواہ۔ وہی میرا گواہ اور ضامن ہے۔قرض دینے والے نے اس کی بات پر اعتبار کرلیا اور مقررہ مدت کیلئے اسے ایک ہزار اشرفی قرض دے دیا۔اس کے بعد قرض لینے والا اپنے کام کیلئے سمندری سفر پر روانہ ہوا اور کام کو سرانجام دیا۔ جب قرض کی واپسی کی مدت قریب آئی تو اُس نے سمندری کشتی کا پتہ کیا۔لیکن اسے کوئی کشتی نہ مل سکی جو اس طرف جانے والی ہو جہاں اس نے رقم ادا کرنی تھی۔ جب وہ کشتی کے ملنے سے مایوس ہوگیا تو اس نے ایک موٹی سی لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا۔ایک ہزار اشرفیاں اور ایک خط جس میں حسب وعدہ نہ پہنچ سکنے کی معذرت تھی اس سوراخ میں رکھے اور اوپر سے ڈاٹ لگا کر اس کو بند کر دیا۔ پھر لکڑی سمندر میں ڈال دی اور یہ دعا کی: اے میرے صادق الوعد خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں سے ایک ہزار اشرفیاں قرض لیا تھا، اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا کہ میرا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ وہ تیرے نام کے واسطہ پر راضی ہوگیا۔اور تیری رضا کی خاطر اس نے مجھے رقم دے دی۔ اب میں نے کشتی حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی ہے تا کہ میں اصل مالک کو رقم پہنچا سکوں لیکن مجھے کوئی کشتی نہیں مل سکی۔ اب میں یہ رقم تیری حفاظت اور امانت میں تیرے سپرد کرتا ہوں تُو یہ رقم بحفاظت اس کے مالک تک پہنچا دے

اور میری دعا سن ۔اس دعا کے بعد اُس نے اُس لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ اس میں بہنے لگی۔ یہ شخص واپس آ گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا جو اس طرف کو جانے والی ہو۔ ادھر وہ آدمی جس نے قرض دیا تھا اس خیال سے بندرگاہ کی طرف آیا کہ شاید مسافر جہاز آ گیا ہو اور حسب وعدہ وہ شخص اس کی رقم لے آیا ہو۔ ایسی کشتی تو اسے کوئی نظر نہ آئی لیکن اس نے ایک موٹی سی لکڑی دیکھی جو سمندر کے کنارے لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایندھن خیال کر کے اسے اٹھالیا اور گھر لے آیا۔ جب اس نے اسے چیرا تو اس میں ایک ہزار اشرفیاں اور خط نکلا جس میں صورت حال کی وضاحت تھی۔ اسی اثناء میں اُس شخص کو کشتی مل گئی اور اس خیال سے کہ شاید رقم ملی ہو یا نہ ملی ہو، وہ رقم لے کر آ گیا۔ اور معذرت کی کہ کشتی نہ ملنے کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے۔ اس آدمی نے اس سے پوچھا کہ کیا پہلے بھی تم نے مجھے کچھ بھیجا تھا؟ اس پر اس نے پورا قصہ سنایا تب اشرفیوں کے مالک نے اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول کر لی ہے۔ لکڑی کا تنا جو تو نے مجھے بھیجا تھا وہ مل گیا ہے، اس میں رقم بھی اور خط بھی۔ تب وہ نیک شخص خوشی خوشی مع اس رقم کے جو وہ لے کر گیا تھا اپنے گھر واپس آ گیا۔

اب دیکھیں جو خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کے پیار کو حاصل کرنے کیلئے اپنے وعدے پورے کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کی کس شان سے مدد کرتا ہے۔ اس واقعہ میں ہم سب کیلئے گہرا سبق ہے۔

وعدہ خلافی کرنے والے سے قیامت کے روز پوچھا جائے گا اور خدا تعالیٰ اس کی باز پرس کرے گا کہ اُس نے کیوں وعدہ کرنے کے باوجود اس وعدہ کو پورا نہیں کیا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا

بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل: آیت 35)

اورتم اس طریق کے سوا جو (یتیم کے حق میں زیادہ اچھا ہو) کسی اور طرح یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ جائے اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ کیونکہ ہر عہد کی نسبت یقیناً ایک نہ ایک دن جواب طلبی ہوگی۔

اب اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ تم نے جو عہد کئے ہیں اور وعدے کئے ہیں اُن کو پورا کرو۔ اُن میں خیانت نہ کرو۔ تم سے ہر وعدہ کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ ہر عہد کے بارہ میں ایک نہ ایک دن ضرور سوال کیا جائے گا اس لئے ڈرو اس دن سے جس دن وعدہ خلافی پر تمہاری پکڑ ہوگی۔ اس آیت میں عہد توڑنے والوں کیلئے وعید ہے اور مومنوں کیلئے ایک سبق۔ ایک مومن تو اس آیت کو پڑھ کر ہی کانپ جاتا ہے اور ہر عہد کی نسبت جواب طلبی سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ سورۃ بقرہ میں نیک اور متقی لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ؕ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(سورۃ البقرہ: آیت 178)

اور اپنے عہد کو جب بھی (کوئی) عہد کرلیں پورا کرنے والے اور خاص کر تنگی اور بیماری میں اور جنگ کے وقت برداشت سے کام لینے والے (کامل نیک) ہیں یہی لوگ ہیں جو (اپنے قول کے) سچے نکلے اور یہی لوگ کامل متقی ہیں۔

یعنی اللہ کے نیک اور متقی لوگوں کی یہ شان ہوا کرتی ہے کہ وہ جب بھی کوئی عہد کرلیں اُسے پورا کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو ہر حالت میں اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور یہی وہ

لوگ ہیں جو اپنے قول و فعل میں سچے ہوتے ہیں۔یعنی جو بات کرتے ہیں پوری کرتے ہیں۔ اوراس میں کسی قسم کی کمی نہیں دکھاتے اور ہر حال میں اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔خواہ تنگی ہو، بیماری ہو،قسما قسم کے مصائب ہوں یہ لوگ ہرصورت میں اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور اس کو پورا کرنے میں ذرّہ بھربھی خیانت سے کام نہیں لیتے۔اوریہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے حضور اِنَّ اَکْرَ مَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَا کُمْ کے مصداق ہوتے ہیں۔یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اوراس آیت کریمہ میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ کہہ کرایفائے عہد کرنے والوں کومتقی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کواپنے اپنے وعدے،عہدنامے پورے کرنے کی احسن طور پرتوفیق عطافرمائے۔آمین۔



حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عورتوں پر احسانات

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی ہی بنی نوع پر احسان عظیم ہے۔ خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صنف نازک کی بقاء، قدر اور حسن سلوک کو جس خوبی سے روا رکھا اور عملی جامہ پہنا کر کل عالم کیلئے عورت کو قابل تکریم اور تعظیم قرار دیا یہ سب ہم عورتوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کو زندہ درگور کرنے کی بد رسم کو ممنوع قرار نہ دیتے تو آج منظر کچھ اور ہی ہوتا۔ اس لئے ہم عورتوں پر حضور کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کی اس جھوٹی غیرت کو ختم کر دیا اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا۔ کس قدر گھناؤنا منظر ہوتا تھا جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تھی تو ماں کو یہ ڈر اور خوف ہوتا تھا کہ چند منٹوں کے بعد اس بچی کا باپ اس کو لے جائے گا اور لے جا کر زمین میں زندہ گاڑ دے گا۔ ماں بے چاری پیدائش کی تکلیف بھول جاتی تھی اور بیٹی کو کھونے کا غم لگ جاتا تھا۔ مگر باپ کا دل کیا تھا پتھر کا ایک ٹکڑا تھا۔ بڑی بے دردی سے لے جاتا اور اپنا فرض پورا کر کے چین لیتا۔ انسانیت تو کہیں دور تک دکھائی نہ دیتی پھر ہمدردی کیسی؟ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ کیا مجھے بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ میں تو انسانوں میں سے ایک ظالم ترین انسان ہوں۔ آپ نے پوچھا کیسے، کیا گناہ کیا ہے؟ اس سخت دل شخص نے اپنی تین سالہ بچی کو زندہ درگور کرنے کا سارا واقعہ کچھ اس طرح بتایا کہ میں سفر پر گیا ہوا تھا۔ میری بیوی نے بعد میں میری بیٹی کو جنم دیا۔ اور میرے ڈر

کی وجہ سے اپنی بہن کے گھر پرورش کیلئے بھجوایا۔ جب میں سفر سے واپس آیا اور حال احوال پوچھا تو کہنے لگی کہ مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ وقت گزرتا گیا۔ جب وہ بچی تین سال کی عمر کو پہنچی، بڑی پیاری، خوبصورت اور معصوم سی بچی کو اپنے گھر کے صحن میں کھیلتے دیکھا جس پر مجھے بہت پیار آرہا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا یہ بچی کس کی ہے؟ میری بیوی نے سمجھا کہ اب موقع ہے باپ کی محبت کو پانے کا۔ اتنی پیاری بچی کو دیکھ کر شاید دل میں رحم آجائے اور باپ اس کو زندہ دفن نہ کرے۔ اُس نے جھٹ کہا کہ یہ بچی تمہاری ہے۔ جب تم سفر پر گئے ہوئے تھے تو یہ بچی پیدا ہوئی تھی۔ میں نے اس ڈر کی وجہ سے کہ تم اس کو فوراً زندہ دفن کر دو گے، جھوٹ بولا اور کہہ دیا مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ بچی میری بہن کے گھر پل رہی تھی۔ بس یہ سننا تھا کہ میری غیرت جوش میں آئی۔ میں نے بہلا کر بچی کو بلایا اور جنگل میں لے جا کر گڑھا کھودنے لگا۔ اُس معصوم نے پوچھا ابو آپ کیا کرتے ہیں۔ میں خاموش رہا پھر میں نے اُس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔ بچی رونے لگی اور کہنے لگی کہ ابو میرے اوپر مٹی نہ ڈالیں۔ میرے کپڑے گندے ہو رہے ہیں۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ یہاں تک کہ اُس کو مٹی کے نیچے دبا دیا کہ اُس کی آواز نہ آتی تھی۔ مگر حضور آج تک میرے کانوں میں اُس پیاری سی بچی کی آواز آتی ہے۔ فرمایا اللہ ہی رحم کرے ایسے ظالم انسانوں پر اور آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے.....

اسی دردناک منظر کی تصویر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے اپنی نظم میں کچھ اس طرح کھینچی ہے:

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دنیا میں تو آتی تھی

جب باپ کی جھوٹی غیرت کا خوں جوش میں آنے لگتا تھا
جس طرح جنا ہے سانپ کوئی یوں ماں تیری گھبراتی تھی

اور پھر ظلمت کا دور بدلا اور رسول پاک تشریف لائے اور آپ نے ساری زندگی ہمارے حقوق کے تحفظ میں گزاری۔ بحیثیت ماں، بیٹی، بہن اور بہو آپ کے جو احسانات ہیں اُن کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

اَکْمَلُ الْمومِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلقًا وَ خِیَارُ کُمْ لِنِسَا ئِھِمْ۔

یعنی مومنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہے اور تم میں سے بہترین اخلاق اس کے ہیں جو عورتوں کے حق میں بہترین ہے اور اُن سے بہت اچھا سلوک کرتا ہے۔

اللہ اللہ کتنی پیاری تعلیم دی مومنوں کو پہلے تو بیٹیوں کو زندہ رکھو، پھر اُن کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اچھا برتاؤ کرو۔ دوسری جگہ فرمایا:

خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَ ھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُ کُمْ لِاَ ھْلِی۔

یعنی تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرے۔ اور میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ۔ اسی پر اکتفا نہیں رسول مقبول ﷺ نے خود بنفسِ نفیس اس خلق عظیم کی مثال قائم کر کے مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور حسن سلوک اور محبت و اخوت کا سلوک روا رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ آپ کو علم ہی ہے کہ حضور نے کل گیارہ شادیاں کیں اور ہر شادی سے صنف نازک کی کوئی نہ کوئی نیکی، خوبی اور ہمدردی اجاگر ہوئی۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے جو مکہ میں بنی اسد قبیلہ کی ایک متمول پاک باز عورت

تھیں اور ان کی پاکبازی اور شرافت کی وجہ سے اُنہیں طاہرہ کہتے تھے۔ حضورؐ نے جب حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 برس کی تھی۔ شادی کے بعد پچیس برس کا زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارا وہ آپ کی زندگی کا بہترین اور پُرسکون زمانہ تھا۔ اس تمام لمبے عرصے میں یعنی حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آپ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ حالانکہ اگر آپؐ اس عرصہ میں دوسری شادی کرنا چاہتے اور اگر کسی کا انتخاب بھی کر لیتے تو کسی کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوتا بلکہ لوگ آپؐ کی تائید کرتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی بڑی قدردانی کی اور اُن سے حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آج کے زمانہ میں ہے کوئی ایسی مثال کہ ایک پچیس سالہ خوبصورت نوجوان ایک چالیس سالہ بوڑھی بیوہ سے شادی کر کے اُس کی خوشی اور خوشحالی کیلئے خدا سے دعائیں مانگے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ دوسری شادی حضرت سودہؓ سے کی جو سکوان نامی صحابی کی بیوی تھیں ان کے میاں ہجرت کر گئے اور وہیں وفات پا گئے۔ اب بیوی کی حفاظت کے نکتہ نگاہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ اس میں ایک سبق ہے کہ بیوگان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی عزت کی حفاظت کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں اور حضورؐ کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ حضرت حفصہؓ حضرت عمر بن خطاب کی بیٹی تھیں اور ان کا خاوند جنگ بدر میں شہید ہو گیا اور حضرت عمرؓ کی سخت طبیعت کی وجہ سے کوئی صحابی بھی حضرت حفصہؓ سے شادی کیلئے تیار نہ ہوتا تھا۔ حضورؐ پاک کے نرم دل اور محبت کے گہوارے نے اُن کو قبول کر کے اپنے حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ گویا حضورؐ کو عورت جیسی کمزور ناتواں ہستی کا کسقدر احساس تھا کہ کوئی ظلم بھی اس پر روا نہ رکھا جائے بلکہ ہر ممکن کوشش سے اس کو آرام اور خوشی پہنچائی جائے۔

حضرت زینبؓ سے شادی کا مقصد بھی یہی تھا کہ زیدؓ جو حضورؐ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے کی بیوی تھیں مگر باہمی اختلافات کی وجہ سے روز اَن بن ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ سے حضرت زیدؓ نے کہا یا رسول اللہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے حکماً زور دیا کہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرو، اس کی حفاظت کرو، خبر گیری کرو اور خدا سے ڈرو۔ بالآخر علیحدگی ہو گئی تو اِذن الٰہی سے حضورؐ نے نکاح کر لیا تا کہ لوگوں کے دلوں سے یہ غلط خیال بھی دور ہو جائے کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ گویا ہر شادی میں کوئی نہ کوئی حکمت، کوئی نہ کوئی خلقِ عظیم کا پہلو پنہاں ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت ماریہ قبطیہؓ ایک لونڈی تھیں۔ خدا نے آپکو انہیں کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ جو حضورؐ کے بیٹے تھے عطا کئے۔ حضرت صفیہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ، حضرت جویریاؓ، حضرت ام حبیبہؓ سے صرف اور صرف اس لئے نکاح کیا کہ ان عورتوں کو جنگوں کے بعد کسی نہ کسی محافظ اور مددگار کی ضرورت تھی۔ حضرت میمونہؓ حضور کے غریب رشتہ داروں میں سے تھیں اور اُن سے نکاح کا مقصد اپنے غریب رشتہ داروں کی امداد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے گہرے مطالعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے اپنی ازدواج مطہرات سے کس قدر حسن سلوک فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

''دُنیا کی چیزوں میں سے مجھے صرف دو ہی چیزیں پسند ہیں۔ ایک خوشبو اور دوسری عورت۔''

ہمیں اس بات پر فخر بھی محسوس کرنا چاہیئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسندیدہ چیزوں میں سے ایک ہم کمزور عورتیں بھی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہمیں حضور کی تعلیم پر بھی عمل کرنا چاہیئے۔ یعنی خاوند کی کامل فرماں برداری اور اطاعت عورت کا فرض اوّلین قرار دیا۔ فرمایا:

''اگر میں کسی کو حکم دے سکتا کہ خدا کے بعد وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

گویا مرد عورت کیلئے مجازی خدا کا حق رکھتا ہے۔ مرد کو الگ اس کی ذمہ داریوں اور احساسات کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ مگر عورت کو بھی کچھ کم فرماں برداری کا حکم نہیں دیا۔ دوسری حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، میں آپؐ فرماتے ہیں:

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نفلی روزہ نہ رکھے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر کے اندر آنے دے۔ کیا خوب تعلیم ہے اور کس قدر پیار سے دو طرفہ حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمایا۔ بچوں کو ماں کی قدر کرنے کیلئے فرمایا:

''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''

ماں کی قدر اور عظمت کی زندہ جاوید مثال آپ ہیں۔ حضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ تو آپ کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ حضورؐ کی پرورش دائی حلیمہ نے بڑی محبت اور پیار سے کی۔ حضورؐ اُن کی قدر اپنی حقیقی والدہ کی طرح ہی فرماتے تھے۔ جب کبھی دائی حلیمہ حضورؐ سے ملنے مکہ آتیں آپ ان کی آواز سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے اور آپ کے بیٹھنے کیلئے اپنی چادر بچھاتے اور خوب خاطر مدارت کرتے۔ فرمایا ماں کی مامتا سے دعائیں لو تو جنت کے وارث بن سکتے ہو۔ عورت کی قدر کو اس قدر اہمیت دی کہ انسان کیلئے جنت کو حاصل کرنا بھی آسان بنا دیا کہ ماں کی خدمت کرو۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضور ہم سب سے زیادہ کس کا حق ادا کریں خدا تعالیٰ کے بعد.. حضورؐ نے فرمایا ماں کا۔ اُس صحابی نے دوسری مرتبہ پوچھا یا رسول اللہ اس کے بعد کس کا؟ آپؐ نے پھر فرمایا ماں

کا۔اُس صحابی نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ یارسول اللہ اس کے بعد کوئی اور حسن و احسان کرنے کا حقدار ہے فرمایا تیری ماں اُس صحابی نے کہا یارسول اللہ اس کے بعد کون ہے زیادہ حقدار؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ۔گویا پھر عورت بحیثیت ماں کے سبقت لے گئی۔ہم سب کو بھی اپنی ماؤں کی بہت قدر کرنی چاہیئے۔

پیاری بہنو! احمدی عورت کی خوش قسمتی ہے کہ اُس کی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اس زمانے کے محسن عظیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفائے کرام کی قیادت عطا فرمائی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عورتوں پر احسانات کو دوبارہ زندگی بخشی اور ایک بھولتے ہوئے خواب کو حقیقت میں بدل دیا۔آج کی دنیا میں احمدی عورت اُن احسانات کی ایک روشن شمع ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا کے بادمخالف کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھے اور اپنی ضیاء اور کرنوں سے اُس نور کو پھیلاتی چلی جائے جو اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وساطت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حاصل ہوا۔

بھیج درود اُس محسن پر تو
دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار



اُمّہات المؤمنین

ہمارے پیارے آقا فخر موجودات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو گھر کی ملکہ قرار دیا اور فرمایا جس طرح مرد کے جذبات ہیں اسی طرح عورت کے جذبات ہیں۔ فرمایا:

''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِی''

یعنی تم میں سے اچھا یا بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا ہے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والا میں ہوں۔ میرے آقا نے اپنی ازواج مطہرات سے نہایت اعلیٰ سلوک پیار محبت اور ہمدردی کر کے ہمارے لئے ایک اعلیٰ مثالی نمونہ قائم کیا ایسی عمدہ مثال جو ساری دنیا میں نہیں ملتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل گیارہ شادیاں کیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے عالمِ شباب میں کی جبکہ حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور حضورؐ کی عمر صرف 25 سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ مشہور قبیلہ قریش بنو اسد کی چشم و چراغ تھیں۔ کنیت ام ہند، والد کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زاہدہ تھا آپؓ کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے جناب قصیٰ تک پہنچتا ہے جو جدّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے۔ آپ آنحضورؐ کی ولادت سے پندرہ سال

پہلے 555ھ میں پیدا ہوئیں۔سنِ شعور تک پہنچیں تو اپنے بلند و بالا اخلاق کی بناء پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔آپ کا پہلا نکاح ابونالہ سے ہوا ان کی وفات کے بعد آپ عتیق بن عائذ سے اور پھر صفی ابن امیہ سے بیاہی گئیں۔صفی بھی انتقال کر گئے اور آپ تیسری مرتبہ بیوہ ہو گئیں۔

حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں اور سامانِ تجارت کے لئے معاوضہ دے کر اپنے عزیزوں کو بھجوایا کرتی تھیں۔مگر وہ بددیانتی کرتے تھے۔اسی دوران حضور اکرمؐ کے امین اور صدیق ہونے کی شہرت سنکر آپ کو سامانِ تجارت دیکر بھیجا اور اللہ کے فضل سے اس سفر میں خارق عادت رنگ میں فائدہ پہنچا کہ آپ نے یعنی حضرت خدیجہؓ نے اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ نکاح کی درخواست کی جو آپ نے قدرے تامل کے بعد قبول کر لی اور اس طرح آپ کا نکاح ابوطالب نے 500 درہم پر پڑھا۔حضرت خدیجہؓ نے حضور کے دل میں اس قدر گھر کر لیا کہ حضورؐ کی زندگی کا زیادہ حصہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہی گزرا۔آپ کی ساری اولاد سوائے صاحبزادہ ابراہیم کے سب آپ کے ہی بطنِ مبارک سے پیدا ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے چار صاحبزادیاں اور تین فرزند عطا فرمائے جن کے نام یہ ہیں:

حضرت قاسم، حضرت طاہر، حضرت طیب، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور ام حسین حضرت فاطمۃ الزہرہؓ۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں وہ بھی ایمان لے آئیں اور ان کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔حضرت خدیجہؓ بڑی فراخ دل، فراست شعار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بہت اچھی طرح سمجھنے والی تھیں۔غارِ حرا میں جب پہلی قرآنی وحی نازل ہوئی

کہ اقرأ باسم ربك الذی خلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت گھبراہٹ کے عالم میں غارِ حرا سے اتر کر گھر آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اوڑھادو۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے مقدس خاوند کو کپڑا اوڑھا دیا۔ جب ذرا اطمینان ہوا تو حضورؐ نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے تو اپنے نفس کے متعلق ڈر سا پیدا ہو گیا ہے۔ مگر حضرت خدیجہؓ جو آنحضورؐ جیسی سرتاپا نور اور خدانما شخصیت کے روحانی اثرات بچشمِ خود ملاحظہ کر چکی تھیں بے ساختہ پکار اٹھیں:

''نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ معدوم اخلاق کو اپنی ذات اقدس میں جمع کر لیا ہے۔ آپ مہمان نواز ہیں اور حق باتوں میں لوگوں کے مددگار بنتے ہیں۔''

حضرت خدیجہؓ کی یہ گواہی نہ صرف رسالتِ محمدی کی صداقت کا دائمی نشان ہے بلکہ اس سے حضرت خدیجہؓ کی فصاحت و بلاغت، خدا پر کامل یقین اور کامل محبت اور باریک نظری دینی فہم و دانش کا پتہ بھی دیتی ہے اور یہ دیکھ کر تو روح وجد کر اٹھتی ہے کہ آپ کے اس تاریخی فقرہ میں تمام الٰہی کتب خصوصاً قرآن شریف کی تعلیمات کا نہایت حسین و جمیل عکس آ گیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ ہی وہ پہلی مسلمان عورت تاریخ میں مذکور ہیں جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے اور حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آنحضرتؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بے حد محبت تھی۔ ایک بار انکی وفات کے بعد انکی بہن ہالہ نے اندر آنے کیلئے آواز دی تو حضورؐ کو ان کی آوز سن کر حضرت خدیجہؓ کی یاد آ گئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ ہالہ کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی۔ حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں کہنے لگیں آپ کیا اس بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر چکی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بڑھ کر

بیویاں عطا کی ہیں۔اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا:

''عائشہ یوں نہ کہو ہرگز نہ کہو جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے وہ ایمان لائیں جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے مدد کی۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر رشک ان پر آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا کیونکہ حضورؐ ہمیشہ ان کا ذکر فرماتے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے 64 سال 6 ماہ کی عمر میں وفات پائی اور مکہ کے شمالی پہاڑ حجون میں دفن ہوئیں۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضورؐ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے۔اس افسردگی اور غم کو دور کرنے کی خاطر حضرت سودہؓ سے نکاح کیا۔یہ بھی بیوہ تھیں ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمر تھا۔آغاز دعوتِ اسلام میں دونوں میاں بیوی مسلمان ہوئے تھے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا تھا۔حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہو گیا اور انکے انتقال کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔جب نکاح کا مشورہ لیکر خولہ بنت حکیم حضور اقدسؐ کی خدمت میں آئیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ سودہ سے بھی تو پوچھو حضرت سودہؓ کے راضی ہونے پر ان کا نکاح ان کے والد نے چار سو درہم حق مہر پر پڑھا۔ حضرت سودہؓ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرتؐ سے اس بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔

آنحضرتؐ کے اخلاق وعادات میں سخاوت اور فیاضی ایک نمایاں وصف تھا۔اس بناء پر صحابہؓ میں سے جس کو آپ سے جسقدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصفِ خاص کا زیادہ اثر پڑتا ہے۔ازواجِ مطہرات کو آپ کے اخلاق وعادات وفیضِ محبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لئے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے۔حضرت سودہؓ اس وصف میں باستثنائے حضرت عائشہؓ سب سے ممتاز تھیں۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی لانے والے سے پوچھا کہ اس میں کیا ہے بولا درہم،حضرت سودہؓ بولیں کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔

اطاعت وفرمانبرداری بھی ان کا خاص وصف تھا اور اس وصف میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز ہیں ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔آپ نے امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔سن وفات 54ھ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شماران چند مایۂ ناز خواتینِ مبارکہ میں ہوتا ہے جن کے ذکر کے بغیر نہ کوئی کتابِ تاریخ اور نہ کوئی کتابِ حدیث مکمل ہوتی ہے۔سب سے زیادہ احادیث آپ سے مروی ہیں آپ ہی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ آدھا دین عائشہ سے سیکھو۔ آپ رسول کریمؐ کی محبوب ترین بیوی تھیں۔تقویٰ وطہارت کا بلند مقام ان کو حاصل تھا۔علم و فضل اور تفقہ واجتہاد میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔علومِ دینیہ پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ اور رسولِ کریمؐ کی حیات طیبہ کا انہوں نے بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔چارسو درہم پر 9 سال کی عمر میں نکاح

ہوا اور صرف 9 سال ہی حضورؐ کے ساتھ گزارے۔ آپ کی وفات کے بعد 45 سال زندہ رہیں شادی کے وقت اس قدر کم عمر تھیں کہ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ اُمِّ رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ ہاتھ دھویا، بال درست کئے اور گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رسمِ عروسی ادا ہوئی اور یہ شوال کا مہینہ تھا۔ اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اور اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کیلئے برا اور مکروہ خیال کرتے تھے اس خیال کے مٹانے کیلئے ہی غالباً حضورؐ نے اس مہینہ کا انتخاب کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی۔ اسی محبت کیوجہ سے آپ نے مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لی اور اپنی آخری زندگی کے دن حضرت عائشہؓ کے ہاں بسر کئے۔ حضرت عائشہؓ کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے بڑھ کر کوئی خوش تقریر نہیں دیکھا۔ شعر و شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ بڑے بڑے قصیدے زبانی یاد تھے بعض باتیں پیار محبت کی وجہ سے آپ حضورؐ سے چھپا کر رکھتی تھیں کہ ان کو علم نہ ہو۔ تاہم رسولِ کریمؐ فوراً بھانپ لیتے ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا عائشہ جس وقت تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو مجھے فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کیسے؟ حضورؐ نے فرمایا جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو محمدؐ کے رب کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ابراہیم کے رب کی قسم۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ یہ بات ٹھیک ہے کہ ناراضگی کے وقت میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ ناز و ادا کی یہ کیسی بہترین مثال ہے جو حضرت عائشہؓ نے پیش کی۔ چونکہ شادی بچپن کے زمانہ میں ہوئی تھی،

شوہر کے گھر آ کر بھی آپ کا محبوب مشغلہ گڑیوں کا کھیل جاری رہا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیل رہی ہوتیں کہ حضرت رسول کریمؐ تشریف لے آتے۔ سہیلیاں حضورؐ کو دیکھ کر اِدھر اُدھر چھپ جاتیں لیکن حضورؐ فرماتے کھیلو ڈرتی کیوں ہو۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ دیگر ازواجِ مطہرات پر اپنے تفوق اور برتری کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا مجھے دس باتوں کے باعث دیگر ازواج پر فضیلت حاصل ہے۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

2۔ میرے سوا حضورؐ کی کوئی بیوی نہ تھی جس کے ماں باپ دونوں کو ہجرت کی سعادت نصیب ہو۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے میری بریت آسمان سے نازل فرمائی۔

4۔ جبرائیل میری تصویر ریشم کے پردہ میں لیکر حضورؐ کے پاس آئے۔

5۔ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

6۔ نماز تہجد کے وقت میں حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی لیکن کسی اور بیوی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں تھی۔

7۔ میرے سوا کسی اور بیوی کے لحاف میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔

8۔ وفات کے وقت حضورؐ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

9۔ حضورؐ نے عین اس وقت وفات پائی جب میری باری کا دن تھا۔

10۔ حضورؐ میرے حجرے میں دفن کئے گئے۔

حضرت عائشہؓ سے اس قدر پیار و محبت تھا کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے دوڑ

کا مقابلہ بھی کیا ایک مرتبہ آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ خود پیچھے رہ گئے تا کہ حضرت عائشہؓ آگے نکل جائیں اور وہ آگے نکل گئیں ۔اللہ اللہ! کس قدر جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ان کی شادی خود حضورؐ نے اپنے مُتَبَنّٰی غلام حضرت زید بن حارثؓ سے کر دی تھی لیکن دونوں میں نہ نبھ سکی اور طلاق ہوگئی ۔ طلاق ہونے کے بعد آپؐ سے نکاح ہوا۔ بڑی عابدہ زاہدہ، فیاض اور حسین وجمیل تھیں۔ان کے اوصاف کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت محبوب رکھتے تھے۔اُمہات المؤمنین میں سے یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسری کرتی تھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے انتقال ہوا۔عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں۔جب حضورؐ نے انہیں نکاح میں لانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہ کر سکوں گی۔خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ بزدہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو۔ بزدہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے، وہ تمہارا ہی ہے تو دیکھا پچاس درہم تھے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور اس سال ان کا انتقال ہوگیا۔آنحضرتؐ نے ازدواجِ مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے یہ استعارہ فیاضی کی

طرف اشارہ تھا۔لیکن ازدواجِ مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔حضرت زینب اپنی فیاضی کی بناء پر اس پیشگوئی کی مصداق ثابت ہوئیں۔20ھ میں انتقال کیا اور 53 سال عمر پائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں یہ بیوہ تھیں ان کی پہلی شادی خمیس بن حذافہ کے ساتھ ہوئی تھی۔خمیس غزوہ بدر میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے ان کے انتقال کے بعد رسول کریم نے ان کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی اور نکاح ہو گیا۔حضرت حفصہؓ چونکہ عمرؓ کی بیٹی تھیں ان کے مزاج میں قدرے تیزی تھی جس کے متعلق ترمذی میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں اور آنحضرتؐ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا مجھے حفصہ نے کہا ہے تم یہودی کی بیٹی ہو۔آپ نے فرمایا تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔حفصہ تم سے کس بات پر فخر کر سکتی ہے۔ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں ہم آپ کی بیویاں بھی ہیں اور بہنیں۔یہ بھی حضرت صفیہ کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں۔حضرت حفصہؓ نے 45 ہجری میں جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائی ان کی عمر اس وقت 59 سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ام المساکین

ان کا نام زینب تھا فقراء اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں اسی لئے ام المساکین کنیت ہوگئی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن جحشؓ جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے ان کی بیوہ تھیں اسی سال حضورؐ نے آپ سے نکاح کر لیا لیکن اس شرف کے حاصل ہونے کے دو تین مہینے کے بعد ہی وفات پا گئیں۔ حضورؐ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہی بیوی حضورؐ کے ہاتھوں رخصت ہوئیں۔ حضورؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں وفات کے وقت ان کی عمر صرف 30 سال تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ہند نام، حضرت ام سلمہؓ کنیت تھی۔ باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتقہ تھا ان کی پہلی شادی ان کے چچازاد بھائی اور آنحضرتؐ کے رضائی بھائی عبداللہ بن اسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ انہیں کے ساتھ آغازِ اسلام میں اسلام لائیں۔ ابو سلمہ غزوہ اُحد میں زخمی ہوکر شہید ہوئے جب وہ شہید ہوئے ام سلمہ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کئے یعنی میں سخت غیور عورت ہوں، صاحب عیال ہوں، میری عمر زیادہ ہے، مگر حضورؐ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔ لمبی عمر پائی وفات کے وقت 84 سال عمر تھی۔ حضرت عائشہؓ کے بعد علمی درجہ انہی کا تھا۔ آپ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں فوت ہوئیں (سن 61ھ میں)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی سافع ابن صفوان سے ہوئی تھی جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے انہیں لونڈیوں میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔ جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس ؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔ اسلام میں اگر آقا راضی ہوتو لونڈی غلام کچھ رقم دے کر آزاد ہوسکتے ہیں اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں ان کو شرط کے مطابق 9 اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہؐ میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں مَیں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں اور 9 اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا ہے یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کرلیا ہے اب آپ سے اس کا سوال کرنے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں ہے۔ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں رقم ادا کردیتا ہوں اور تم سے نکاح کرلیتا ہوں وہ راضی ہوگئیں۔ آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا وہ بھی راضی ہوگئے۔ آپ نے رقم ادا کی اور حضرت جویریہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا۔ اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول کریمؐ سے تعلق کی وجہ سے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کردیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جویریہؓ نے خود رسول کریمؐ سے نکاح کی خواہش ظاہر

کی تھی اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔حضرت جویریہؓ نے 65 سال کی عمر میں 50 ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اصل نام رملہ اور ام حبیبہ کنیت ہے۔لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی۔ یہ بھی خاندانِ قریش سے تھیں۔ اپنے پہلے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ساتھ آغاز اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ دوسری ہجرت میں حبشہ گئیں۔حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں۔اس لئے عبید اللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔آنحضرتؐ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو نجاشی شاہِ حبشہ کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔انہوں نے قبول کر لیا۔اور خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا۔نجاشی نے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرتؐ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ام حبیبہؓ نے 49ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث تھا۔انکی پہلی شادی مسعود بن عمیر سے ہوئی تھی۔مسعود نے طلاق دے دی تو ابو درہم بن عبد العزیٰ نے نکاح کر لیا۔ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ان کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے اپنے غلام ابو رافع کو اوس بن خولہ کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب وقبول کیا۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی اور انہوں نے نکاح پڑھا یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا یہ رسول اللہ کی بیوی ہیں۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ لے چلو۔ 50 ہجری میں فوت ہوئیں اور دمشق میں دفن ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اصل نام زینب ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوجاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے۔ چونکہ آپ جنگ خیبر میں اس طریقہ کے موافق آنحضرتؐ کے نکاح میں آئی تھیں اس لئے صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ ان کے والد کا نام حی بن اخطب اور والدہ کا نام ضرّہ تھا۔ حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل تھی۔ باپ قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔

حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن شکم یہودی سے ہوئی تھی ابن شکم نے طلاق دی تو کناز بن ابی الحقیق نے نکاح کیا۔ کناز جنگ خیبر میں مارا گیا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور وہ خود بھی گرفتار ہوئیں جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو وحیہ کلبی نے آنحضرتؐ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی تو انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک رئیسہ جو بنونظیر و قریظہ سے ہیں آپ نے اس کو وحیہ کے لئے دے دیا ہے وہ تو صرف آپ کے لائق ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ وحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں۔ وہ صفیہ کو لیکر

آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اس طرح سے حضورؐ نے حضرت صفیہؓ کی خاندانی عزت قائم رکھی۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہباء میں رسم عروسی ادا کی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے خود ان کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ اب ازواج مطہرات میں شامل ہوگئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنہیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی کبھی کبھی حضرت صفیہؓ کی نسلی یہودیت پر طعن وطنز کرتی تھیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے 50 ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم ہستی تھیں جو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زوجہ مبارکہ تھیں۔ آپ کا اسم گرامی سیدہ نصرت جہاں بیگم تھا۔ آپ 1865ء میں حضرت سیّد ناصر نواب صاحبؓ کے گھر میں پیدا ہوئیں۔

آپؓ اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کی مرقع تھیں۔ آپ کی عظمت اور صداقت کے لئے تو آج سے چودہ سو سال قبل خدا تعالیٰ کے محبوب نبی احمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنے والے مسیح کے متعلق فرمایا تھا: ”یتزوج ویولد له“

اس طرح آپؓ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں آنا ایک نشانِ الٰہی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عزت بخشی کہ آپ کا ہر بچہ بشارت الٰہی کے ماتحت پیدا ہوا اور انہی میں وہ موعود فرزند بھی تھا جو مصلح موعود کہلایا اور اس اولوالعزم بیٹے کی پیدائش سے پہلے ہی خدا تعالیٰ

نے اپنے برگزیدہ بندے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ذکی غلام تجھے ملے گا، وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت سے ہوگا۔''

حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ 17 نومبر 1884ء میں حضرت اقدسؑ کے عقد میں آئیں۔ حضورؑ سے حضرت سیدہ کی شادی خدائی فیصلہ تھا جیسا کہ اس نے الہاماً فرمایا:

''میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک اور شادی کروں یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی''

خدا نے آپ کو اپنی ایک نعمت قرار دیا ہے اور اپنے الہام میں آپ کی سیرت یہ بتائی کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی مُصَدِّق اور مونس اور غمگسار ہوں گی۔

اس مقدس جوڑے کے مابین محبت اور پیار کے تعلق کے بارے میں حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضورؑ کو اماں جانؓ سے ناراض ہوتے دیکھا نہ سنا بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک آئیڈیل جوڑے کی ہونی چاہئے۔ بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں جو حضورؑ حضرت اماں جانؓ سے فرمایا کرتے تھے۔ اور ہندوستانی ہی میں اکثر کلام کرتے تھے۔ مگر شاذو نادر ہی پنجابی میں بھی۔ حالانکہ بچوں سے اکثر پنجابی میں بولا کرتے تھے۔''

آپ کی زندگی کا ہر پہلو اسلامی تعلیم کے رنگ میں رنگین تھا۔ آپ کا دل عظمت الٰہی سے معمور تھا اور اس کی پرستش آپ کی غذا۔ آپ خدا تعالیٰ ہی کو ہمیشہ اپنا سہارا سمجھتی تھیں۔

آپ کو خدا تعالیٰ نے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں عطا کیں لیکن مشیت ایزدی کے

ماتحت دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئیں۔

جب صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی وفات ہوئی تو آپ کی زبان سے یہی کلمہ نکلا:

انا للہ وانا الیہ راجعون اور کہا میں خدائی تقدیر پر راضی ہوں۔آپ کے صبر پر خدا بھی راضی ہوا اور آپ کے صبر و رضا کا یہ نمونہ خدا تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً یہ پیغام آیا: ''خدا خوش ہو گیا''

آپ یہ الہام سن کر بہت خوش ہوئیں اور فرمایا:

''دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتے تو میں پرواہ نہ کرتی''

خدا تعالیٰ پر توکّل کا یہ عالم تھا کہ حضرت اقدسؑ کی وفات کے وقت جو کہ ایک بڑی آزمائش کا وقت تھا فرمایا:

''ہمارے پیارے خدا یہ تو ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں پر تو نہ ہمیں چھوڑیو۔''

جب حضورؑ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ زیارت کیلئے قادیان کے ایک باغ میں رکھا گیا تو اس موقع پر فرمایا:

''تو نبیوں کا چاند تھا۔تیرے سبب سے میرے گھر میں فرشتے اترتے تھے''

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی روایت ہے کہ ایک اور بات جو میں نے سنی اور یاد رکھی وہ یہ ہے کہ حضور اقدسؑ کے جسدِ مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے (سامنے چارپائی کی پٹی کے پاس زمین پر بیٹھی تھیں) بڑے درد سے بڑے جوش سے آپ نے فرمایا تھا:

''میرے بچو! یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے باپ نے تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔وہ تمہارے لئے بہت بڑا اخزانہ دعاؤں کا آسمان پر چھوڑ گیا ہے جو ہمیشہ وقتاً فوقتاً تم کو ملتا رہیگا۔''

آپ نے ہر مصیبت اور ہر مشکل پر رضا بالقضا کا نمونہ دکھایا اور کبھی ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔توکل علی اللہ،صبر و شکر میں بے مثال تھیں ۔آپ بہت بلند اخلاق تھیں آپ ایک شفیق ماں تھیں ۔بہت شکر کرنے والی ،دعاؤں کی بہت عادی تھیں ۔ساری جماعت کیلئے درد و سوز کے ساتھ دعا فرمایا کرتی تھیں ۔اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے ان کے دل میں غیر معمولی تڑپ تھی ۔ریا اور نمود سے کوسوں دور تھیں ۔سلسلہ کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتی تھیں ۔آپ نے ہمیشہ مالی قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اخبار الفضل کا اجراء کیا تو آپ کو بہت فکر تھی کہ اس کے جاری کرنے کے لئے کہاں سے رقم آئے گی ۔حضرت ام ناصر کے علاوہ حضرت سیدہ اماں جان نے بھی اس کیلئے بہت مالی قربانی دی ۔آپ نے اپنی ایک زمین بیچ کر الفضل کے لئے رقم دی۔

حضرت مصلح موعودؓ نومبر میں ہر سال تحریک جدید کا اعلان فرمایا کرتے تھے۔قادیان میں جمعہ پر جانے کیلئے حضرت اماں جانؓ کے گھر میں سے گزر کر جایا کرتے تھے۔حضرت اماں جانؓ ،جب آپ گزر رہے ہوتے ،تو آواز دیکر فرماتیں:

''میاں آج آپ نے تحریک جدید کا اعلان کرنا ہے میری طرف سے اتنا وعدہ لکھ لیں''

نام آپ کا سیدہ نصرت جہاں بیگم تھا لیکن آپ کے والد صاحب آپ کو بچپن میں عائشہ کے نام سے بھی پکارا کرتے تھے ۔آپ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بمنزلہ عائشہ صدیقہؓ کے تھیں ۔جس طرح وہ حضورﷺ سے عمر میں بہت چھوٹی تھیں اور آپ کو بہت عزیز تھیں اسی طرح آپ حضرت اقدس سے عمر میں بہت چھوٹی اور عزیز تھیں ۔ پھر جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ آپ کی وفات کے بعد ایک لمبا عرصہ زندہ رہیں ،آپ کی روایات اور احادیث جمع

کرتی رہیں ۔اسی طرح حضرت اماں جانؓ آپ کی وفات کے بعد ایک لمبا عرصہ زندہ رہیں اور حضرت اقدسؑ کے متعلق کثرت سے روایات بیان کرتی رہیں ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام خدیجہ بھی رکھا۔

''اشکر نعمتی رأیت خدیجتی'' میرا شکر ادا کر تو نے میری خدیجہ کو پایا۔اس طرح آپ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے حضرت خدیجہؓ کی طرح ثابت ہوئیں ۔ویسی ہی تسلی دینے والی اور غمگسار۔

پھر الہام میں آپ کو مریم بھی کہا گیا۔ چنانچہ حضرت مریمؑ کی طرح پاک اولاد جو اسلام کے نور کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے کا موجب ہوئی آپ کو دی گئی۔

آپؓ اپنے دور کی خوش قسمت ترین خاتون تھیں ۔آپؓ ایک مومنہ، صدیقہ، صائمہ، مطہرہ اور دن رات ذکر الٰہی میں بسر کرنے والی عظیم ہستی تھیں ۔آپ ایک عظیم خاتون تھیں ایسی عظیم اور عالی مرتبہ ہستی کہ جس کو خدا نے اس زمانہ کے مامور کیلئے چنا اور آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جس کے بطن سے حضرت مصلح موعودؓ پیدا ہوئے اور کتنی عظیم ہستی تھی جس کی گود میں موعود پوتے نے بھی پرورش پائی۔

یہ بابرکت وجود جماعت پر پون صدی تک ابرِ رحمت کی طرح برستا رہا۔آخر 20/اپریل 1952ء اتوار اور پیر کی درمیانی شب ساڑھے گیارہ بجے اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اور اپنے حقیقی مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

○○

اسلام کی بقا اور ترقی کیلئے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد اور غزوات کی اجازت دینا

مقصد اور کردار

یہ عنوان لکھتے ہوئے مجھے کالج کے زمانہ کی ایک Debate یاد آ گئی جو اس موضوع پر تھی کہ ''کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے یا بزور قلم؟''

دونوں اطراف سے خوب دھواں دار تقاریر سننے کے بعد یہی فیصلہ ججز نے دیا کہ قلم والوں نے نمبروں کی بھیڑ لگا دی ہے۔تلوار تو با امر مجبوری اٹھانا پڑی اسلام کو پھیلانے کیلئے۔ آج میں بھی اس بات کی مجبوری کے پیش نظر اپنے آقا و مولیٰ فداہ نفسی امی وابی کی پاک سیرت کے چند پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے آپ کی اعلیٰ کارکردگی ،سوچ و بچار، حسنِ انتخاب اور شجاعت و بہادری کو نمایاں کرنے کیلئے میرے آقا کو جو جنگ و جہاد مجبوراً کرنا پڑا اس کا کچھ پس منظر پیش کرسکوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ 12 صفر بمطابق 624ء خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپکو جہاد بالسیف کی اجازت فرمائی۔شروع میں بعثت کے بعد مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں خود تکلیفیں اٹھائیں اور مظالم برداشت کئے بلکہ صحابہ

کرامؓ کو بھی برضائے الٰہی صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور لڑائی کی طرح نہ ڈالی۔قریش مکہ نے خدائے واحد کی عبادت اور توحید کے اعلان سے جبراً روکا، مارا پیٹا یہاں تک کہ تین سال تک سوشل بائیکاٹ کر کے زندگیاں ان پر تنگ کر دیں۔آخر دارالندوہ کی مجلسِ شوریٰ اس نتیجہ پر پہنچی کہ ''محمدؐ'' کو قتل کر دیا جائے۔کہیں وہ بچ کر شہر نہ چھوڑ جائے۔وہ خوفزدہ تھے کہ کہیں اسلام جڑ نہ پکڑ لے۔جب ولید بن مغیرہ خالد بن ولید کا باپ مرنے لگا تو رونے اور چیخنے لگا۔لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی کہ اس قدر بزدلی کیوں دکھا رہے ہو تو کہنے لگا کہ میں موت کے خوف سے نہیں رویا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ میرے بعد محمدؐ کا دین نہ پھیل جائے۔قریش کے رؤسا نے کہا تم اس کی فکر نہ کرو۔ہم اس کے ضامن ہیں کہ اس کے دین کو نہ پھیلنے دیں گے۔گویا موت تو ان کیلئے آسان تھی لیکن توحید کی جڑیں پھیلنے کا خیال انہیں موت سے زیادہ قبیح معلوم ہوتا تھا۔وہ کئی بار حبشہ میں قسمت آزمانے آئے تھے، نجاشی کے دربار میں ہزاروں تحائف پیش کر کے ان کے معاوضہ میں اسلام کے ماننے والوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔تاکہ پابہ زنجیر انہیں رکھا جائے۔لیکن جب حقیقی شکار ہاتھ سے نکل کر بعافیت اپنی منزل پر پہنچ بھی جائے تو قرار دادیں پیش کرنے والے سر پیٹ کر خاموش نہیں رہیں گے۔ بلکہ تڑپتی ہوئی تلواریں میانوں سے نکال لیں گے۔ پیارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر کی قیمت مقرر کرنا ہی اعلان جنگ تھا کہ جو شخص محمدؐ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔تعاقب کرنے والوں نے دیوانوں کی طرح وادی وادی چپہ چپہ چھان مارا حتیٰ کہ سراقہ بن مالک نے آپکو پانے میں کامیابی حاصل کر لی۔لیکن پکڑنے کی بجائے وہ امن و معافی کا خواستگار ہوا اور ایک دن توحید کا پرچم لہرانے والوں میں جا شامل ہوا۔

الغرض ہر تدبیر کی ناکامی و نامرادی کے بعد قریش مکہ کو مخالفت نے اور بھی اندھا کر دیا۔

اور انہوں نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اُس کے ساتھیوں کو ایک تہدیدی خط ارسال کیا جس میں مسلمانوں کے خلاف خطرناک منصوبہ تھا اور انصار کو بہت تشویش تھی یہاں تک کہ خوف سے راتوں کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے اور دن کو بھی ہتھیار لگا کر پھرتے تھے کہ کہیں اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو یہ حال تھا کہ آپ حملہ کے خوف سے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ راتوں کو زندہ رکھتے اور خدا سے مدد مانگا کرتے تھے۔ یہ وقت اسلام پر بہت نازک تھا اور ایسے وقت میں خاموش نظارہ کرنا خودکشی سے کم نہ تھا پس ان اضطراری حالات کا تقاضا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہو جس سے مدافعت کے سامان مکمل ہو سکیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ۔

(سورۃ حج آیت 40)

یعنی آج تمہیں جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً قادر ہے۔

پس کفار جب بزور شمشیر اسلام سے منحرف کرنے کیلئے آگے بڑھے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو۔ اور اگرچہ دفاعی جنگ کی طرف اشارہ ہجرت کے اذن میں بھی تھا تاہم یہ کھلی اجازت نبوت کے 15 ھویں سال ملی۔ پندرہ سال تک ہمارے آقا و مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصائب و صعوبتیں برداشت کر کے اتمام حجت کرتے رہے۔ اب حکم ملا کہ اے مسلمانو! لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر دیکھنا زیادتی نہ کرنا۔ اس حکم کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن و امان کے خواہاں تھے۔ آپ فرماتے:

”اے مسلمانو! تمہیں چاہئے کہ دشمن کے مقابلہ کی خواہش نہ کرو اور خدا تعالیٰ سے امن کے خواہاں رہو۔ اور اگر تمہاری خواہش کے بغیر حالات کی مجبوری

سے کسی دشمن کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر ثابت قدمی دکھاؤ۔''

(بخاری و مسلم ابوداؤد)

پس ہر حکم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ جنگ کے حالات سے ہی پناہ مانگتے تھے اور امن و امان کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تھے تو اس کے امیر کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ جب تم دشمن کے سامنے ہو جن سے تمہاری لڑائی چھڑی ہے تو پہلے انہیں تین باتوں کی دعوت دیا کرو اور اگر وہ ایک بھی مان لیں تو پھر ان سے مت لڑو۔

1 سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لیں تو ان کا اسلام لانا قبول کرو اور اُن سے ہاتھ کھینچ لو۔

2 پھر اس کے بعد انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کی تحریک کرو۔ اگر وہ ہجرت کریں گے تو مہاجرین کے حقوق دئے جائیں گے۔

3 تو پھر اُن سے کہو کہ ٹیکس دینا شروع کریں اور اسلامی حکومت کے تحت آ جائیں۔ اگر وہ تیسری صورت مان لیں تو بھی ان سے مت لڑو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر اللہ کا نام لے کر اُن سے لڑو۔

(مسلم ابوداؤد و ترمذی - راوی حضرت ابوہریرہ)

اجازت جہاد کیلئے ایک یہ نقطہ ہی قابل غور ہے کہ جہاد کرنے والے کی نیت قطعی طور پر حفاظت دین ہونی چاہئے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور خیال اُس کے دل میں پیدا ہو تو وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو مجاہدین خدا کی راہ میں نکلتے ہیں اور اُن کو لڑائی میں مال غنیمت ہاتھ لگ جاتا ہے تو اُن کا 2/3 حصہ ثواب

آخرت کا کم ہوجاتا ہے۔اور اگر مال غنیمت ہاتھ نہ آئے تو پورا پورا ثواب ملے گا۔

(مسلم النسائی)

پس حرف آخر یہی ہے کہ لڑائی محض خدا تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیئے جس میں نفس کا غصہ یا انتقام شامل نہ ہو۔ملک کو فتح کرنے یا اپنے رسوخ کو بڑھانے کیلئے تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں۔ جو پہلے حملہ کرے اس کی بھی تحقیق کر لینی چاہیئے کہ کسی خوف کے تحت تو جنگ شروع نہیں کی۔ اور اگر دشمن کسی وقت بھی صلح کیلئے جھکے تو خدا تعالیٰ پر توکل کر کے صلح کیلئے ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔



آج کے دور میں لجنہ کی ذمہ داریاں

(یہ تقریر پیرس میں لجنہ کے جلسہ منعقدہ 16 جون 1991ء میں کی گئی)

اسلام نے عورت کو ایک نہایت ہی اعلیٰ اور عظیم الشان مقام عطا کیا ہے اس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس مقام کو سمجھیں اور اس کے شایان شان اعمال اور کردار پیش کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانیت پر جو بے شمار احسانات فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے عورتوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی عورت ہر قوم اور ہر خاندان اور جماعت کی زندگی کی شہ رگ ہے اسی پس منظر کے تحت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لجنہ اماء اللہ کا قیام فرمایا اور لجنہ کے قیام کے آغاز سے لیکر اب تک سارے خلفائے احمدیت انتہائی طور پر یہ کوشش کرتے چلے جا رہے ہیں کہ احمدی عورتیں موجودہ زمانہ کے حالات کے پیش نظر ساری دنیا کیلئے مثالی اور شمع ہدایت بنیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو خاص مقاصد کے لئے تخلیق فرمایا اور عورت کے وجود کی سب سے اہم ذمہ داری خاندان کی بقا اور بچوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جماعت میں دیگر ذیلی تنظیمیں بھی ہیں لیکن ماں کا متبادل کوئی نہیں ہوسکتا اس امر سے تو سب واقف ہی ہیں کہ بچے کی تربیت کا عمل ماں کے پیٹ میں ہی شروع ہوجاتا ہے اور بچے کو صحیح رنگ میں اسلامی روح کے تحت بنانا خاص محنت اور توجہ چاہتا ہے اس اہم کام میں کامیابی کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک اور اسلام کی اس

سلسلہ میں تعلیم سے واقف ہوں اس کے لئے منجملہ اللہ تعالیٰ نے سورہ لقمان میں وہ تعلیم اور اصول بیان فرما دیئے ہیں جن اصولوں پر تربیت کا کام کرنا چاہئے اس لئے میں خصوصیت کے ساتھ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ بہنیں سورۃ لقمان کو بار بار اور توجہ سے پڑھیں تربیت کے اصولوں میں سب سے بڑا اصول پاکیزگی ہے اس کے لئے ماں کا خود جسمانی اور روحانی لحاظ سے پاکیزہ ہونا ضروری ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور دعا کا طریق بتایا ہے۔ عبادت کے ذریعہ ہی انسان پاک اور صاف اندرونی لحاظ سے اور بیرونی لحاظ سے بن سکتا ہے اور اسی طریق سے انسان اللہ تعالیٰ کے ان افضال کا وارث بنتا ہے جن کے ذریعہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے دوسری ضروری بات جو میں اپنی بہنوں سے کہنا چاہتی ہوں وہ نمازوں میں باقاعدگی اور التزام کی اہمیت ہے اور اس کے ساتھ اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے خصوصی دعائیں ہیں خود اپنے لئے دعائیں کرنا بہت ضروری ہے لیکن اس کیساتھ خلیفۂ وقت بزرگانِ دین اور دوسروں سے بھی دعائیں لینا ضروری ہے۔ خلیفۂ وقت کی دعائیں لینے کے لئے خلیفۂ وقت کا پیار بھی ضروری ہے اور یہ پیار خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔ انسان اپنی کمیت میں نہایت ہی کمزور اور ناتواں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے بغیر کچھ حاصل ہوسکنا ناممکن ہے لیکن وہ مقاصد جو اسلام نے اور قرآن پاک نے ہمارے سامنے رکھے ہیں ان کے حصول کے لئے صبر اور تحمل کے ساتھ کوشش کرتے رہنا نہایت ضروری ہے۔

یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ تربیت اور اخلاق پر ماحول بڑی طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ مغربی ماحول اور اس کی خرابیوں کے اثر کو مٹانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے گھروں میں اور جماعت میں صحیح اسلامی ماحول پیدا کریں اور ایسے پروگرام مرتب کریں

جو بچوں کی عمر کے لحاظ سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اسلامی روح کے مطابق تشکیل ہوں ۔ چھوٹی عمر سے ہی دینی تعلیم کا اہتمام نماز سیکھنا ،قرآن مجید پڑھنا اور احمدیت کی بنیادی تعلیم سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کو وہ زبانیں بھی سکھائی جائیں جن کے ذریعہ سے وہ جماعت کے لٹریچر سے فیض حاصل کرسکیں جہاں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولادیں دنیا میں عزت پائیں اور ترقی کریں وہاں ہمارے دلوں میں شدت کیساتھ یہ خواہش بھی ہونی چاہیئے کہ ہماری اولادیں نیکی میں نام پیدا کریں اور جماعت کیلئے ہر ایک قربانی کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوں ۔اس میں ہمارے اپنے عملی رنگ کا بہت دخل ہے ۔ اپنی اصلاح کے بغیر کسی دوسرے کی اصلاح ناممکن ہے اس لئے سب سے پہلے خود اپنے ضمیر پر نظر ڈالنی چاہیئے اور کوشش اور دعا کے ساتھ اپنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیئے زبانی باتیں بچوں پر وہ اثر نہیں کرسکتیں جو عمل اور کردار کرسکتا ہے اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ والدین کا گھروں میں وہی اسلامی طریق ہو جس پر وہ بچوں کو چلانا چاہتے ہیں ۔

فرانس اسلام کی تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام بھی یہاں قریباً نصف صدی سے پہنچ چکا ہے اب آپ کی جماعت کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتفاق اور محبت سے نوازا ہے اور آپ میں وہ سب صلاحیتیں موجود ہیں جو اس ملک میں احمدیت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں ۔

''ہمت مرداں مدد خدا''

گھبرائیں نا بلکہ آپ دعاؤں کے ساتھ اپنی کوششوں کو جاری رکھیں اور ہم بھی دعاؤں کے ذریعہ آپ کی مدد کرتے رہیں گے ۔ اس طرح آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے

خلیفہ کو جماعت کی خوشیاں دکھا تا رہے۔ساری دنیا میں جماعت ہرلحاظ سے جلد جلد ترقی کرے اور ہم سب خدااور خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے ہوں۔آمین۔

آپ نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں سنا ہی ہے کہ ہمارے حضور ایدہ اللہ نے تبلیغ پر کس قدر زور دیا ہے اور داعین الی اللہ بننے کے لئے ہمیں دعوت دی اور روس میں وقف عارضی کی تحریک فرمائی ہے۔آپ سب جانتے ہی ہیں کہ تبلیغ کے ذریعہ ہی ہم اپنی جماعت کو بڑھا سکتے ہیں اور اپنے علم سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اپنے نمونہ سے ہی دوسروں کے دل جیت سکتے ہیں اور سعید روحوں کو اسلام اور احمدیت کا پیغام دیکر اس پیاری جماعت کے ممبر بنا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور کی اس مبارک تحریک میں حصہ لینے اور حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق دے۔آمین۔آجکل باقاعدہ مبلغین کیساتھ ساتھ ہمارے داعین الی اللہ بھی اس کام میں بڑی محنت اور جذبہ سے کام کر کے حضور کی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو جزا دے اور بڑھ چڑھ کر خدمتِ اسلام کی توفیق دے۔آمین۔



دِل

یہ دل دل کیا لگا رکھی ہے؟ یہ دل ہے کیا؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ دونوں سہیلیاں آپس میں گپ شپ لگاتے ہوئے زور دار قہقہہ لگا کر چیخ اٹھیں ۔ اِرم نے سنبل سے کہا بھلا میں کیا جانوں کہ یہ دل میں کیا ہو رہا ہے اور کیسے ہوتا ہے۔ چلو آج تم ہی مجھے سمجھا دو۔ ہمیشہ جو کہتی رہتی ہو تمہارا دل نہیں کرتا ایسے سہانے موسم میں باہر گھومنے پھرنے جانے کو! تو گویا دل کی بات دل میں نہیں رکھنا چاہئے۔ اور کبھی کبھی یہی دل دُکھن بھی تو محسوس کرتا ہے نا! ہاں ضرور محسوس کرتا ہے۔ ہاں مجھے یاد ہے جب اس روز سہیل نے میرا دل توڑا تھا تو مجھے بالکل یوں لگا تھا کہ اِس دُنیا میں دل اب ہرگز نہ لگے گا۔

میں بوجھل دل لئے بیٹھی پاس رکھی دُرِّ ثمین کے ورق اُلٹ پلٹ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام پڑھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اشعار کی گہرائیوں میں کھوگئی اور چند اشعار جو اخبار الفضل میں 31 دسمبر 1913 میں چھپے تھے میرے سامنے آن کر مجھے سمجھانے لگے۔ تو تم بھی سنو یہ اشعار کس قدر پیار سے اپنے مطلب بولتے ہیں۔

گروہ جاں کو طلب کرتے ہیں تو جاں ہی سہی
بلا سے کچھ تو نپٹ جائے فیصلہ دل کا
اگر ہزار بلا ہو تو دل نہیں ڈرتا
ذرا تو دیکھئے کیسا ہے حوصلہ دل کا

اس سے مجھے یہ احساس ہوا کہ دل کا استعمال اس کے صحیح فیصلے اور حوصلے پر مبنی ہوتا ہے اور آج واقعی تم میرے لئے ایک فرشتہ رحمت بن کر آئی ہو اور مجھے دوبارہ جینا سکھا دیا ہے اور اب میں ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں گی مگر ایک روز تو اس دلِ ناداں نے مجھے رُلا رُلا کر یہ شعر گانے پر مجبور کر دیا تھا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

یہ لمبی بات سنتے سنتے جس پر سنبل خاموش تھی ذرا تنک کر بول اٹھی کہ کیا دل تمہارا تکیہ کلام ہے؟ کہ ہر بات میں دل، ہر شعر میں دل کو لے آتی ہو......اب تک تم نے جتنے فقرے بولے ہیں ذرا خود ہی سوچو کہ کتنی بار دل استعمال ہوا ہے!!! میرا تو دل ہی گھبرانے لگا ہے کہ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے......اری پگلی نہ بنو، تمہیں شاید پتہ نہیں ہے کہ دل انسانی جسم میں کس قدر اہم اور مقدس عضو ہے۔ اسے ہرگز بُرا نہ کہو بلکہ اس نہایت پیاری چیز کا بہت ہی خیال رکھنا چاہئے۔ تم نے کبھی یہ حدیث نہیں پڑھی جو اس دل کے بارہ میں ہی ہے۔ لو سنو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ فِی الْجِسْمِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

ترجمہ:: یقیناً جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! (یا خبردار) اور وہ (ٹکڑا) دل ہے۔

دیکھا تم نے کتنی پیاری حدیث ہے۔ گویا انسانی زندگی کا دارومدار اس ننھے، بے لوث، خدمت گزار اور وفادار عضو پر ہی ہے۔ اس لئے اپنے دل کی صفائی، تندرستی اور توانائی سبھی

درکار ہیں۔ دل بڑا بھی ہوجاتا ہے اور چھوٹا بھی ہوجاتا ہے اور کبھی اس کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ ایک عام صحت مند عضو کی بات کروتو ہر انسان کا دل اس کی مٹھی کے برابر ہونا چاہیئے اگر بڑھ جائے تو یہ بیماری ہوتی ہے اور انلارجمنٹ آف ہارٹ کہلاتی ہے اور اس کا علاج بھی ہوجاتا ہے۔ ہومیوپیتھی یعنی علاجِ روحانی اور میڈیکل علاج بھی ہیں۔ اور جب دل چھوٹا ہوتو گویا شریانیں سکڑ رہی ہیں اور جسم سے کم آکسیجن اور خون جسم کو سپلائی ہو رہا ہے۔ اور دوسرے معنوں میں تو آپ سب بخوبی جانتے ہیں کہ تنگ دل یا کم حوصلہ یا بات بات پر ڈر جاتا اور گھبراتا ہوتو ہم کہہ دیتے ہیں کہ تمہارا دل کتنا چھوٹا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب دیکھئے نا درخت اور پھول اور ڈالیاں ہوا کے چلنے سے اور بہار کے آنے سے جھوم جھوم جاتی ہیں مگر جب دل خوشی سے جھوم جاتا ہے تو معنی بدل دیتا ہے۔ یہ سب جملے ہم روزمرہ بول چال میں بولتے ہیں مگر دل پر کیا گذرتی ہے، دل کی اندر کی حقیقت کیا ہے یہ ذرا تفصیل سے بتادوں شاید آپ کو اچھا لگے......

دل انسانی جسم کا انتہائی اہم حصہ ہے جس پر انسانی زندگی اور صحت کا دارومدار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور پیارا اور پاکیزہ نسخہ اس دل کیلئے ہی ہے جو نیکی اور تقویٰ کا بھی مشورہ دیتا ہے اور یہی مشورہ آخرکار بہترین ثابت ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دُوئی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

ایک اور شعر لگے ہاتھوں سن لیجئے جو آپؑ کچھ یوں فرما گئے جو بہت ہی اچھا لگا ہے مجھے:

جس دل میں رچ گیا ہے محبت سے اس کا نام
وہ خود نشاں ہے، نیز نشاں سارے اس کے کام

کیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کم الفاظ میں زندگی کا راز بتا دیا۔ گویا کوزے میں دریا بند کر دیا کہ اچھے دل کی حفاظت، اس کی صحت مندی اور انجام کار اسی دل سے خدا کی محبت کی راہ کو پا کر انسان کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔

اس دل کی دھڑکن ماں کے پیٹ میں ہی بچہ کے زندہ ہونے کی نشان دہی کرتی ہے اور آلات کے ذریعہ یعنی scans سے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ بچہ زندہ ہے اور پوزیشن صحیح ہے یعنی اُلٹا یا ٹیڑھا تو نہیں۔ اور دل کی دھڑکن کی رفتار بھی نوٹ کر سکتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ہر ممکن علاج، ضروری اقدام اور ضروری ہدایات پر عمل کر کے بہت سی پریشانیوں اور بیماریوں سے بچا جا سکتا ہے۔ کئی مرتبہ دل میں hole ہوتا ہے۔ اس کیلئے بھی سرجن موجو ہوں تو علاج ممکن ہے۔ پھر دنیا میں آتے ہی اس کی دیکھ بھال شروع ہو جاتی ہے اور دل کی رفتار تیز یا کم کا خیال رکھا جاتا ہے۔ دل کے چار خانے ہوتے ہیں، دو اوپر اور دو نیچے، ان چاروں خانوں کو قدرت نے اپنے اپنے کام سپرد کر رکھے ہیں۔ یعنی خون کو صاف کرنا اور پھیپھڑوں میں سے ہوتے ہوئے سارے جسم کو پہنچانا اس ننھے سے گوشت کے قیمتی ٹکڑے کا کام ہے جو خدا نے اس کے سپرد کر رکھا ہے۔ جو دنیا میں آنے سے لے کر آخری سانس تک دھڑکتا ہے اور بڑی وفاداری سے یہ اہم ذمہ داری نبھاتا ہے اور کبھی تھکتا نہیں، رکتا نہیں، صرف جب خالق حقیقی کا حکم آ جائے تو فرمانبرداری بھی بہت کرتا ہے ذرا دیر نہیں لگاتا رکنے میں ......وگرنہ آپ سو رہے ہوں مگر اس بے پناہ محبت کرنے والے آرگن کو آرام نہیں ملتا بلکہ اپنا کام پورا کرنے کی تاکید جو ہے یہ کئے جاتا ہے۔ یہ بھی عجیب قدرت غائی ہے کہ ایسی چابی اور ایسی بیٹری سے چلتا ہے کہ جس قدر مدت مقرر کر دی ہے خالق نے یہ چلے گا۔ آپ نئی بیٹری ڈال کر کسی کھلونے سے کھیل یا بول تو سکتے ہیں اور حرکت بھی کروا سکتے ہیں مگر انسانی دھڑکنے والے قدرت کے

بنائے ہوئے دل کی حرکت بند ہو جائے تو ہم کو جو سبق ملا ہے وہ یہی ہے کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھتے ہیں یعنی ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

کبھی کبھی لائف سپورٹ مشین پر رکھ کر بھی چند دن اس دنیا میں مزید سانس دلانے کے سامان بھی خدا نے ہی انسان کو عقل دے کر ڈاکٹرز کو سکھلائے ہیں مگر آخر کب تک؟ جب وقت آ گیا تو اس کے حضور پیش ہو جانا ہے۔ یہ دل بہت نازک مگر قیمتی چیز ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت اور بہت خیال رکھنا چاہئے جو کچھ اس طرح سے ہم کر سکتے ہیں کہ خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں ایک صحت مند دل عطا کیا ہے۔ اگر دل میں سوراخ ہو جو کہ اکثر پیدائشی ہوتا ہے ان لوگوں کو بہت زیادہ بھاری کام کاج کرنے دوڑ میں حصہ لینے اور کبھی کبھار صدمہ سے بھی ہارٹ فیلیئر کا ڈر ہی رہتا ہے۔ اپریشن سے اس کا علاج ممکن ہے۔ بہرحال صحیح دل ایک انعام ہے جو اکثر کو ملا ہوتا ہے گویا شکر ہر سانس کے ساتھ ہونا چاہئے اور ہاں سنو کہ دل اور پاک دل بھی تو ایک نعمت ہے نا، اور دل میں درد ہو کسی کیلئے یہ بھی تو ایک نعمت ہے نا، مگر ہارٹ اٹیک نہیں ہرگز ہرگز نہیں۔ ارم تم ہوش سے سنو اور دل لگا کر میری باتیں سنو اور ذرا بتاؤ یہ شعر بھلا کس کا ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کر و بیاں

اور دوسرا، جھٹ دوسری سہیلی بول پڑی:

ذرا دل تھام لو اپنا کہ اِک دیوانہ آتا ہے
شرار حُسن کا جلتا ہوا پروانہ آتا ہے

یہ کلام محمود کا شعر ہے اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ذرا اس کا مفہوم بھی سمجھ کر

جوڑ ملایا کرو......دونوں سہیلیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور ذرا سنجیدگی سے ہٹ کر بات ہونے پر ماحول میں تازگی آ گئی تھی۔اب لگیں اپنے ساتھ بیتی ہوئی کہانیاں یا آپ بیتی سنانے کہ میں تو بس تمہیں دل دے بیٹھی ہوں اب تم اس کو سنبھال کر رکھنا۔اب تم نہ جانے کیا سوچ رہی ہو کیونکہ دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔اوپر سے خواہ لاکھ بنو دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے اور کبھی آنکھیں بھی دل کی ترجمانی کر دیتی ہیں۔لو تمہیں تو یقین ہی نہیں آتا میں کیا تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں...... یہ حدیث بھی تم نے ضرور پڑھی یا سنی ہوگی:

ایک روایت میں ہے کہ (یہ روایت اس واقعہ کے متعلق ہے جس میں حضرت اسامہؓ نے ایک دشمن کو کلمہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جبکہ اس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تھا تو پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اس نے ہتھیار کے ڈر سے ایسا کیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کیا ہے یا نہیں؟ یہ سن کر سنبل نے کہا کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ میرا دل اس دنیا سے بھر گیا ہے۔میں اسے لاکھ سمجھاتی ہوں کہ جتنی زندگی خدا نے دی ہے مجھے زندہ رہنا ہے مگر دل ہے کہ مانتا ہی نہیں۔کسی کام میں دل نہیں لگتا بس یوں کہو کہ ڈیپریشن کی مریضہ کہلانے لگی ہوں۔اِرم نے بے ساختہ اپنی سہیلی کو سہارا اور تسلی دینے کیلئے ایک ہی سانس میں یہ سب کہہ ڈالا۔آپ بھی سنئے، جسے تم دل دے بیٹھی ہو وہ دور چلا گیا ہے لوٹ کر جلد آنے کی امید بھی نہیں ہے مگر تم دل کو ذرا قابو میں رکھو، دل میلا نہ کرو، آخر وہ تمہارا ہے ہی۔تمہاری امی ایک روز تمہارے ابا سے کہہ رہی تھیں کہ شادی تو سہیل ہی سے کریں گے مگر کب تک انتظار کرنا ہوگا۔اور جب مجھ سے بات ہوئی تو خالہ اماں نے پتہ کیا کہا کہ تم مجھے کیوں اپنی سہیلی کی شادی جلد کرنے کو کہہ رہی ہو۔بھلا سہیل میں کیا کمی ہے۔

ہزاروں میں ایک ہے۔شکل وصورت اگرچہ ایسے ہی ہے مگرلڑکا بہت نیک اور دل والا ہے، دریادل ہے وہ، جانتی ہوتم؟ نہ نہ ایسا نہ کہیں۔کہیں ایک دل ہی کی خاطر آپ نے اپنی نازو کو اس لڑکے سے باندھ رکھا ہے۔کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اس کا دل ویسا ہی رہے گا جیسا اب ہے کیونکہ دل تو چوبیس عدد پسلیوں کے خوبصورت فریم میں نہایت خوبصورتی سے جڑا ہوا ہے جو صرف اورصرف خدا ہی کے فضل سے صراط مستقیم پر چلتا ہے اور پھراس کے اردگرد رگوں ریشوں کا بنا ہوا جال ہے اور یہ سارا تانا بانا دھک دھک کی آواز کے ساتھ ساز کا سارنگ پیدا کرتا ہے اور مسلسل دھڑکتا رہتا ہے۔ہاں ہاں ایسا نہ سوچو۔سیدھی بات کیوں نہیں کرتیں تم۔ اگراس طرح کی باتوں سے ارم کا دل ٹوٹ گیا تو پھر کیا ہوگا؟ میں Crazy Glue سے جوڑ دوں گی خالہ اماں......اس پر دونوں لوٹ پوٹ ہوگئیں اور قہقہوں کا شورسن کرارم بھی ادھر آنکلی کہ خیریت تو ہے؟ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں کہ دل کا چور پکڑا گیا۔

ہورہی ہوں گی میری شادی کی باتیں اورکیا، ہیں نا امی! بولیں نہ آپ اب!! میں نے آپ کو ایک دن آنٹی نرگس سے بات کرتے سنا بھی ہے کہ جب سے بیٹی کی منگنی کی ہے میرے دل پر بوجھ سا ہے...... بوجھ سا ہے، یہ تو پھراچھی علامت نہیں۔آپ کوتو میں ابھی ڈاکٹر کے پاس لیکر جاتی ہوں۔یہ تو کولیسٹرول لیول ہائی ہونے کی علامت ہے۔ہاں یاد آیا اس روز ماموں کے گھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے آپ کا سانس پھول گیا تھا نا اور میری سہیلیاں بھی نوٹ کررہی ہیں کہ تمہاری امی پہلے کی طرح سمارٹ نہیں بلکہ قدرے بھاری ہورہی ہیں اور یہ تو ہیں ہی دل کی حالت خراب کرنے کے سامان...... یہ بات ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ابا حضور اندر تشریف لے آئے اور قدرے پریشان نظر آئے۔ پوچھنے پر بتایا کہ آج تو یہ افسوسناک خبر آئی ہے کہ تمہارے پھوپھا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ چل بسے ہیں۔اناللہ وانا

الیہ راجعون سب نے یک زبان کہا اور لگے اپنی باتوں پر افسوس کرنے اور پھوپھا میاں کی تعریف کرنے کہ وہ تو کوئی خاص بھاری جسم کے بھی نہ تھے، نہ دل کی کوئی بیماری تھی، بس یوں ہی آناً فاناً چل بسے بے چارے۔ نہیں ایسے نہ کہو ابا نے سب کو روک کر کہا تمہیں یاد ہے ان کی خوراک کیا تھی؟ دو پراٹھے وہ بھی مکھن میں تلے ہوئے اور چار انڈوں کا زردی سمیت آملیٹ ضرور ہو، یا نہاری اور پوریاں ان کا ناشتہ تھا اور ساتھ ملائی سے بھرپور چائے کا کپ اور دوپہر کے کھانے میں بھی جو ذرا سی دیر ہوتی تو کہرام مچا ہوتا تھا گھر میں اور فرمائش ہوا کرتی تھی کہ بیگم آج قورمہ میں گھی زیادہ ڈالنا اور پلاؤ بھی خشکہ کی طرح نہ ہو۔ مرغ مسلم کے بغیر بھی کھانا پورا نہ ہوتا تھا۔ دال سبزی تو ذرا نہ جچتی تھی، ناک منہ چڑھا کر کھانا چھوڑ دیا کرتے تھے۔ مٹھائیوں میں لڈو، قلاقند اور گلاب جامن ان کے پسندیدہ تھے۔ زردہ ہر اتوار کو پکواتے اور رات بھی خوب سیر ہو کر مرغن غذائیں کھا کر ہاضمہ کے چورن کھا کر سو رہتے۔ سیر نام کی کوئی چیز ان کے ماحول سے نہ گزری تھی۔ ڈرائیور ہر آن دروازے پر موجود رہتا، جہاں جانا ہوتا ایک آواز لگاتے کہ سارا گھر گونج اٹھتا۔ بس بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوتا ہے انسان کا۔ کبھی کبھار کہنے کہانے سے اگر کبھی سیر کیلئے دوستوں کے ساتھ نکل پڑے تو واپس آنے پر سانس پھولا ہوا اور پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے لگے۔ مزید خاطریں کروانے اور آرام کرنے کو اور بہانہ مل جاتا تھا۔ بس اب تو افسوس ہی افسوس ہے ان کی زندگی پر۔ ہمیں اور تمہیں اس سے سبق سیکھنا چاہئے بلکہ زندہ رہنے کیلئے کھانا چاہئے اور میانہ روی سب سے بہترین چیز ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں بھی اللہ نے یہی فرمایا كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا یعنی کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ اور اس بات کا اعلیٰ نمونہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بتایا جو یہ شکایت لے کر آپ کے پاس آیا کہ دو سال تک وہ مکہ میں دواخانہ کھولے بیٹھا رہا اور

کوئی بیماراس کے پاس نہ آیا۔ وجہ کیا ہے؟ آپؐ کے ارشاد پر جب مسلمانوں نے عمل کیا کہ بھوک لگنے پر کھانا کھاؤ اور ابھی بھوک کچھ باقی ہوتو کھانا چھوڑ دو، کوئی بیمار نہیں ہوتا تھا۔ محنت اور مشقت کرنا بھی سبھی جانتے تھے کہ سنت نبویؐ بھی ہے اور اچھی صحت کی ضمانت بھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو گھر اور باہر کے اکثر کام اپنے ہاتھ سے خود کرتے تھے بلکہ دوسروں کی مدد بھی کرتے تھے۔ ورزش بھی ہوجاتی ہے اور تازہ اور کھلی فضا میں سیر کرنے سے دل کی نالیوں میں چربی بھی نہیں جمتی اور ایک صحت مند دل ہمارا دیر تک ساتھ دیتا ہے۔ شکریہ ابا جان! بہت اچھی باتیں آپ نے ہمیں بتادی ہیں اب ہم محتاط ہوجائیں گے اور اپنے دل اور اس کی پاکیزگی کی حفاظت صحت کے صحیح اصولوں پر چل کر ضرور کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

چند مفید باتیں لکھے دیتی ہوں جو سبھی ڈاکٹرز کے اتفاق رائے سے اکثر ٹی وی اور طبی مشوروں سے لی گئی ہیں:

1۔ Healthy Life Style یعنی صحت مند طرزِ زندگی ہو جس میں خوراک سادہ ہو اور مناسب وقتوں پر کھائی جائے۔

2۔ وزن کا خیال رکھنا چاہیئے جو عمر اور قد کے لحاظ سے مقررہ حد سے تجاوز نہ کر پائے۔

3۔ گھی، تیل اور میٹھی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ البتہ فروٹ، سبزیاں اور سلاد بکثرت کھانا چاہیئے۔

4۔ سگریٹ نوشی سے پرہیز کریں۔

5۔ Stress یعنی ذہنی پریشانی سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور خوش رہیں۔

6۔ اگر صبح کی نماز یعنی سیر روحانی کے بعد کم از کم آدھا گھنٹہ سیر و تفریح کیلئے نکل جایا کریں تو دوہرا فائدہ ہوگا۔ یہ لمبی عمر اور صحت مندی کا راز ہے۔ سیر کے دوران تسبیح و تحمید کو نہ

بھولیں۔

دل کی دونوں حالتوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلانے کی کوشش کی ہے۔ بالآخر ایک نہایت اہم نکتہ بتاتی چلوں کہ دل کی ایک نالیاں وہ ہیں جن میں خون گردش کرتا ہے جو انسانی جسم کیلئے زندگی بخش ہیں۔ ایک وہ نالیاں ہیں جن میں اطاعت کی نہریں بہتی ہیں اور انسان کی روحانیت کا زندگی بخش جام ہیں جسے سمجھانے کیلئے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 9 جون 1998 میں مسجد فضل لنڈن میں فرمایا:

''دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے جو دل کی نالیاں لبریز ہوگئیں تو اس سیلاب کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔''

پس مضمون واضح ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

(یہ مضمون لجنہ ناروے کے رسالہ ''زینب'' میں اپریل 1999 میں شائع ہو چکا ہے۔ وہاں کی صدر صاحبہ لجنہ نے اس مضمون کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مزید لکھنے کی فرمائش کی)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے تعلق

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ ومطہرہ کا ہر پہلو اس شان سے کمال تک پہنچا ہوا ہے کہ اک مختصر سے مضمون میں کسی ایک پہلو پر بھی مکمل طور پر اظہار خیال ممکن نہیں۔

آیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق ومحبت کے چند نظارے دیکھتے ہیں۔ قدرت ثانیہ کے مظہر ثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نور اللہ مرقدہ کی کتاب سیرۃ النبیؐ سے استفادہ کر کے تحریر ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

''میں نے بہت آدمی دیکھے ہیں کہ ذرا سی عبادت کی اور مغرور ہو گئے۔ چند دنوں کی نماز اور عبادتوں کے بعد وہ اپنے آپ کو فرعونِ بے ساماں یا فخرِ اولیاء سمجھنے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ جو عبادات ہم نے کی ہیں گویا خدا تعالیٰ پر احسان کیا ہے۔ اور بہت ہی کم ایسے ہیں جو عبادت کے بعد بھی اپنی حالت پر قائم رہیں اور یہی نیکوں کا گروہ ہے۔ پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نیکوں کے سردار اور نبیوں کے سربراہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہوگا۔''

آپؐ کُل خوبیوں کے جامع اور کُل نیکیوں کے سرچشمہ تھے۔ آپؐ جس قدر خدا تعالیٰ کی بندگی بجالاتے اتنی ہی آپؐ کی آتش شوق تیز ہوتی اور آپؐ بجائے عبادت کر کے خدا تعالیٰ کو اپنا ممنون احسان بنانے کے خود شرمندۂ احسان ہوتے کہ الٰہی اس قدر توفیق عبادت کی ملتی ہے تو تیرے ہی فضل سے ملتی ہے۔ آپؐ کی عبادت ایک دور تسلسل کا رنگ رکھتی ہے۔ کچھ حصہ

وقت جب عبادت میں گزارتے تو خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اس کام کی توفیق دی۔اس احسان کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے۔اس جذبہ ادائیگی کے شکر سے بے اختیار ہوکر کچھ اور عبادت کرتے اور پھر اسے بھی خدا تعالیٰ کا احسان سمجھتے کہ شکر بجالانا بھی ہر ایک کا کام نہیں جب تک خدا تعالیٰ کا احسان نہ ہو۔پھر اور بھی شوق کی جلوہ نمائی ہوتی اور پھر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتے اور یہ راز و نیاز کا سلسلہ ایسا وسیع ہوتا کہ بارہا عبادت کرکے آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔

صحابہ عرض کرتے کہ یارسول اللہ اس قدر عبادت کرنے کی آپکو کیا حاجت ہے۔آپکے گناہ تو معاف ہو چکے ہیں۔اس کا جواب آپ یہی دیتے کہ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کہ پھر کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔اللہ اللہ کیا اخلاص سے بھرا اور کیسی شکر گزاری ظاہر کرنے والا یہ جواب ہے اور کس طرح آپؐ قلب مطہر کے جذبات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس عبادت کے مقابلہ میں اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ آپؐ کس طرح کاموں میں مشغول رہتے اور یہ نہیں کہ رات کے وقت عبادت کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور دن بھر سوتے رہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس تڑپ اور شوق کا پتہ نہ لگتا جو اس صورت میں ہے کہ دن بھر بھی آپؐ خدا تعالیٰ کے نام کی اشاعت اور اطاعت اور فرماں برداری کو رواج دینے کی کوشش میں لگے رہتے۔خود پانچ وقت اوقات میں امام ہوکر نماز پڑھاتے اور وفود سے خود ملاقات کرتے اور اُن کے مطالبات کے جوابات دیتے۔جنگوں کی کمان بھی خود ہی کرتے۔ صحابہؓ کو قرآن کریم کی تعلیم بھی خود ہی دیتے، جج بھی خود تھے، بیت المال کا انتظام، ملک کا انتظام، دین اسلام کا اجراء، بیویوں کے حقوق کا ایفا پھر گھر کے کام کاج میں شریک ہونا یہ سب کام آپؐ دن کے وقت کرتے اور ان کے بجالانے کے بعد بجائے اس کے کہ چور ہوکر بستر پر

جا پڑیں اور سورج نکلنے تک سر نہ اٹھائیں، بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے اور نصف رات کے گزرنے پر اٹھ کر وضو کرتے اور تن تنہا جب چاروں طرف خاموشی اور سنّاٹا چھایا ہوا ہوتا اپنے رب کے حضور میں نہایت عجز و انکسار سے کھڑے ہو جاتے اور اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ یہ عبادت کیوں تھی اور کیا وجہ تھی؟ آپؐ یہ مشقت کیوں کرتے تھے؟ صرف اس لئے کہ آپ ایک شکر گزار بندہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی ابی وامی) کی تمام عمر یہ کوشش رہی کہ جس طرح ہو سکے لوگوں کی زبان پر خدا تعالیٰ کا نام جاری کیا جائے چنانچہ چھینک آنے پر، کھانا شروع کرتے وقت، پھر ختم کرنے کے بعد اور سوتے و جاگتے وقت، نمازوں کے بعد کوئی بڑا کام کرتے وقت، بیت الخلاء جاتے اور آتے وقت، وضو کرتے وقت غرضیکہ اکثر اعمال میں آپنے خدا تعالیٰ کے ذکر کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے اور ہر موقع کی دعا سکھائی ہے جو ہم سب کو پڑھنی چاہئے تا کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے ہماری زبان معطر رہے اور خدا تعالیٰ سے تعلق کا اظہار ہوتا رہے۔

حضور انورؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مرض الموت میں حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دینے کے بعد جب نماز شروع ہوئی تو آپؐ نے نماز میں کچھ خفت محسوس کی۔ پس آپؐ نکلے کہ دو آدمی آپکو سہارا دے کر لے جا رہے تھے۔ شدت درد کی وجہ سے قدم زمین چھوئے ہوئے جاتے تھے لیکن آپؐ نے مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کیسی ہی خطرناک بیماری ہو، خدا تعالیٰ کی یاد کو نہ بھلاتے تھے۔ حالانکہ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ذرا سی تکلیف ہوئی اور سب عبادتیں بھول گئیں۔

لیکن فخر موجودات ہمارے آقا و مولا سیدنا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ حال تھا کہ معمولی بیماری تو الگ رہی اس مرض میں کہ جس میں آپ فوت ہو گئے اور جس کی شدت کا یہ حال تھا کہ آپکو بار بار غش آتے تھے لیکن جب نماز شروع ہو گئی تو آپ برداشت نہ کر سکے کہ آپ خاموش بیٹھے رہیں۔ ذکرِ الٰہی آپ کی غذا تھی اور اس کے بغیر آپ اپنی زندگی میں کوئی لطف نہ پاتے تھے۔ اسی محبت کرنے والی دو چیزوں کے متعلق تو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

"قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" یعنی نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

شریعت کے لحاظ سے آپکا نماز با جماعت پڑھنا یا مسجد میں آنا کوئی ضروری امر نہ تھا۔ کیونکہ بیماری میں شریعت اسلام کسی کو ان شرائط کے پورا کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ لیکن ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی شریعت تھی، یہ محبت کے احکام تھے۔ آپکو ذکر الٰہی سے جو محبت تھی وہ آپکو مجبور کرتی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو۔ آپؐ ہر ایک تکلیف برداشت کر سکتے ہیں کہ لوگ اپنے پیارے رب کو نہ چھوڑیں۔ چنانچہ آپؐ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ دنیاوی بادشاہوں کی اطاعت کے بغیر انسان سکھ نہیں پا سکتا تو پھر اس قادر مطلق کی نافرمانی پر کب سکھ پا سکتا ہے جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے آپکی طبیعت میں جوش پیدا ہو جاتا اور یوں معلوم ہوتا کہ آپکے جسم پر اندر کی طرف سے بھی اور باہر کی طرف سے بھی کلی طور پر خدا کی محبت نے قابو پالیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جب کہ فرش پر کوئی کپڑا نہیں تھا آپؐ نماز پڑھتے اور لوگوں کو پڑھاتے۔ اور آجکل دیکھیں کیا کیا آرام ہیں جو ہمیں میسر ہیں۔ سنٹرل ہیٹڈ ہال، اور نرم قالین نماز پڑھنے کو بچھے ہوتے ہیں۔ اللہ اللہ اور ہمارا آقا فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض اوقات نماز پڑھا رہے ہوتے اور بارش کی وجہ سے چھت ٹپک پڑتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم گارے اور پانی سے

لت پت ہو جاتا۔مگر آپؑ برابر عبادت میں مشغول رہتے اور آپکے دل میں ذرّہ بھر بھی احساس پیدا نہ ہوتا کہ اپنے کپڑوں اور جسم کی حفاظت کی خاطر آپ اس وقت نماز ملتوی کر دیں یا کسی دوسری جگہ جا کر پڑھ لیں۔جبکہ آجکل کے زمانہ میں اکثر نماز جمع کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور بغیر کسی خاص وجہ کے لوگ نماز جمع کر کے پڑھ لیتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باندھا تھا ہم سب اس کو اپنانے کی توفیق پائیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب بہنوں کو اس کی توفیق دے تا کہ ہم سُرخُرو ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں۔آمین۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عورتوں پر احسانات

آج وہ موضوع جس پر لکھنے کیلئے میں نے اپنا قلم اٹھایا ہے وہ ہے ’’حضرت مسیح موعودؑ کے عورتوں پر احسانات‘‘۔ آپ میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو حضرت مسیح موعودؑ کے احسانات کے نیچے دبا ہوا نہ ہوگا۔ ایسا ہی میرے خیال میں آپ میں سے کوئی شخص ایسا بھی نہ ہوگا جو اپنے رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ کو بہتر سے بہتر طریق پر بیان نہ کر سکتا ہو۔ اس لئے میں تو یہی کہوں گی مجھ سے حضرت مسیح موعودؑ کے احسانات بیان نہیں ہو سکیں گے۔ مجھ میں ان کے بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں اور میں اُن کے بیان کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کے کسی خاص قوم، کسی خاص مقام، کسی خاص علاقہ کسی خاص ملک پر ہی احسان نہیں بلکہ مشرق و مغرب پر، شمال و جنوب پر، گورے کالے پر، شاہ گدا پر، غرض کوئی فرد دنیا کا ایسا نہیں ہے جو آپکے احسانوں کے نیچے دبا ہوا نہ ہو۔ پھر ان بے شمار و لاتعداد احسانات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے۔ اس لئے میں تو یہی کہوں گی:

کس طرح تیرا کروں اے ذو المنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

پھر کس احسان کو پہلے لکھوں اور کس کو پیچھے۔ کونسے احسان کو مقدم کروں اور کون سے احسان کو مؤخر۔

چند دن قبل ہی ہماری اس قسم کی ایک محفل میں ہمارے پیارے آقا حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا بکثرت ذکر ہوا اور مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات عورتوں پر کے موضوع پر کچھ لکھنے کو کہا گیا۔حتی المقدور کوشش سے میں نے اُس پیاری ہستی کے احسانوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ احسان بھی کسی طرح کم نہیں کہ ہم عورتوں کے وجود کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا اور پھر ہمارے حقوق کی حفاظت کی۔ اور بحیثیت ایک ماں، ایک بیٹی، ایک بہو اور ایک بہن کے سب کے حقوق الگ الگ بیان فرمائے۔ پھر ایک وقت آیا کہ زمانہ گزر گیا اپنی باتوں کو دہراتے یاد کرتے ہوئے، سو خدا تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا جو قادیان کی گمنام بستی سے ہمارے لئے احمدیت کا پیغام لے کر کھڑے ہوئے۔ اور پھر وہی بات کہ صنف نازک کی بقاء اور حفاظت اور تعلیم و تربیت کا فکر دامنگیر ہوا۔ حضورؑ نے اپنی ساری زندگی عورتوں کی اصلاح میں مختلف مواقع پر مختلف ارشادات فرمائے جو میں اس مختصر وقت میں بیان کرنے کی کوشش کروں گی۔ حضرت مسیح موعودؑ کشتی نوح میں فرماتے ہیں:

''اے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو، آسمان پر تم اسی دن میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور قلب سے ادا کیا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کیلئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی چیز مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔''

فرمایا:

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

''جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ بھی ضائع نہیں ہوگا۔ضرور ہے کہ کئی مرتبہ رنج ومصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔سوخبر دار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔زمین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔جب کبھی بھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا،سوتم اس کومت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔سو ان صورتوں سے دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ہر ایک جو تم میں سے سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت میں سے باہر پھینک دیا جائے گا۔اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔دیکھو میں خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہیں لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے،جو اُس کو چُنتا ہے۔وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے،جو اس کو عزت دیتا ہے وہ بھی

اس کو عزت دیتا ہے۔تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔‘‘

(کشتی نوح)

بزرگان دین کو عام طور پر عورتوں کو ہی اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔دراصل ہم عورتوں کے صنف نازک ہونے کی حیثیت سے جہاں ذمہ داریاں کچھ زیادہ ہیں وہاں روزمرہ زندگی کے تجربہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم عورتوں سے ہی دن رات کئی قسم کے واقعات اور غلطیاں سرزد ہو کر گھر کا ماحول ناخوشگوار ہو جاتا ہے۔اور اسی طرح کئی بدرسموں کے پیچھے معاشرہ میں برائیاں پیدا ہونے کا ڈر تھا۔جبھی تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

’’ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی میں بہت سستی کی جاتی ہے۔بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہیں اور بہت سارا زیور اُن کے پاس ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔بعض عورتیں نماز، روزہ کے ادا کرنے میں بہت سستی سے کام لیتی ہیں، بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں۔بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط رکھ دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے۔بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں۔مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو ورنہ مرنے کے بعد زلت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑو گے اور اس غضب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کی انتہا نہیں۔‘‘

حضرت مسیح موعودؑ پھر فرماتے ہیں:

''ہماری قوم میں ایک یہ بھی بدرسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور کھانا یہ دونوں باتیں عند الشرع حرام ہیں۔ اور آتش بازی چلانا، رنڈی، ڈھوم، ڈھاریوں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہیں۔ ناحق روپیہ ضائع ہوجاتا ہے۔ اور گناہ سر پر چڑھ جاتا ہے۔ سو اس کے علاوہ شرح شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے اور چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دے۔''

تیسری بات ہم عورتوں کی اصلاح کیلئے یہ بیان کی۔ فرمایا:

''ہماری قوم میں یہ بھی ایک بدرسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سراسر تکبر اور نخوت کا طریقہ ہے۔ جو احکام شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ رشتہ ناطہ میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے۔ اور کسی ایسی آفت میں مبتلا تو نہیں جو موجب فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

کتنی عمدہ تعلیم دی ہمیں رشتہ ناطہ کرنے کی۔ یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ کاش ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ پھر آگے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایک یہ بھی بدعادت ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند اپنی کسی مصلحت کیلئے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ عورت اور اس کے اقارب سخت

ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی حکمت کاملہ سے جس میں صدہا مصالح ہیں مردوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے وقت چار تک بیویاں کرلیں۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کوئی نکاح کرتا ہے تو اس کو کیوں برا کہا جاوے۔

پھر فرمایا کہ عورتوں میں ایک خراب عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں ور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی ہیں۔ اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ برا بھلا ان کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک لعنتی ہیں۔ اُن کا نماز، روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ کوئی عورت نیک نہیں ہوسکتی جب تک پوری پوری خاوند کی فرماں برداری نہ کرے اور دلی محبت سے اس کی تعظیم نہ بجا لائے اور پس پشت اس کیلئے خیر خواہ نہ ہو۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مردوں کی تابعدار رہیں ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں اور نیز فرمایا کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کوئی بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور حکم ربانی سن کر بھی باز نہیں آتی تو خدا اور رسول اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چرائیں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچائیں، اور یاد رکھنا چاہئے کہ بجز خاوند اور ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں اُن سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ جو عورتیں نامحرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان ان کے ساتھ ہے۔

عورتوں کیلئے یہ مضمون بھی واضح کرنا ضروری تھا کہ اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے گو وہ

عورت جوان ہی ہو تو دوسرا خاوند کرنا ایسا برا جانتی ہے جیسا کہ کوئی بڑا بھاری گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاکدامن بیوی ہوگئی ہوں حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔عورتوں کیلئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا بہت ثواب کی بات ہے۔ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں بُرے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کرے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ایسی عورتیں جو خدا اور اس کے رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی ہیں جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے۔جس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار ہے اسے چاہئے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرے۔اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صد درجہ بہتر ہے۔

چونکہ عورت کمزور ذات ہے اس کو زیادہ نصائح کی جاتی ہیں۔خوشی کے موقع کیلئے بھی فرمادیا اور اب کچھ باتیں رنج وغم کے موقع کے لئے بھی بتادیں۔فرمایا:

''ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا، بے صبری کے کلمات زبان پر لانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کو کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں غیروں سے لی گئیں ہیں۔جاہل لوگوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور غیروں کی رسمیں اختیار کر لیں۔کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں ...... قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں یعنی ہم خدا تعالیٰ کا مال ہیں اور مِلک ہیں اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی حضرت مسیح موعودؑ پر اپنی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے آ کر ہمیں ایسی عمدہ تعلیم دی کہ ہم سبھی گھروں کو جنت بنا لیں اور خدا کے حضور سرخرو ہو کر حاضر ہو سکیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں حضور کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔



خلافت کی برکات

خلافت ایسی نعمت ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ خود اپنی مقدس کتاب قرآن پاک کی سورۃ النور میں فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (سورۃ النور-56)

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور جو دین اس نے اُن کیلئے پسند کیا ہے وہ اُن کیلئے مضبوطی سے قائم کردے گا۔ اور ان کے خوف کی حالت کے بعد ان کیلئے وہ امن کی حالت تبدیل کردے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو لوگ اس کے بعد انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دئے جائیں گے۔

سورۃ نور کی اس آیت میں جو آیت استخلاف کے نام سے معروف ہے چار بنیادی انعامات اور اثمار شیریں کا ذکر ہوا ہے:

اوّل : خلافت کے ذریعہ تمکنت فی الدین کا عطا ہونا۔

دوم : خوف کی حالت کا امن میں بدل جانا۔

سوم : عبادات کا قیام

چہارم : شرک سے اجتناب

اس آیت میں جس پہلے انعام کا ذکر ہوا ہے وہ خلافت کے ذریعہ تمکنت فی الدین کا حاصل ہونا ہے ۔یعنی نبوت کے درخشاں اور تاباں دور کے اختتام پر اللہ تعالیٰ خلافت کا بابرکت نظام قائم کر کے دین کے غلبہ اور تمکنت کے سامان پیدا کرتا ہے۔اور نبی کی وفات سے جو ایک زلزلہ پیدا ہوتا ہے اور مومنین پر سخت گھبراہٹ اور خوف کی حالت طاری ہوجاتی ہے اور معاند یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شجرِ نبوت کو اب اکھیڑ دیا جائے گا۔ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ خلافت کو قائم کر کے دین کو اس کے ذریعہ تمکنت اور شوکت بخش دیتا ہے۔اور خلافت حقہ کے سامنے بڑی بڑی طاقتوں کو جو اس کے خلاف کھڑی ہوتی ہیں جھکا دیتا ہے۔اور انہیں خلافت کے مقابل پر نیست و نابود کر دیتا ہے۔اور مومنین کے دلوں پر سکینت کا نزول ایسے رنگ میں ہوجاتا ہے کہ ان کے دلوں سے دشمن کی ہیبت اور خوف کلیۃً عنقا ہوجاتا ہے بلکہ دشمنوں پر مومنین کا رعب طاری ہوجاتا ہے۔

خلافت ایسی حقیقت ہے جو اقوام عالم کو مساوات اور جمہوریت کی فلسفیانہ بحثوں سے نکال کر انتخاب کے میدان میں لا کھڑا کرتی ہے۔اور پھر تائیدِ الٰہی اور نصرت خداوندی منتخب فرد کو اپنے حصار میں لے کر خلیفۃ اللہ اور ہر صاحب ایمان کا محبوب آقا اور مطاع بنا دیتی ہے۔اور خلافت الہام الٰہی ،نور یزدانی اور خداداد بصیرت سے ایمانِ متبعین کو جلا بخشتی ،اس آبشار کی طرح جو بلندیوں سے اتر کر کشتِ ویران کو زندگی کا پیغام دیتی ہے:

خلافت روشنی صبح ازل کی
عروج آدمِ خاکی کی جھلکی
مقام اُس کا ہے مضمر اُسْجُدُوْا میں
حکومت یہ خدائے لم یزل کی

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اُمت مسلمہ پر خوف کے عجیب وغریب حالات پیدا ہوئے اور مومنوں کا ہر خوف خلافت سے وابستگی کے سبب دور ہوتا چلا گیا۔ ان کے بیسیوں واقعات کے علاوہ تاریخ اسلام میں ایک حیرت انگیز واقعہ بھی رونما ہوا کہ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا کرب ناک واقعہ رونما ہوا تو امت مسلمہ لرز گئی۔ مگر خدا تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلافت عطا کی تو امت کی ڈھارس بندھی۔ لیکن ابھی آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے ہی تھے کہ اور منافقین کا فتنہ دبتا ہوا نظر آیا ہی تھا کہ خوف کی ایک اور آندھی امیر معاویہ کی صورت میں اٹھی۔ ایک خوف دور ہوا تو دوسرے میں تلوار کی جھنکار سنائی دینے لگی۔ اور حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا کا مطالبہ سنجیدگی کے ساتھ وحشت اختیار کرنے لگا تو خدا تعالیٰ کی تقدیر خلافت کے ذریعہ اس خوف کو دور کرنے کیلئے عجیب طور پر جاری ہوئی کہ امت مسلمہ کیلئے ایک اور خوف کی صورت پیدا کر دی گئی۔ وہ یہ کہ روم کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں میں خوف وہراس اور انتشار دیکھ کر اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کیلئے تلواروں کو آب دینی شروع کر دی۔ مگر وہی معاویہ جو حضرت علیؓ کی مخالفت میں انتہا کو پہنچ رہے تھے۔ ایک دم رُخ بدل کر روم کے بادشاہ سے مخاطب ہوئے اور کہلا بھیجا کہ یہ نہ سمجھنا کہ مسلمانوں میں اختلاف ہے اور تم اپنی ہوشیاریوں کو ان پر آزمانے لگو۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے اسلامی مملکت پر حملہ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو حضرت علیؓ کی طرف سے تمہارے مقابلے کیلئے نکلے گا وہ

میں ہوں گا۔ چنانچہ رومی بادشاہ امیر معاویہ کی اس تنبیہ سے خوف زدہ ہو گیا اور اپنے ارادوں سے باز آ گیا۔ اور اس طرح وہ شدید خوف امن میں بدل گیا۔

یہ خلافت کا ہی عظیم مقام تھا کہ امیر معاویہ جیسا شخص بھی حضرت علیؓ خلیفۂ وقت پر قربان ہونے کیلئے تیار ہو گیا۔ اسی طرح اس موجودہ زمانہ میں ہم نے خلافت کے ذریعہ خوف کو ایسے حیرت انگیز طور پر امن میں بدلتے ہوئے دیکھا ہے کہ عقل دنگ رہ گئی ہے۔ تاریخ احمدیت اس کی شاہد ناطق ہے کہ جب بھی جماعت کو خوف و حراس میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی خلافت کی برکتوں سے ہر طوفان صورتِ گرد بیٹھ گیا۔ اور اس ابتلا میں جماعت غیر معمولی ترقیات کے مدارج طے کرنے لگی۔ مخالفت کی آگ نے نہ صرف احمدیوں کے مکانوں، دوکانوں اور جائیدادوں کو جلایا بلکہ رشتہ ہائے ایمانی بھی بھسم کر دیئے۔ ہر انسانیت سوز حربہ اور ہر خوفناک چال جماعت کو مٹانے کیلئے چلی گئی اور دوسری طرف یہ نظارہ بھی دیکھا گیا کہ وہ بیٹے جن کے باپ ان کی نظروں کے سامنے شہید کر دیئے گئے تھے اور وہ باپ جن کے بیٹوں کو ان کے روبرو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔ جن کی متاع حیات بظاہر ناامیدی کے دھوؤں میں تبدیل ہوتی نظر آتی تھی وہ جب خلیفہ وقت سے ملے تو آنکھوں میں سکون اور اطمینان کے تائثرات ابھرنے لگے اور بشاشت سے چہرہ کھل گیا، خوف کی پرچھائیاں قرار کے رنگوں میں بدل گئیں۔ زبان تشکر کے نغمے گانے لگ گئی۔ کہ سب کچھ لٹ گیا اور متاعِ ایمان محفوظ رہی۔ کیونکہ یہی وہ سرمایہ ہستی ہے کہ ہر عزیز سے عزیز ترین چیز بھی اس پر قربان کی جا سکتی ہے۔

خلافت مومنوں کیلئے روحانیت کا ایک عظیم منبع اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے ایک پہاڑ ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ خلافت احمدیہ کے ذریعہ دین کو قوت نصیب ہوئی ہے۔ اور خلافت کو ماننے والے دن بدن بڑھتے چلے گئے۔ اور شجر خلافت ان کی آنکھوں کے سامنے

ایک تناور اور سایہ دار درخت بن گیا۔ جس کے فرحت بخش سایہ تلے کروڑوں کو چین اطمینان نصیب ہو رہا ہے۔

ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ہر رنگ، نسل اور قوم کے لوگ فوج درفوج خلافت کی برکتوں کے ذریعہ احمدیت قبول کر رہے ہیں اور یہ بھی خلافت کے پھلوں میں سے ایک نہایت ہی شیریں پھل ہے جو احمدیہ مسلم ٹیلی ویژن انٹرنیشنل کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عطا کیا ہے اور کس شان کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کا مشن پورا ہو رہا ہے۔ ساری دنیا اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح کا نہ صرف نظارہ کر رہی ہے بلکہ انسانیت کے دل لمحہ بہ لمحہ احمدیت کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ ابھی صرف چند سالوں کی بات ہے کہ پاکستان میں ایک آمر پیدا ہوا اور فرعونِ موسیٰ کی طرح یہ اعلان کیا کہ وہ احمدیت کو نعوذ باللہ نیست و نابود کر دے گا، اس کو زعم اور گھمنڈ تھا اپنی حکومت اور آمریت کا، اپنی مطلق العنانی کا اور فرعونیت کا، اپنے جاہ وجلال کا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ''ہم چو ما دیگرے نیست'' اُس نے اپنے گھناؤنے عزائم پر پردہ ڈالنے کیلئے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اُس کے حکم سے احمدیوں پر وہ سب مظالم ڈھائے گئے، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ ان خوف، پریشانی اور گھبراہٹ کے ایام میں خدا کا شیر اس کا قائم کردہ خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد میدان میں آیا اور باوجود بظاہر بے سروسامانی کے اور دنیوی طاقت و دبدبہ نہ ہونے کے اس فرعون کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ:

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا
ساتھ میرے ہے تائید رب الوریٰ
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغ دعا
آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی

اور پھر دنیا نے دیکھ ہی لیا اور ہم اس کے گواہ ہیں کہ عین اس پیشگوئی کے مطابق اس آمر اور فرعون وقت کے جسم کے پرخچے اُڑ گئے۔ اور اس کا انجام لیکھرام کی طرح ہوا اور اس کے منصوبوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم کو آگ کی سزا دیکر گویا اسی دنیا میں ہی واصل جہنم کر دیا اور اس اعلان کا دوسرا حصہ بھی بڑی شان سے پورا ہوا کہ اس کے قاتلوں کا بھی لیکھرام کے قاتلوں کی طرح کوئی سراغ نہ مل سکا۔ تمکنت دین کی اس سے واضح اور بیّن مثال کوئی پیش تو کرے ...... کیسی روشن مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت کے پروانوں کے خوف کو امن میں بدل دیتا ہے۔ اور خلافت کی برکت سے وہ ایک ابدی امن کی حالت میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

احمدیت کے خلاف اس عظیم فتنہ کے پردہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایک اور عظیم الشان نشان ہم نے دیکھا یعنی اس سانحہ کے نتیجہ میں خلیفہ وقت کی انگلستان ہجرت کے ساتھ احمدیت کی ترقی اور خلافت کے استحکام کا ایک ایسا دور شروع ہوا ہے کہ اس کی مثال پہلے نظر نہیں آتی۔ دنیا جہان میں احمدیہ جماعت نے ہر لحاظ سے جو ترقی کی ہے اس کی چند جھلکیاں میں بیان کر چکی ہوں لیکن ہر احمدی کے دل اور ذہن میں خلافت کے ساتھ محبت اور عشق کا ایسا ولولہ پیدا ہوا ہے کہ جو قیامت تک آنے والی نسلوں کی آبیاری کرتا رہے گا۔ پھر یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے خلیفہ وقت کو جماعت اور اسلام کیلئے ایک ایسی مضبوط ڈھال بنایا ہے جو وقت آنے پر ایک تیز تلوار میں بدل جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ایمان کی تازگی اور پختگی کیلئے خلیفہ وقت کے ذریعہ دشمنانِ احمدیت کو مباہلہ کا چیلنج دلوایا اُس نے دشمنانِ احمدیت کی صفوں میں وہ بھگدڑ مچا دی اور اب انکا عبرت ناک انجام ہماری نظروں کے سامنے ہے پس یہ ایمان افروز واقعات خلافت کے ساتھ عشق اور وفا کی ایسی شمعیں روشن کرتے جا رہے ہیں جو ہمیشہ کیلئے ہمارے لئے

اور ہماری اولادوں کیلئے دل گرمانے والی اور رہنمائی کرنے والی ثابت ہورہی ہیں۔

پس خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ خلافت کی برکتوں سے ہی دین اسلام ترقی، شان وشوکت اور غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نظام یا طریقہ کار نہیں جو اسلام کیلئے ترقی کا موجب بن سکے۔ خلافت کی برکات کے واقعات ہم سب نے اپنی زندگیوں میں اس کثرت سے دیکھے ہیں کہ اب سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی عظیم طاقتیں اور حکومتیں مل کر یا الگ الگ جتنا چاہیں زور لگالیں اور جماعت کے خلاف منصوبے اور سازشیں تیار کریں اور جتنا چاہیں مظالم ڈھائیں خدا کا مقرر کردہ خلیفہ اور اسد اللہ انہیں پکار کر یہ اعلان کررہا ہوتا ہے کہ ....

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار ونزار

اللہ کرے کہ ہم شجر خلافت کے شیریں اثمار کے خوشہ چیں بنتے رہیں اور شجر خلافت احمدیہ کی آبیاری کیلئے اپنے جان و مال کا نذرانہ پیش کرتے چلے جائیں تا یہ درخت سدا پھلتا پھولتا رہے۔ یہاں تک کہ ساری دنیا اس کے سرسبز اور پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی شاخوں سے بسیرا کرکے امن وسکون حاصل کرسکے۔

اللہ ہمیشہ ہی خلافت رہے قائم
احمد کی جماعت میں یہ نعمت رہے قائم
ہر دور میں یہ نور نبوت رہے قائم
یہ فضل تیرا تا قیامت رہے قائم

○○

ایک خط کی قیمت

خط تو آ گیا ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں سے آیا ہے اور کس کا ہے۔ ڈاکئے نے بڑی اماں کو آواز دے کر دروازے کی دہلیز سے اندر کر دیا ہے۔ اب بڑی اماں ہیں کہ لمبی چوڑی چادر سنبھالنے لگی ہیں اور گول ٹوپی والا سفید برقعہ پہننے کے بعد پان کی گلوری بھی منہ میں رکھ لی کہ نہ معلوم دوسرے محلے جانا کتنی دیر لگ جائے۔ فضل دین کے بیٹے کو زمینوں سے بلوانا ہے جو آ کر یہ خط پڑھے گا اور بتائے گا کہ کس کا ہے اور اس میں کیا لکھا ہے.......... کیونکہ ہمیشہ یہ ہوا کرتا ہے کہ جب بھی کوئی خط پڑھانے مَیں گئی ہوں رات کا کھانا کھا کر ہی لوٹتی ہوں۔ چلو چلتے چلتے ایک سویٹر بھی اور شال بھی رکھ لیتی ہوں اپنے تھیلے میں۔

یہ تھا بڑی اماں کا سفر جو خط سننے کیلئے دو تین مہینوں کے بعد ایسے ہی ہوا کرتا تھا۔ آج جو نکلیں تھوڑی دور جانے پر ہی فضل دین کا بیٹا ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ سلام علیک کے بعد پوچھا بڑی اماں آج اس وقت کدھر چلیں۔ رات ہونے کو ہے اور بارش کا بھی امکان نظر آ رہا ہے۔ کہنے لگیں کہ تمہیں کیا پتہ کہ اس خط کی کیا قیمت ہے میرے نزدیک۔ اس وقت نہ تو مجھے اندھیرے کی پرواہ ہے اور نہ ہی بارش کا ڈر ہے۔ مگر یہ ضرور فکر ہے کہ اس خط کو کسی سے پڑھوا کر سُن لوں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ عمر دین جھٹ بولا بڑی اماں میں ہی تو ہمیشہ آپ کے خط پڑھا کرتا ہوں۔ لائیے ادھر ہی کھڑا کھڑا پڑھ کر سنا دوں آپ کو۔ بڑی اماں نے جھٹ برقعے کی تہوں میں لپٹا لفافہ نکال کر رستے ہی میں کھڑی ہو گئیں۔ لو بیٹا یہ تو خدا نے میرے لئے

آسانی کر دی کہ تمہیں خود ہی میرے پاس بھیج دیا۔عمر دین نے لفافہ کھول کر جو پڑھنا شروع کیا اور دل ہی دل میں سوچتا جاتا کہ اس بڑی اماں کو کیا بتاؤں کہ اس کاغذ کے پرزہ میں کیا لکھا ہے۔ارے عمر دین بولو بھی تو سہی کیا چپ چاپ خط کو پڑھتے جا رہے ہو میں بھی جانوں کہ لکھا کیا ہے اور کس نے لکھا ہے۔اس زوردار آواز پر عمر دین بھی بوکھلا گیا اور بولا جی میں ذرا پڑھ لوں پھر آپکو بتاتا ہوں ارے ایسی کونسی بات ہے جو تم مجھے بتاتے کیوں نہیں۔بڑی اماں بات کافی لمبی ہے اور آپکو تفصیل سے سمجھاتا ہوں۔ چلئے گھر چل کر سناتا ہوں بڑی اماں تو گویا پاؤں نہیں ہوا سے باتیں کرتی ہوئی گھر لے آئیں عمر دین کو چلو اب بولو جلدی بھی بولو کیا سمجھانا ہے اس بوڑھی کو۔عمر دین بولا بڑی اماں بات کوئی خاص ہے بھی اور نہیں بھی ہے یہ کہ آپ نے کیا کبھی اپنے بیٹے کو کسی سے خط لکھوا کر بھیجا ہے ہاں تو کیا ہوا خط تو بھجوایا ہے مگر میں نے ایسے تو کچھ نہیں لکھا کہ تم اتنی دیر لگا رہے ہو مجھے بتانے میں جلدی پڑھو وگرنہ میں کسی اور سے پڑھوانے لے جاتی ہوں۔نہیں بڑی اماں ایسی تو کوئی بات نہیں دراصل آپ کا بیٹا آپکا خط پا کر اس قدر خوش ہوا ہے کہ لکھا ہے کہ:

”مجھے آج اتنی خوشی ملی ہے آپ کا خط پا کر جتنی شاید کبھی دنیا کی کسی اور چیز کو پا کر نہ ملی ہو۔میری اماں آپ نے کتنی تکلیف اٹھائی ہو گی کسی کے پاس جانے میں اور پھر اپنے دل سے ہر بات کو کہا ہو گا کہ میرے بیٹے میں تم سے بہت خوش ہوں تم جُگ جُگ جیو۔سدا خوش رہو۔اور بیٹا مجھے اتنی بڑی بڑی رقموں کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی تم مجھے ہر ماہ بھجواتے ہو۔میں تو اکیلی جان ہوں کیا خرچ ہو گا میرا؟ یہی ناعزیزوں، رشتہ داروں اور تعلق داروں کی خوشی اور غم میں شامل ہونے پر خرچ کر دیا زکوۃ دیتی ہوں، چندہ دیتی ہوں۔ایک عدد مسجد بھی اس محلہ میں تمہارے نام کی بنوادی ہے۔یتیم خانہ میں ہر ماہ بھجواتی ہوں بس یوں کہو کہ بیٹا میں تم سے

بہت خوش ہوں۔ میری پیاری اماں، میری جان میری اماں ہر روز ڈاک میں خط تو بے شمار آتے ہیں مگر جو خوشی مجھے آپ کے اس ایک خط سے ملی ہے وہ اتنی زیادہ ہے اور پرسکون ہے کہ میں آپ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا اور ہاں جس نے یہ خط آپ کے لئے لکھا اور پھر آپ نے Stamp بھی خریدے اور لگا کر میرا پتہ بھی لکھوایا ہوگا میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس خط کی قیمت ادا کرنے کیلئے یعنی اس خوشی میں مَیں کل ملنے آپ کے پاس آرہا ہوں اور آپ کے لئے مزید چھ جوڑے نئے سلوا کر اور گرم کپڑوں اور کوٹ کے علاوہ اب اپنی اماں کے لئے ننھی تہمینہ کو ساتھ لا رہا ہوں تا کہ اس کا داخلہ آپ کے پاس والے سکول میں کروادوں اور وہ آپ کے پاس رہ کر آپ کے اکیلے پن کے احساس کو بھی دور کر دے اچھا میری اماں کوئی اور چیز چاہیئے ہو تو آ کر لے دوں گا آپ کا خدا خود حافظ و ناصر ہو مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھا کریں۔ والسلام

آپ کا اکلوتا بیٹا......''

یہ خط سننا تھا کہ بڑی اماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ پڑیں اور کہنے لگیں میرے بیٹے یہ تو ایک خط ہی تھا کوئی ایسی بات تو نہ لکھی تھی مگر میں صدقے جاؤں تمہارے، قربان جاؤں تمہارے، میرے بیٹے جو تم اس پیار بھرے خط کی قیمت اس قدر بھاری اٹھا رہے ہو اللہ تمہیں اس کی بہترین جزا دے اور ہمیشہ خوش رکھے اور دین و دنیا کی برکات سے نوازے اور تمہاری اماں کی ساری دعائیں تمہیں لگیں۔ آمین۔

دیکھا ایک خط کی قیمت کس قدر وزن رکھتی ہے۔ خلوصِ دل سے لکھے ہوئے ہر خط کی قیمت کچھ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ فون فیکس اور ای میل چھوڑ کر خط لکھئے گا۔ اگر چہ آج کل کے حالات میں خط لکھنا ایک مشکل امر بن گیا ہے وہ اس طرح کہ گھر کے کام کرنے والی نہ آئے تو

سارا دن بے چاری ماں کا وقت گھر کی صفائی کھانا پکانا اور بچوں کی فون کالز سننے اور باتیں کرنے میں پھر میاں کے گھر آنے کا انتظار کرنے اور کھانا کھلانے میں گزر جاتا ہے کبھی کبھار شاپنگ بھی ......خود جا کر لانا پڑتی ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر کبھی صحت ہی اجازت نہیں دیتی کہ بیٹھ کر گھنٹہ بھر پین اور کاغذ لے کر خط کے لئے الفاظ اور ماحول کو محفوظ کریں کبھی کوئی ملنے آ گیا اور کبھی کہیں جانا ہوتا ہے زندگی گویا ایک مصروف ترین بن کر رہ گئی ہے اور سچ مانئے تو خط لکھنا اب کچھ پرانا انداز بھی سمجھا جانے لگا ہے کوئی سمجھتا ہے کہ فون کا بل کم کرنے کیلئے خط لکھ کر Stamp پر خرچ کرلیا ہے یا اس کو فرصت ہوگی جو خط لکھ سکتا ہے بھئی ہمیں تو فون بھی ریسیو کرنے کی فرصت نہیں ہوتی ایسی باتیں بھی لوگ کرتے ہیں مگر یہ کہنا بجا ہوگا کہ اگر آپ کو کسی کی طرف سے بہت پیار اور محبت بھرا، دعاؤں بھرا خط ملے تو کس قدر خوشی ہوتی ہے یہ آپ خود کسی کو ایسا خط لکھ کر دیکھئے پھر پتہ چلے گا!



حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حمیدہ

مصلح موعودؓ گو ہم میں نہیں موجود یاں
ہیں مگر احسان ان کے سب کے سب خاطر نشاں

آج کے اس مضمون میں مَیں کوشش کروں گی کہ حضرت مصلح موعودؓ کے اوصافِ حمیدہ اور چند کارنامے بیان کرسکوں۔

تاریخ عالم پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے خدا تعالیٰ اپنی قدرت کے نشانات وقتاً فوقتاً دکھاتا ہے جو پورے ہوکر بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کا موجب بنتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روشن نشانوں کے ساتھ مبعوث فرمایا جن میں سے ایک عظیم الشان نشان ''مصلح موعودؓ'' کا ظہور تھا یہ نشان حضرت مصلح موعود کے وجود باجود میں پورا ہوا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ کو ایک پاک سیرت بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی۔ 1886ء کے شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کے منشاء اور ارادہ کے ماتحت ہوشیارپور تشریف لے گئے وہاں پر ایک علیحدہ مکان میں چالیس روز تک چلہ کشی کی اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے خصوصیت کے ساتھ دعاؤں میں مشغول رہے۔ ان دعاؤں اور عبادتوں کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے جو عظیم الشان بیٹے کی بشارت دی تھی کہ آپ کو آئندہ 9 برس کے اندر ایک ایسا بیٹا عطا ہوگا جس کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوگی اور وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے

گا اوراس کی آمد کو اس قدر بابرکت قرار دیا کہ كَأَنَ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ تک کہہ دیا اور آخر میں كَانَ اَمراً مَقْضِيّاً کہہ کر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ یہ سب کچھ تو ہو کر رہے گا۔ ادھر ابوالحکم اور ابوجہل کہلانے والوں کی بھی اس دنیا میں کوئی کمی نہیں۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سبھی نے اس پیش خبری کا خوب خوب مذاق اڑایا نت نئے روز بے پر کی اڑائیں مگر وہ طفلِ حسین نوشتۂ دیوار اپنی مقررہ مدت کے اندر پیدا ہو کر رہا۔ اس عظیم پیشگوئی کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ 12 جنوری 1889 کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات قادیان دارالامان میں پیدا ہوئے۔

تیرے ساتھ فضل خدا آگیا
تھی رحمت خدا کی ولادت تیری

اور پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق کہ وہ جلد جلد بڑھے گا آپ نے بچپن ہی سے ایسی روحانی منازل طے کرنی شروع کیں کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ بچپن میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے جبھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے اساتذہ کو کہہ رکھا تھا کہ:

''محمود کی صحت اچھی نہیں ہے۔ جتنا یہ شوق سے پڑھے پڑھنے دو، زیادہ زور نہ دو۔''

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی بہت نیک سیرت اور اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ لئے ہوئے تھے جو آپ کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ نمایاں ہوگئے۔ حضرت مفتی محمد صادق مرحومؓ جو آپ کے بچپن کے استاد تھے اپنے تأثرات کا اظہار کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ حضورؓ کی عادت حیاء، شرافت اور صداقت اور دین کی طرف متوجہ ہونے کی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دینی کاموں میں بچپن سے ہی ان کو شوق تھا۔ نمازوں میں اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مسجد جاتے اور خطبہ سنتے۔ ایک دفعہ

مجھے یاد ہے جب آپکی عمر دس سال کے قریب ہوگی آپ مسجد اقصیٰ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نماز میں کھڑے تھے اور پھر سجدہ میں رو رہے تھے۔ بچپن سے ہی آپ کو فطرتاً اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ خاص تعلق محبت تھا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ سنئے۔ محترم شیخ غلام احمد صاحب واعظ لکھتے ہیں ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج کی رات مسجد مبارک میں گزاروں گا اور تنہائی میں اپنے مولیٰ سے جو چاہوں گا مانگوں گا مگر جب میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے دعا کر رہا ہے اس کے اس الحاح کی وجہ سے میں نماز بھی نہ پڑھ سکا اور اس شخص کی دعا کا اثر مجھ پر بھی طاری ہو گیا اور میں بھی دعا میں شامل ہو گیا اور میں نے دعا کی کہ یا الٰہی! یہ شخص تیرے حضور سے جو کچھ بھی مانگ رہا ہے وہ اس کو دے دے اور میں کھڑا کھڑا تھک گیا کہ یہ شخص سر اٹھائے تو معلوم کروں کہ کون ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے تھے مگر جب آپ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ میں نے ''السلام علیکم'' کہا اور مصافحہ کیا اور پوچھا میاں! آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہی مانگا ہے کہ الٰہی! مجھے میری آنکھوں سے اسلام کو زندہ کر کے دکھا اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔

اللہ اللہ! کیا جذبہ اور کیسا اعلیٰ شوقِ عبادت تھا جو بچپن سے ہی حضرت مصلح موعودؓ کی طبیعت میں ودیعت کر گیا تھا ہمارے بچوں کو بھی اسی طرح بچپن سے ہی خدا تعالیٰ سے پیار کرنا چاہئے اور خدا سے مانگنے کی عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ دعا کی عادت ساری عمر کے لئے ایک قیمتی خزانہ ہوتا ہے یعنی امرت ہوتا ہے جب مانگا مل گیا۔

کر نہیں سکتا کوئی انکار عالم ہے گواہ
جو کہا تھا اس نے آخر کر دکھایا بالیقیں

جب خدا تعالیٰ نے آپ کو ماموریت پر فائز فرمایا تو بعض لوگوں نے سازش کی اور کہا کہ ایک بچے کو آگے کر کے جماعت کو تباہ کیا جا رہا ہے لیکن آپ نے بڑی اولوالعزمی سے جماعت کو استحکام بخشا، اس وقت صدر انجمن کے خزانہ میں چند آنے تھے اور منکرین شیرازہ بکھرنے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ آپ کی شاندار قیادت میں جماعت نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی اور آپ کی رہنمائی میں جماعت نے تنظیم اور قربانی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

وہ جو کہتے تھے شیرازہ بکھر جائے گا
آئیں ذرا آنکھوں سے دیکھیں نظامِ محمود

آپ یہ عزم لے کر کھڑے ہوئے کہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں گے آپ نے اعلان فرمایا:

”دنیا کی بڑی بڑی مالدار طاقتیں اور قومیں مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کیلئے متحد ہو جائیں پھر بھی میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلے میں ناکام ہوں گی۔“

چنانچہ احمدیت کا وہ نازک پودا جس کی حفاظت اور آبیاری کا کام خدا نے آپ کے سپرد کیا آپ کی شبانہ روز کوششوں سے نامساعد حالات کے باوجود آج تناور درخت بن چکا ہے اور دنیا کے قریباً دو صد ممالک میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت قائم ہو چکی ہے۔

1914ء میں آپ جماعت کے امام منتخب ہوئے اور آپ کی اصلاحات کا دَور شروع ہوا۔

آپ نے جتنے احسانات دوستوں، دشمنوں، مردوں، عورتوں اور ملک پر کئے ہیں یہ ایک لمبی داستان ہے آپ کا لمحہ لمحہ ملک کی بہتری، جماعت کی ترقی میں گزرا۔ بحیثیت ایک عورت کے میں اس وقت ہم عورتوں پر کئے جانے والے احسانات کا ذکر ضرور کرنا چاہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جو صفات آپ کی پیدائش سے بھی پہلے بتائی تھیں ان میں سے ایک تھی کہ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اسیر ظاہر طور پر بھی ہوتے ہیں اور ذہنی طور پر بھی اُس زمانہ میں عورت بھی اسیر کا درجہ رکھتی تھی وہ آزادی جو مسلمان عورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی ہندوؤں کے ساتھ رہ کر وہ ختم ہو چکی تھی، تعلیم بے حد کم تھی، ملک اور قوم کی خدمت کا تصور بھی نہ تھا۔ حضرت سیدہ چھوٹی آپا جان لکھتی ہیں کہ حضرت مصلح موعودؓ نے خلیفہ بنتے ہی لڑکیوں کی تعلیم پر بہت زور دیا، ان کے لئے کالج جاری کیا۔ احمدی جماعت میں تعلیم دینے والی استانیوں کی کمی تھی آپ نے مدرسۃ الخواتین جاری فرمایا جس میں آپ بنفس نفیس تعلیم دیتے رہے تاکہ چند سال کی تعلیم کے بعد وہی خواتین سکول میں بچوں کو تعلیم دے سکیں۔ پہلے پرائمری سکول تھا پھر مڈل ہوا پھر اسے ہائی سکول کا درجہ دے دیا گیا اور جب ہائی سکول سے معقول تعداد بچیوں کی تعلیم پا کر فارغ ہونے لگی تو کالج جاری کیا گیا۔ دنیاوی تعلیم کے پہلو بہ پہلو دینیات کا کالج بھی جاری کیا گیا جس میں چھ سال پڑھ کر لڑکیاں خوب اچھی طرح دینی تعلیم سے واقف ہو جاتی تھیں۔ تعلیم کے علاوہ آپ نے خطبات اور تقاریر کے ذریعہ سے ان کے دلوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا کیا۔ یہ بتاتے ہوئے کہ قومی ذمہ داریاں جس طرح مردوں پر عائد ہوتی ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی اس مقصد کے لئے 1922 میں آپ نے لجنہ اماء اللہ قائم کی تا ایک تنظیم سے منسلک ہو کر وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ شروع میں اس تنظیم کا ممبر بننا عورتوں کی اپنی مرضی پر تھا لیکن 1936 میں آپ نے سب مستورات کیلئے لجنہ اماء اللہ کا ممبر بننا

لازمی قرار دے دیا۔حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں احمدی خواتین ترقی کرتی چلی گئیں قوم کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ان کے لئے کئی چندے لگائے مثلاً مسجد فضل لندن اور مسجد دارالذکر ہالینڈ ہم سب عورتوں کے چندوں سے ہی بنی ہیں۔آہستہ آہستہ وہ عورتیں جو کبھی اپنی ضروریات پر دینی ضروریات کو مقدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں انہوں نے بیش قیمت زیورات حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

عورتوں کی بڑھتی ہوئی تعلیم اور شوق کو دیکھ کر حضورؓ نے مصباح جاری فرمایا۔شروع میں اس کی ادارت مردوں کے ہاتھوں میں رہی عورتیں لکھ کر بھجوا دیا کرتی تھیں لیکن 1947 سے کلی طور پر عورتوں نے اس کو بھی سنبھال لیا اور اس کی سب سے پہلی مدیرہ عاجزہ کی بہن امۃ اللہ خورشید مرحومہ مقرر ہوئیں جنہوں نے ان تھک محنت کر کے اس رسالہ کے علمی معیار کو بڑھانے کی کوشش کی۔حضورؓ ان کی ادارت سے بہت خوش تھے اچھی آپا کی عمر نے وفا نہ کی محترمہ آپا اچھی کی وفات کے بعد امۃ الرشید شوکت صاحبہ اس کی مدیرہ مقرر ہوئیں۔یہ ہم احمدی عورتوں کا رسالہ ہے جو حضورؓ نے خود جاری فرمایا اور آج تک بہت عمدگی سے چل رہا ہے ہمیں اس کے لئے خاص کوشش کر کے اس کے معیار کو بڑھانا چاہیئے یہ حضرت مصلح موعودؓ کی ایک یادگار ہے۔الغرض حضورؓ کا ماٹو حضورؓ کی شاعری میں ہی لکھا ہے یعنی:

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سُستیاں ترک کرو طالبِ آرام نہ ہو
خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

ہمیں اس کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ہم عورتوں کی اصلاح

اور تربیت کے لئے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں ان کی چند مثالیں مختلف تحریرات اور تقاریر سے ملتی ہیں جو میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے کمال شفقت اور محبت سے ہم عورتوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے مختلف طریقوں سے نصائح فرمائیں۔ ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا:

''اگر پچاس فیصد عورتوں کی اصلاح ہو جائے تو ساری جماعت کی اصلاح ہو جائے۔''

ایک اور مرتبہ آپؓ نے فرمایا:

''اپنی اصلاح کرو اگر تمہارے خاوند اور بیٹے اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے تو ابدی زندگی پائیں گے اور اگر جی چرائیں گے ذلت تمہارے سامنے کھڑی ہے اور بہر حال تمہیں قبول کرنی پڑے گی۔ لیکن اس وقت خدا تعالیٰ نے تمہاری ذلت کو دُور کرنے کا سامان کر دیا ہے دوسروں نے وہ روحانی لذت حاصل نہیں کی جو تم نے حاصل کی ہے تم نے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات دیکھے ہیں تم نے خدا تعالیٰ کے کئی نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں تم نے خدا تعالیٰ کی آیات بیّنات کا مشاہدہ کیا ہے اگر اس کے بعد بھی تم نے اپنی اصلاح نہ کی اور تم نے اولادوں کو ضائع ہونے دیا تو یہ تمہاری قسمت! لیکن اگر تم اپنے خاوندوں اپنے باپوں اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کی اصلاح کر لو تو یقیناً تم بھی وہی ثواب پاؤ گی جو وہ پائیں گے۔ تم حفاظتِ ملک کی لڑائی میں خود نہیں جاؤ گی۔ تمہارا باپ یا تمہارا خاوند جائے گا یا تمہارا بھائی جائے گا یا تمہارا بیٹا جائے گا لیکن تمہاری تعلیم کے ماتحت جو تمہارے بیٹے بہادری دکھائیں گے جو تمہارے

بھائی بہادری دکھائیں گے جو تمہارے باپ بہادری دکھائیں گے جو تمہارے خاوند بہادری دکھائیں گے ان کو جو کچھ ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب خدا تعالیٰ کی درگاہ میں تمہاری نسبت بھی لکھا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی تحریک کرتا ہے اسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا خود نیکی کرنے والے کو ملتا ہے جو شخص جہاد کے لئے جاتا ہے جو کچھ ثواب اس کو ملتا ہے وہی اس کو بھی ملتا ہے جو اس کے دل میں نیک تحریک پیدا کرتا ہے فرمایا پس موجودہ تکلیفیں بھول جاؤ اپنے عزائم کو بلند کرو اپنی اولادوں میں جرأت اور بہادری پیدا کرو اگر ان میں جرأت اور بہادری پیدا کرو گی تو تمہارے نام بھی قیامت تک عزت کیساتھ یاد رکھے جائیں گے لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو تم اور تمہارے خاندان ذلیل کئے جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو بدل نہیں سکتی خدا تعالیٰ تم کو اور ہم کو اس عذاب سے بچائے۔ آمین۔"

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اصلاح کے لئے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔ خاص طور پر ہم عورتوں کو اس طرح دیکھنا چاہتے تھے گویا ہم احمدیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنیں۔ خدا تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرنے والی، اس کی راہ میں قربانیاں کرنے والی اور خدا تعالیٰ کے نام کو چھپانا گناہِ کبیرہ جاننے والی ہوں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ خدا نے آپؓ کو تحریر و تقریر کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کبھی کوئی بھی آپؓ کے مقابل نہ آسکا۔ آپ بغیر لکھے گھنٹوں تقریر کر سکتے تھے۔ خواہ کوئی بھی موضوع ہو بے تکان بول سکتے تھے۔ غیب سے مضامین اور مسائل کا حل آپؓ کے ذہن پر القاء ہوتا تھا۔ آپؓ کی آواز میں وہ اثر تھا کہ دل کی گہرائیوں

میں اترتی چلی جاتی تھی۔ آپؓ کی آواز ایک خدائی آواز تھی جس کو سن کر جلسہ سالانہ کے موقع پر ماؤں کی گود میں بچے بھی خاموش ہو جاتے تھے۔ یوں محسوس ہوا کرتا تھا جیسے معانی و معارف کا ایک دریا رواں ہے جو آپؓ کی زبان مبارک سے جاری ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ آپؓ کے معلم اور مربی تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ہی آپؓ کی تربیت میں گہری دلچسپی لی تھی۔

سب سے پہلی تقریر آپؓ نے دسمبر 1906 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر کی تھی۔ آپؓ اعلیٰ مضمون نویس تھے رسالہ تشحیذ الاذہان میں مضامین چھپا کرتے تھے۔ تفریحات کے بھی شوقین تھے۔ فٹ بال، تیراکی، کشتی رانی اور شکار کھیلنا آپ کو پسند تھا۔ علاوہ ازیں گھڑ سواری کا بھی آپ کو شوق تھا۔ آپ کو شعر و شاعری کا بھی ملکہ خدا نے عطا کیا تھا۔ آپؓ کی مشہور منظوم کلام کی کتاب ''کلام محمودؓ'' کے نام سے مشہور ہے جس میں بہت پائے کی نظمیں ہیں۔

آپؓ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حج بیت اللہ کا بھی موقع ملا آپ 1912 میں حج پر تشریف لے گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ 25 سال کی عمر میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور مسلسل 52 سال تک آپؓ نے مسندِ خلافتِ احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھایا اور 77 سال کی عمر میں 8 نومبر 1965 میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہ تمام عرصہ آپ نے اسلام کی خدمت کرنے میں صرف کیا۔ آپؓ کے خطبات اور تقاریر اور تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ دنیا میں آج بھی ہزاروں اشخاص موجود ہیں جو آپ کے اعلیٰ اخلاق کی میٹھی یادیں لئے ہوئے ہیں۔ آپؓ ان ممتاز ابنائے آدم میں سے تھے جو صدیوں میں نہیں بلکہ ہزاروں سال میں کبھی ایک بار اُفقِ انسانیت پر طلوع ہوتے ہیں اور حق کی روشنی میں صرف ایک نسل کو نہیں بلکہ کئی انسانی نسلوں کو اپنی ضیاء پاشی سے منور کرتے رہتے ہیں۔

اے خدا تو حضرت مصلح موعودؓ کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جا اور ہمیں آپؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں



جزائر بحرالکاہل میں احمدیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا جس شان اور عظمت کے ساتھ بار بار پورا ہوا ہے وہ آپ کی صداقت کا ایک حسین ثبوت ہے اور قادیان کی گمنام بستی سے ایک ہلکی سی ابھرتی ہوئی کرن آج دنیا کے کونے کونے کو اسلام کے نور سے منور کر رہی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے بڑے فخر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج اس دنیا میں احمدیت پر کبھی بھی سورج غروب نہیں ہوسکتا اور ہر گھڑی کہیں نہ کہیں احمدی سجدہ ریز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ایمان افروز حقیقت ہے جس کے تصور سے کمال سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے۔ آج آپ سے جس ملک کے بارہ میں ذکر کرنا چاہتی ہوں وہ بھی گلشنِ احمدیت کا ایک تازہ گلدستہ ہے جس کی مہک احمدیت کی برکت سے ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ چند سال ہوئے طوالو کا نام تک سننے میں نہ آیا تھا۔ یورپ اور امریکہ جیسے ممالک میں بھی لوگ طوالو کا نام سن کر حیرت سے دیکھتے رہ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اس نام کا بھی دنیا میں کوئی ملک ہے۔ آج طوالو ایک معروف ملک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ احمدیت کی برکت سے اس کی شہرت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔

طوالو بحرالکاہل میں نو (9) جزائر پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے اور صرف آبادی اور رقبے کی وجہ سے ہی چھوٹا نہیں بلکہ اس کا شمار دنیا کے کمترین ترقی پذیر ممالک میں بھی ہوتا

ہے۔آئین کے لحاظ سے تو ملک کے صرف آٹھ جزیرے ہی گنے جاتے ہیں کیونکہ نواں جزیرہ ایک دوسرے جزیرے کا حصہ شمار ہوتا ہے اور لفظ طوالو کا مطلب بھی آٹھ کا مجموعہ ہے۔

آزادی سے قبل جزائر کے اس مجموعہ کا نام ایلس (ELICE) آئی لینڈز تھا اور برطانوی حکومت کے تحت انتظامی لحاظ سے یہ گلبرٹ آئی لینڈز کے ساتھ منسلک تھا۔1974 میں جب گلبرٹ اور اَیلس کی آزادی کی بات چیت شروع ہوئی تو اَیلس والوں نے گلبرٹ سے علیحدہ ایک آزاد حکومت بنانے کا فیصلہ کیا اور اس طرح غربت اور بے سروسامانی کی حالت میں علیحدگی اور آزادی حاصل کر کے طوالو 1978 میں معرض وجود میں آیا۔ برطانوی حکومت ان کی علیحدگی پر خوش نہ تھی چنانچہ اس نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور سوائے ایک بہت پرانے چھوٹے سے بحری جہاز کے کچھ بھی نہ دیا لیکن یہ بھی ایک بہت بڑا عطیہ تھا کیونکہ اس کے بغیر ان آٹھ جزائر کا آپس میں اور باقی دنیا کے ساتھ تعلق رہ سکنا بہت مشکل ہو جاتا۔

یہ مختصر سا تعارف پڑھنے کے ساتھ آپ کے دل میں خیال تو آیا ہوگا کہ میں نے ان جزائر کے محل وقوع کے بارہ میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ یہ جزائر واقعی زمین کے مشرقی کنارہ پر واقع ہیں۔ان جزائر اور اس خط کے درمیان جو مشرق کو مغرب سے الگ کرتا ہے اور جسے انٹرنیشنل ڈیٹ لائن کہتے ہیں اور کوئی ملک نہیں ہے۔اس طرح طوالو میں احمدیت کا باغ لگنے کی خاص ہی خوشی ہے۔اللہ تعالیٰ اس باغ کو بڑھاتا چلا جائے اور اس کے شیریں ثمرات دور دور کے علاقوں کی روحانی نشوونما کا باعث بنیں۔آمین۔جغرافیائی اصطلاح میں طوالو کے جزائر CORAL ATOLLS کہلاتے ہیں اور وسطی بحرِ الکاہل میں قریباً بارہ لاکھ مربع کلومیٹر کے احاطہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ جزائر خطِ استوا کے جنوب میں پانچ اور گیارہ ڈگری LATITUDES کے درمیان واقع ہیں اور LONGITUDE کے لحاظ سے 176اور

180 ڈگری مشرق میں واقع ہیں۔ان جزائر کی بناوٹ شمال سے جنوب کی سمت میں ہے۔اور شمالی ترین جزیرہ NANUMEA اور جنوبی ترین جزیرہ NIULAKITA کے درمیان 560 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

طوالو کے ہمسائے ممالک میں شمال کی طرف کیری باس اور ناؤرو NAURU ہیں۔ آزادی سے قبل کیری باس گلبرٹ آئی لینڈز کے نام سے مشہور تھا اور ناؤرو آج تک اپنی فاسفیٹ کی کانوں کی وجہ سے مشہور رہے۔طوالو کے مغرب میں سالومن آئی لینڈز اور وانو آٹو (VANUATU) ہیں۔آزادی سے قبل وانو آٹو کا نام NEW HEBRIDES تھا۔طوالو کے جنوب مشرق میں ساموآ (SAMOA) کا ملک ہے اور جنوب میں فجی اور ٹونگا واقع ہیں۔

طوالو کا دارالحکومت فونافوٹی کا جزیرہ ہے یہ ملک کے جنوبی حصہ میں واقع ہے اور مواصلاتی لحاظ سے ملک کی بقا کا ضامن بھی ہے۔صرف اس جزیرہ پر باقاعدہ ایر پورٹ ہے جہاں چھوٹے اور درمیانے ہوائی جہاز اتر سکتے ہیں اور صرف اس جزیرہ پر بندرگاہ بھی ہے جہاں چھوٹے اور بڑے جہاز آکر کنارے لگتے ہیں۔اب فیکس اور ٹیلیفون، ٹی وی اور ریڈیو کی سہولتیں بھی میسر ہیں۔ پہلے کنکشن فجی ٹیلیفون ایکسچینج کے ساتھ تھا اور انٹرنیشنل کالز کے لئے پہلے فجی سے رابطہ ضروری تھا۔طوالو کے دوسرے جزائر پر بحری جہاز کنارے سے دور سمندر میں ہی کھڑا ہوجاتا ہے اور پھر مسافروں اور سامان کو کشتیوں میں لاد کر کنارے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہوگی کہ فونافوٹی جزیرے سے فجی جنوب میں گیارہ صد کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور فونافوٹی سے سڈنی آسٹریلیا چار ہزار کلومیٹر دور ہے۔

طوالو میں احمدیت کا پہلا پودہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جون 1985 میں لگا اور اب اللہ تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت سے بحرالکاہل کے تیرہ ممالک میں احمدیت کا نفوذ ہو چکا ہے۔

فالحمد للہ علی ذالک۔اس کامیابی پر جہاں بیحد خوشی ہوتی ہے وہاں شدت سے ان تبلیغی ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوتا ہے جو ہم پر عائد ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اہم فرض کی طرف کماحقہٗ توجہ کی توفیق عطا فرمائے۔تا ہم ان تشنہ روحوں کی سیرابی کا باعث بن سکیں جو جامِ احمدؑ کی منتظر ہیں۔آمین۔

میرے میاں ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب طوالو مارچ 1985ء میں تشریف لے گئے تھے اور اسی سال جولائی میں مجھے بھی وہاں جانے کا موقع ملا۔اس کے بعد 1988ء میں میں دوبارہ طوالو گئی اور اس عرصہ میں وہاں کی لجنہ اور جماعت میں نمایاں نیک تبدیلی سے بے حد متاثر ہوئی۔

طوالو میں جماعت احمدیہ کا ہیڈ کوارٹر بھی فونافوٹی میں ہے۔اگست 1987ء سے وہاں جماعت کے باقاعدہ مبلغ حافظ احمد جبریل سعید صاحب تشریف لائے جو غانا کے ہونے کے باوجود بہت ہی نفیس اردو بولتے ہیں۔اب وہاں احمدیہ مسجد بھی ہے اور قرآن مجید کا ترجمہ بھی ان لوگوں نے اپنی زبان میں شائع کر لیا ہے۔نماز اور کچھ دوسری کتابوں کے تراجم ان کی زبان میں چھپ چکے ہیں اور جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر جہت سے ترقی کے راستوں پر گامزن ہے۔الحمد للہ۔

طوالو کی حکومت ابھی تک ملکہ برطانیہ کو اپنے ملک کا سربراہ تسلیم کرتی ہے۔ملکہ معظّمہ نے وہاں اپنی نیابت کے لئے ایک مقامی گورنر مقرر کئے ہوئے ہیں۔حکومت کے ایگزیکیوٹو ہیڈ وزیر اعظم ہیں۔ہر چوتھے سال عام انتخابات ہوتے ہیں۔ملک میں کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے سب امیدوار آزادانہ طور پر پارلیمنٹ کی ممبر شپ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جو جیت جاتے ہیں وہ اپنے میں سے کسی ایک کو وزیر اعظم چن لیتے ہیں۔جن کو اس چناؤ سے اتفاق نہ ہو وہ پارلیمنٹ میں

حزبِ مخالف کا رول ادا کرتے ہیں۔1988ء کے انتخابات میں ہماری جماعت کے پہلے صدر جناب ولید کاٹالا کے صاحب بھی امیدوار تھے۔لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔دعا ہے کہ طوالو میں ایک ایسا روحانی انقلاب پیدا ہو کہ سارے کا سارا ملک احمدیت کی آغوش میں آجائے۔آمین۔

طوالو کے وزیر اعظم جناب ڈاکٹر ٹوماسی پُوآ پُوآ (TOMASI PUAPUA) بہت شریف النفس انسان ہیں۔ مارچ 1988 میں آپ ایک سرکاری دورہ پر انگلستان تشریف لائے تھے اور لندن قیام کے دوران حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے بھی حاضر ہوئے۔اسلام آباد بھی تشریف لے گئے اور بہت خوش ہوئے۔باوجود عیسائی ہونے کے جماعت کے لئے نیک جذبات رکھتے ہیں اور جماعت کے ساتھ رویّہ ہمدردانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جلد اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

طوالو کے لوگ پولی نیشین نسل سے ہیں۔ان کے بال رنگ نقش اور شکل ایشیائی لوگوں کی طرح ہی ہیں۔ دیکھنے میں قدآور اور موٹے تازے نظر آتے ہیں۔ نیوزی لینڈ کے ماؤری اور حوائی ٹونگا اور ساموآ کے باشندے بھی پولی نیشین نسل سے ہی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی زندگی تین نقطوں پر مرکوز ہے یعنی فوڈ فیملی اور فیتھ ان میں خوب کھانا اور کھلانا سرِ فہرست ہے۔ ان لوگوں میں موٹاپے کو خوش حالی اور امارت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ پتلے دبلے لوگوں کو ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ہر جزیرے کے لوگوں کا آپس میں بہت اتفاق اور اتحاد ہے۔مل جل کر بیٹھنا کھانا پینا اور خوش گپیاں کرنا ان کے پسندیدہ مشاغل ہیں۔ ہر ایک جزیرے پر ایک کمیونٹی ہال ہوتا ہے جسے یہ لوگ اپنی زبان میں MANEAPA کہتے ہیں۔ پرانے وقتوں میں اس ہال کی بہت وقعت ہوتی تھی اور لوگ اسے عبادت گاہ کا درجہ دیتے تھے جو بات اس ہال میں ہوجاتی تھی اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا تھا۔اب بھی جزیرے کی زندگی

میں MANEAPA مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے۔اورلوگ تفریحی مشاغل کے علاوہ روزمرہ کی زندگی کے مسائل پر بات چیت کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں۔آزادی سے قبل جزیرے کا سردار وہاں کا چیف ہوتا تھااوراس کے احکام کی اطاعت ہرایک پر لازمی تھی۔لیکن اب چیف کا صرف نام ہی رہ گیا ہے۔ ہر جزیرے پر لوکل کونسلز بن گئی ہیں جن کے ممبرز اور صدر کا باقاعدہ انتخاب ہوتا ہے۔ ہر جزیرے کے لوگوں کی کچھ اپنی روایات اور حکایات ہیں اور اسی طرح تلفظ اور بولی میں بھی فرق ہے لیکن ان اختلافات کے باوجود ان آٹھوں جزائر کے آپس میں صدیوں پرانے مراسم اور تعلقات ہیں جن کی بناء پر ان کو ایک گروپ اور ایک قوم کی حیثیت سے آزادی حاصل ہوئی اور طوالو معرض وجود میں آیا۔طوالو کی زبان بھی طوالوعن ہی کہلاتی ہے۔ یہ دوسری پولی نیشین زبانوں سے ملتی جلتی ہے بہت سارے الفاظ معمولی تلفظ کے فرق کے ساتھ ماؤری زبان سے ملتے ہیں لیکن گرائمر کے لحاظ سے طوالوعن ساموآ کی زبان سے بہت ملتی ہے۔ دراصل ساری پولی نیشین زبانیں انڈونیشیا کی زبان بھاسا کی شاخ ہیں۔طوالوعن کے حروفِ تہجی انگریزی کی طرح رومن ہی ہیں۔اورصرف چودہ حروف ہیں جن میں سے نوحروف صحیح یعنی Consonants ہیں اور پانچ Vowels ہیں۔طوالو کے آٹھوں جزیروں کی کل آبادی صرف دس ہزار کے قریب ہے اور رقبہ کے لحاظ سے باوجود ایک وسیع وعریض ملک ہونے کے خشکی کا حصہ صرف ساڑھے چوبیس مربع کلومیٹر ہے۔سب سے چھوٹے جزیرے کا رقبہ اڑھائی مربع کلومیٹر ہے اور سب سے بڑے جزیرے کا رقبہ قریباً پانچ مربع کلومیٹر ہے۔ یہ سارے جزیرے قریباً سطح سمندر پر ہی ہیں اور ملک کا سب سے اونچا پوائنٹ سطح سمندر سے صرف چار میٹر کے قریب ہے۔جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں ذکر ہے طوالو کے سارے جزائر کورل سے بنے ہوئے ہیں اور کورل آئی لینڈز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی بناوٹ دائرے کی شکل میں ہوتی ہے۔

اس دائرے کے بعض حصے پانی کی سطح سے نیچے ہونے کی وجہ سے زیرِ آب رہ جاتے ہیں اور دیکھنے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کئی چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ اس دائرے کے اندر پانی کے ایک تالاب کی سی صورت ہوتی ہے جسے LAGOON کہتے ہیں۔ جہازوں اور کشتیوں کے لاگون میں آنے جانے کے لئے جزیرے کے نشیبی حصوں کو کاٹ کر راستہ بناتے ہیں۔ بڑے جہازوں کے آنے جانے کا انحصار لاگون میں پانی کی گہرائی اور لاگون میں داخل ہونے کے راستہ کی چوڑائی پر ہوتا ہے۔

استوائی علاقہ میں ہونے کی وجہ سے طوالو کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ سال بھر درجۂ حرارت 25 اور 32 ڈگری سنٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ موسم میں سمندر کی وجہ سے رطوبت کافی زیادہ ہوتی ہے۔ سال بھر میں تین ہزار ملی میٹرز کے قریب بارش ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مسلسل دو تین مہینے تک بارش ہوتی ہی نہیں اور جب اتنے عرصہ کے لئے بارش نہ ہو تو پانی کے قحط کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر فیملی کو پانی و راشن مہیا کیا جاتا ہے۔ ایک دو مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ لوگوں کے پینے اور استعمال کے لئے پانی بطور امداد آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کورل کی وجہ سے ان جزائر پر اندرونِ زمین پانی کا ذخیرہ نہیں ہوتا اور لوگ جب بارش ہوتی ہے اپنے ٹینکوں میں پانی جمع کر لیتے ہیں۔ حکومت کے بھی اپنے بڑے بڑے ٹینک ہیں اور عام حالات میں کسی دقّت کا سامنا نہیں ہوتا اور پانچ چھ ہفتے بارش کے بغیر بھی گزر جاتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے بارش حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ اس ملک کی زمین بھی ریتلی ہے اور کاشت کے قابل نہیں۔

ناریل کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور شکر قندی اور کدو اور آلو کی قسم کی بعض سبزیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ پھلوں میں کیلا اور پپیتا عام ہیں۔ گوشت کے لئے قسما قسم کی مچھلی کی

فراوانی ہے۔گائے بھینس بکری جیسے جانور بالکل نہیں ہیں۔اس کی وجہ غالباً گھاس نہ اُگ سکنے کی ہے۔اب اکثر لوگ مرغیاں بھی پالتے ہیں اور مرغی کا گوشت اور انڈے عام مل جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کے زراعتی منصوبوں کے تحت اب سبزیوں کی کاشت بھی شروع ہوئی ہے اور تازہ ٹماٹر کھیرے اور سلاد مل جاتے ہیں۔ ویسے برف میں لگی ہوئی ہر قسم کی سبزیاں پھل اور گوشت آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے آتے ہیں لیکن مہنگے ہوتے ہیں اور عام لوگ یہ چیزیں خاص تقاریب کے لئے ہی خریدتے ہیں۔طوالو کا شہد بھی بہت مشہور ہے اور ناریل کا تیل اور صابن بھی تیار ہوتا ہے۔عورتیں سمندر سے طرح طرح کے خوب صورت پتھر اور شیل اکٹھے کر کے نمائش اور زیبائش کی چیزیں بناتی اور بیچتی ہیں جو سیاح اور زائرین شوق سے خریدتے ہیں بہت امن پسند لوگ ہیں کوئی فوج نہیں ہے سارے ملک میں صرف پچیس تیس سپاہی ہیں اور جیل میں پندرہ بیس قیدیوں سے کبھی زیادہ نہیں ہوتے۔ بہت اچھے لوگ ہیں اور جب احمدی ہو جائیں گے تو بہت پیارے بھی لگیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کو راہِ مستقیم پر لے آئے اور ان کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے اور احمدیت کے لئے فدائیت کا رنگ عطا فرمائے۔آمین۔



ان کے، آپ کے اور ہمارے نام

عنوان سے یہ مطلب نہیں کہ میں ابھی ایک خط ان کے، آپ کے اور اپنے نام لکھنے لگی ہوں۔ نہیں...... بلکہ میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں یہ جانوں یا بتاؤں کہ ناموں میں کیا رکھا ہے؟ ہم نام کیوں رکھتے ہیں؟ اگر نام نہ ہوتے تو کیا کرتے اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ نام ہی سے تو کسی کی پہچان ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے اور کسی کو پکارا جاتا ہے۔ پھر آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ نام روشن کر دیا لیکن اگر کسی کا نام ہی روشن بی بی یا چراغ بی بی یا چراغ دین ہو تو وہ تو پہلے ہی روشن ہوا مزید کیا روشنائی کرے گا؟

یہ تھی وہ گفتگو جو چند سہیلیاں کر کے کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ چونکہ یہ محفلِ ذوق تھی طرح طرح کے ناموں پر قہقہہ اٹھتا تھا مگر میں ایک طرف بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی سوچا کہ اب آئندہ میں اسی عنوان سے کچھ لکھوں گی۔ تو کبھی کبھار دیکھنے اور سننے میں بھی آ ہی گیا ہو گا کہ فلاں کے والد یا والدہ اور بھائی کا بھی وہی نام ہے جو آپ کے یا ان کے والد صاحب اور والدہ اور بھائی جان کا ہے۔ اس سے بھی ایک قسم کا نام کی طرف راغب ہونا یا منسوب ہونا اچھا لگتا ہے اور پیار میں تعلقات بھی استوار ہونے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ ملتے جلتے نام بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں مثلاً ایک بہن کا نام نصرت ہے تو دوسری کا نام ندرت رکھا۔ تو ایسے بھی ہوا کہ بہنوں میں جھگڑا تو مشہور ہے کہ کئی بہانوں سے ہو جاتا ہے۔ اگر نصرت نے یہ نظم بڑے فخر سے خوش ہو کر یاد کی کہ یہ میرے نام سے لکھی گئی ہے ''کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے

گندوں کو' اس پر ندرت نے ناراض ہو کر اپنی امی سے یہ شکایت کر کے رونا شروع کر دیا کہ نہیں یہ نظم یوں ہونی چاہئے ''کبھی ندرت نہیں ملتی درِمولیٰ سے گندوں کو' یہ تو اس ننھی معصوم بچی کی معصومیت تھی جس پر امی کو بھی پیار آ گیا اور ناموں کے معنی سمجھا کر خوش کر دیا۔

اس بات سے تو آپ کو ان کو اور ہمیں انکار نہیں کہ نام رکھنے کتنے ضروری ہیں اگر نام نہ ہوتے تو بغیر نام کے کیسے پتہ چلتا کہ وہ کون ہے؟ کیسے بلاتے، کیسے بات کرتے اور جب مخاطب کرنا ہوتا تو کیا صرف یہ کہتے کہ بھائی یہ سنو یا بہن ادھر آ ؤ یہ کام ہے ارے دائیں طرف کے ہمسائے ادھر آ ؤ یا بائیں طرف والے ہمسائے ذرا فون تو کرو چور گھس آیا ہے وغیرہ وغیرہ گویا سبھی یہ تو جان گئے کہ نام تو ضرور رکھنے ہی پڑتے ہیں۔ میں نے اپنی سہیلیوں کو کہا کہ دراصل نام رکھنے یا نہ رکھنے والی بات نہیں اللہ میاں نے خود اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں آدم کو اسماء سکھائے۔ خود اللہ میاں کے اپنے نام ہیں جو تمام صفاتی نام ہیں اور نہایت پیارے نام ہیں اور ہاں ہم بھی تو انہی ناموں پر اپنے بچوں اور بچیوں کے نام برکت کے لئے رکھتے ہیں مگر وہ اس طرح کہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھ کر عبد اور امۃ کے ساتھ وہی صفاتی نام رکھ دیتے ہیں۔ یہاں آگے چلنے سے قبل میں ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے ناموں کے بارہ میں کچھ درج کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''کسی لڑکی کا نام جنت تھا۔ کسی شخص نے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں کیونکہ بعض اوقات انسان آواز مارتا ہے کہ جنت گھر میں ہے؟ اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے کہ دوزخ ہی ہے یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں تو گویا نحوست ہوئی۔''

فرمایا:

''یہ بات نہیں ہے نام رکھنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اندر نہیں ہے نہ یہ کہ برکت نہیں ہے یا اگر کہے کہ جنت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنت نہیں ہے اور دوزخ ہے بلکہ یہ کہ وہ انسان اندر نہیں ہے جس کا نام جنت ہے۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 180)

یہ ارشادات شاید تمام سہیلیوں کے جھرمٹ نے نہ پڑھے اور سنے تھے مگر ہوا یوں کہ 12 نومبر 1992 کے الفضل ربوہ کے صف اول پر ہی تو درج تھے ادھر یہ بات ناموں کے مذاق پر چل رہی تھی سب نے یک زبان ہو کر کہا عقدہ حل ہو گیا اور سب سنجیدہ ہو کر پڑھنے لگیں اور قدرے ندامت بھی محسوس کرنے لگیں کہ ہم کیا خواہ مخواہ روشن اور چراغ کا مذاق بنا رہی تھیں۔

تو گویا یہ بات نہیں ہوتی ......چلیں اب ناموں کا اثر زندگی اور حالات پر کیا سمجھا جاتا ہے اس کا بھی ذکر ہو جائے۔کسی نے پوچھا کہ اچھا! یہ بتاؤ کہ نام کا اثر ہوتا ہے یا نہیں مثلاً برکت بی بی نام رکھا، کیا ضروری ہے کہ گھر میں برکت ہی آئے گی یا برکت ہی رہے گی بات پوری نہ ہوئی کہ دوسری سہیلی بول اٹھی ہاں ہاں ضرور ایسا ہوتا ہے میری خالہ جان کا نام ''بخت بھری'' تھا اور وہ ساری عمر بڑی خوشحال اور عیش و عشرت میں رہیں کبھی تنگی نہ دیکھی انہوں نے۔نہیں نہیں! تم یہ کہتی ہو ذرا میری بھی سنو کہ ہمارے گھر ایک ماسی کام کرنے آتی تھی جو بے حد غریب اور مظلوم اور دکھی معلوم ہوتی تھیں۔ مجھے ناموں کے مضمون کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا میں نے جو تم سے وعدہ کر رکھا تھا کہ تمہیں کوئی نئی بات بتاؤں گی تو سنو اس ماسی سے جب میں نے نام پوچھا تو کہنے لگی بیٹی کیا پوچھتی ہو نام تو میرا ''بھاگ بھری''

ہے۔اب تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اس کی قسمت کے بھاگ بھی اچھے تھے۔ یہ بات میری سہیلی نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالی......اور تقریباً اس کی آواز بھرا گئی تھی بے چاری ماسی کے تصور سے جو دن رات محنت کر کے پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لئے چند روپے حاصل کرتی تھی......نہیں ایسا نہ کہو ہوسکتا ہے کہ ماسی کے پیدا ہونے پر اس کے والدین کو برکت ملی ہو ان کے بھاگ کھلے ہوں اور پھر یہ تو جانتی ہونا کہ نیت کا بھی تو پھل ملتا ہے۔ نیت محض یہ نہ ہو کہ نام رکھ دیا باقی کام اللہ نے کرنے ہیں، انسان کو محنت، کوشش اور پھر سب سے زیادہ دعا بھی کرنا ہوتی ہے نا...... ہاں سچ تم نے بالکل صحیح کہا میں نے بھی کسی کا نام دولت بی بی سنا ہے اس پر پھر ایک بار زوردار قہقہہ سب سہیلیوں نے لگایا......

اچھا تو محض نام رکھ دینے سے کچھ نہیں ہوتا انسان کے اندر اس کا اپنا ایک وجود بھی تو قائم ہوتا ہے جو نام بھی روشن کرتا ہے اور برکت بھی پیدا ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ تو توہم پرست بھی ہوتے ہیں ناموں کی حقیقت نہیں جانتے ایسے ہی کسی نے کسی عورت کو دکھ تکلیف میں یا بہت مشکلات میں دیکھ کر کہہ ڈالا کہ ہاں حضرت ہاجرہؓ نے بھی کافی تکالیف اٹھائی تھیں تم اپنی بیٹی کا نام ہاجرہ کیوں رکھنا چاہتی ہو یہ بدل دو جو کہ میرے نزدیک ایک غلط خیال یا وہم و جہالت کی وجہ سے ہوا ہوگا یہ بھی ایک سمجھ دار اور نیک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہہ دیا۔ وگرنہ ایسی پاکباز اور مبارک ہستیوں کے ناموں کو تو تاریخ میں بار بار دہرانے سے ان کی قربانیوں اور خوبیوں کی یاد میں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں اور ایسی عظیم قربانیوں کو دیکھ کر ہی تو شاعر نے اس شعر میں ترجمانی کر دی ہے۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد
سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد

بچہ تو معصوم اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے ماحول اور والدین کا کردار اور تربیت ہی اس کو اچھا یا برا بناتی ہے۔نام کے بارے میں وثوق سے یہ کہنا کہ سو فیصدی بچے پر اثر پڑتا ہے آج کی دنیا یہ ماننے کو تیار نہیں ہے۔دنیا کے مختلف ممالک میں ناموں کی حقیقت مختلف ہے۔پولی نیشین لوگوں نے نام اور القاب کے بارے میں کافی سنجیدگی اختیار کر لی ہے کہ بچے اپنا اصلی نام نہیں بدل سکتے،ان کو اپنے آباؤ اجداد کے رکھے ہوئے نام کو ہی رکھنا،لکھنا یا بتانا ہوتا ہے مگر ایک نہ ایک مزاحیہ نام اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے ضرور رکھ لیتے ہیں۔

Cook Islands کا نام آپ سب نے سنا ہی ہوگا یہ یہاں South Pacific میں بڑا جزیرہ نما ملک ہے کسی باپ کا پہلا بیٹا پیدا ہوا تو نام کیا رکھا ''آ کا ٹا کا ٹیموٹاٹا'' اس کا مطلب ہے (Start the Engine) یعنی گاڑی سٹارٹ کرو۔اور مزے کی بات ان لوگوں کی یہ ہے کہ کوئی ہنستا یا ان ناموں کا مزاق نہیں اڑاتا، چونکہ یہ فیملی کا پہلا بچہ تھا سب نے خوش ہو کر کہا کہ اچھا نام ہے اور حقیقت بھی تو ہے نا۔یاد رہے اِن دنوں میں جزائر فجی سے بھی کوسوں دور بہت دور ایک ملک "Tuvalu Islands" میں ہوں جبھی ان جزائر میں رہنے والے لوگوں کے ناموں کے بارے میں معلومات بالخصوص اکٹھی کر کے احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کر رہی ہوں ایک اور ملک "Samoa Island" کے ایک اخبار میں خبر چھپی کہ ہسپتال ڈیلیوری کے لئے جا رہے تھے Rush کی وجہ سے دیر لگ گئی اور بچہ گاڑی میں ہی پیدا ہو گیا تو ماں باپ نے اس بچے کو ''آسولیا گا'' کا نام دے دیا۔مطلب یہ کہ Bad Day (بُرا دن) ہے نہ صرف یہی ایک نام سن کر آپ مسکرائیں گے بلکہ کچھ لوگ Sea Cucumber سمندری کھیرا، اور Dog's Eye جیسے نام بھی رکھ لیتے ہیں۔یہ سن کر میری سہیلیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

بات سے بات چل نکلتی ہے ایک کو تو جلدی راستہ طے کرنے کی تھی دوسرے بچے کو وقت

سے قبل پیدا ہونے کی جلدی تھی ۔ ایسے بچے کو یہ لوگ اور کوئی نام نہ دے سکے تو یہ رکھ دیا ’’ٹانے آوَنا‘‘ یعنی Had to Come Tomorrow کہ کل آنا تھا مگر آج ہی آ گیا ہے......اسی طرح سے یہ لوگ ناموں کو تجویز کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے ایک لڑکی کا نام رکھنا تھا باپ فون کے پاس بیٹھا کہنے لگا اور کیا نام رکھنا ہے ٹیلیفون ہی رکھ دو۔ سو وہ لڑکی ابھی تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔ دور نہ جائیے یہاں طوالو جزیرہ پر ہی میرے پاس اکثر آتی ہے بڑی ہی پیاری بھولی بھالی معصوم شکل وصورت کی ہے میں نے اس سے اس کا نام پوچھا جھٹ بولی ’’لوئی ماتا‘‘ مجھے یہ لفظ طوالو زبان کا لفظ معلوم ہوا تو میں چونکہ وہاں کی زبان سیکھ رہی تھی اس نام کے معنے پوچھے تا کہ ان لوگوں کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ یہ بامعنی نام رکھتے ہیں علاوہ ازیں کچھ دوسرے جزیروں کا رواج الگ تھا اس نے بتایا کہ میرے نام کا مطلب آنسو یعنی "Tears" ہے میں نے قدرے تعجب سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تمہارا نام یہ رکھا حالانکہ کوئی اچھا نام بھی رکھ سکتے تھے۔ آپ لوگوں کے نام تو پھولوں اور پھلوں کے ناموں پر بھی رکھے جاتے ہیں میں نے جونہی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہ آنسو بہانے لگی کہ جب میں پیدا ہوئی تھی تو میری ماں مر گئی تھی اور سب رو رہے تھے کچھ دنوں کے بعد جب میرا نام تجویز کرنے کا خیال آیا تو سب نے کہا کہ اس لڑکی کا نام اور کیا رکھنا ہے سب کو آنسوؤں سے رلا یا ہے بس اس کا نام بھی یہی ٹھیک رہے گا گویا ان کے نزدیک نام کی کوئی بھی اہمیت نہیں تھی۔

مجھے ایک لمبا عرصہ تک ایسٹ افریقہ میں رہنے کا موقعہ ملا۔ وہاں بھی میں افریقن لوگوں کے ناموں سے اثر لیا کرتی تھی اور کافی دلچسپ نام معلوم ہوتے تھے۔ سب سے پہلا انوکھا نام جس نے مجھے متأثر کیا وہ ہمارا ایک نوکر تھا جس کا نام ہی کرسچن تھا مگر مجھے یہ حیرت زیادہ دیر تک نہ رہی کیونکہ اگلے چند دنوں بعد جب ہم نماز جمعہ کے لئے مسجد گئے وہاں اپنی بہت سی

احمدی بہنوں سے ملاقات ہوئی ایک بہن کا بڑا پیارا گول مٹول بچہ میری گود میں آ گیا۔ مجھے بھی بہت ہی پیارا لگا میں نے اس کی ماں سے اس بچے کا نام پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کا نام ''جمعہ'' تھا یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ جمعہ کے روز پیدا ہوا ہوگا تو نام بھی جمعہ رکھ دیا گیا۔ مگر آہستہ آہستہ یہ علم ہوا کہ یہ افریقن لوگ تو ہفتہ کے ساتوں دنوں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں۔ مثلاً 'الخمیسی ''جمعہ انیّ'' جمعہ ٹھانو' وغیرہ وغیرہ افریقہ کی زبان میں جمعرات، منگل اور بدھ وار علی الترتیب نام بنتے ہیں۔ اسی طرح مہینوں کے ناموں پر بھی نام رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں یعنی جون میں پیدا ہونے والے کو 'جونی' کہہ دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

یہاں افریقہ کی دنیا میں بھی '' آنسو'' نام رکھنے والی بات کی طرح سواحیلی زبان میں "Bahati Baya" یعنی بری قسمت یا بدقسمت کہلوایا اب کوئی کہے گا کہ بھلا معصوم بچے کے پیدا ہونے والے کا کیا قصور کہ اس کو بدقسمت کہا جائے قسمت تو ہر بچہ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔

چونکہ بات جزائر کی ہو رہی ہے لہٰذا انہی لوگوں کی بات پھر سے جاری رکھتی ہوں۔ ان لوگوں سے ملنے جلنے کا مجھے بہت شوق تھا اس شوق کو پورا کرنے کے لئے مجھے نیوزی لینڈ بھی جانے کا موقع ملا وہاں بھی لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے ناموں ہی کا ذکر آ گیا کہ کیا آپ کے ناموں کے معنی یا کوئی خاص مقصد ہوتے ہیں جو آپ اپنے بچوں کے لئے تجویز کرتے ہیں اس پر مجھے یہ جان کر کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی کہ ان کے نزدیک بھی کسی کو کسی بھی نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں پڑتا بچے کے کردار پر یا اس کے اخلاق پر کہتے ہیں جو بھی اس نے بننا یا کام کرنے ہوتے ہیں وہی کرے گا یا بنے گا۔ نام اثر انداز نہیں ہوتے جبکہ ہم لوگ بڑے بہادر نیک اور بزرگ حضرات کے نام رکھ کر اکثر بڑے ہونے پر

بچوں کو یاد دلاتے ہیں یا شرم دلاتے ہیں۔مثلاً کوئی بچہ ڈرتا ہو یا کمزوری اور بزدلی دکھائے تو کہا جاتا ہے کہ اپنے نام ہی کی لاج رکھو نام تو تمہارا شیر خان یا شیر دل ہے اور تم چوہے اور چیونٹی سے ڈرتے ہو۔ ہمایوں ،سکندر، اقبال اور غالب جیسے نام بھی رکھے ہوں تو ضرور کبھی نہ کبھی ان ناموں سے منسوب ہونے والی خوبیاں یا صلاحیتوں کو اپنانے کی یاد ان کے ناموں کی وجہ سے دلائی جاتی ہے۔ یہاں یہ "Maori" لوگ یعنی نیوزی لینڈ کے باشندے جو ماؤری کہلاتے ہیں ان میں سے کسی کے ہاں دو جڑواں بیٹیاں پیدا ہوئیں والدین کو ان کے ناموں کے لئے ذرا بھی سوچنا یا کسی سے پوچھنا نہ پڑا جھٹ ایک کو شلنگ اور دوسرے کو پونڈ ی پکارنا شروع کر دیا۔

دوسری کسی بستی میں دو جڑواں بھائی پیدا ہوگئے ۔ ماں نے باپ سے بیٹوں کے نام رکھنے کو کہا اسے بھی کچھ سمجھ نہ آئی یا شاید گھبرا گیا ہو کہ ادھر سفر کی تیاری کر رہا تھا بغیر نام تجویز کئے چلا آیا جس جزیرہ کا نام (Tonga) ٹونگا ہے۔ دھیان گھر میں ہونے والے بیٹوں کی طرف رہا کہ سمندر کے کنارے بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ بحر الکاہل سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک نیوزی لینڈ کے دو جہاز سمندر میں آتے دکھائی دیئے جو یکے بعد دیگرے اس کے سامنے سے گزرے اس کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان جہازوں کے نام اپنے بیٹوں کو دے دوں لہٰذا ایک کا نام "Drivon" اور دوسرے کا نام "Herentes" ہیرنٹس جہازوں کے نام رکھ لئے ......طوالو اور ٹونگا جزائر میں بعض مزید دلچسپ ناموں کا بھی علم ہوا کہ یہ لوگ ہندسوں کی گنتی پر اکتفا کرتے ہیں ۔یعنی ’ایک‘ پہلے بچے کو کہہ دیا اور دوسرے کو ’دو‘ اور تیسرے کو ’تین‘ کر کے بلا لیا اس طرح بچوں کو صرف اپنے نمبر یاد رکھنے ہوتے ہیں کہ میں کس نمبر پر ہوں اور اب مجھے ہی پکارا گیا ہے۔

کچھ نام ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں مگر مطلب الگ ہوتا ہے مثلاً طوالو میں پکارے جانے والے دو نام ہیں ایک 'پولے' اور 'پولا' دوسرا نام لوگ بہت پسند کرتے ہیں مجھے کچھ دلچسپی اس کے معنوں میں تھی تو پتہ چلا کہ پہلے کا مطلب Sea Shell یعنی سمندر کی سیپیاں اور دوسرے کا مطلب پھول ہے۔ بس یوں لگتا ہے کہ کبھی کبھی ان لوگوں کے سامنے سب سے پہلے جو چیز نظر آئی وہی نام رکھ دیا مگر کوئی یہ بتائے کہ نام سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرا مطلب نام کچھ بھی ہو انسان کی انسانیت اس کے عمدہ اخلاق یا بداخلاقی یا بدکرداری پر کس حد تک اثر پڑتا ہے؟ ...... یہ بات میری سہیلیوں کے اس جھرمٹ کے ایک کونے سے اٹھی جہاں سب بیٹھی نہایت دلچسپی اور گہری خاموشی سے میری یہ ساری باتیں اس قدر انہماک سے سن رہی تھیں کہ ابھی تک کسی نے ذرا بھی نہ ٹوکا تھا۔ میں نے کہا بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے مگر یہ ایک لمبی داستان بحث بن جائے گی مگر میں اس بات کی ضرور قائل ہوں اور شاید یہ صحیح بھی ہو کہ پاک بزرگ اور نیک لوگوں کے نام اور باپ دادوں کے نام رکھے ہوئے ضرور بابرکت اور اثر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مزید دلچسپی لینے والیوں نے کہا کہ ہاں ہاں اور بتاؤ ناموں کی کہانی ہمیں تو مزا آ رہا ہے اثر جو ہوگا دیکھا جائے گا...... یہ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے میں نے بتایا کہ یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کسی نے اپنے آخری بچے کو "Junior" کا نام دیا۔ مگر اس بچے کے بعد ایک اور قدرت نمائی ہوگئی ......تو یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ آخری بچہ ہوگا یا اس کے بعد ایک اور بھی آنے والا ہے لیکن جو نام رکھ دیا وہ بدلا بھی جاسکتا ہے اور آج کل تو یہ رواج بہت عام ہو رہا ہے اور اکثر اخباروں میں تبدیلئ نام کے عنوان سے اعلان چھپا کرتے ہیں پچھلے دنوں کسی نے M.T.A پر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو تبدیلی نام کے لئے لکھا اور نیا نام

حضرت صاحبؒ نے عطا فرمایا۔

نام تبدیل کرنے یا کروانے کی وجہ ہر ایک کی الگ الگ ہو سکتی ہے مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اکثر بدلے ہوئے نام یا تو ذرا ماڈرن یا خاندانی لقب کو ہٹا کر یا لگا کر بنایا جاتا ہے کہ اب اس نام سے پکارا یا لکھا جائے۔

بہتوں نے یہ بھی آزمالیا ہوگا یا اگر نہیں آزمایا تو آزما کر دیکھئے اوپر تلے تین چار بیٹیوں کے بعد بیٹے کی خواہش قدرتی امر ہے ایک فیملی کو میں بھی جانتی ہوں جنہوں نے بشریٰ نام رکھ کر یہ امید کی کہ اب کی بار بیٹا ہی ہوگا مگر پھر بیٹی پیدا ہوگئی تو اس کا نام بھی بشریٰ ہی رکھ دیا گیا اب دونوں کو بشریٰ کے نام سے بلانا تو مشکل لگا پہچان ہی نہ تھی اس لئے ایک کو بڑی اور دوسری کو چھوٹی کہنا شروع کر دیا گیا مگر دونوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے بھی عطا کئے اللہ تعالیٰ مبارک کرے مگر دونوں بہنوں کا ایک نام بھی خوب رہا۔ میری امریکہ میں ایک غیر احمدی سہیلی ہے جس کا نام پوچھا تو 'بشریٰ' نام سے حیرت ہوئی اور میں نے پوچھا کہ آپ نے تو یہ نام کہیں اس وجہ سے نہیں رکھا کہ بھائی کی خواہش تھی آپ کے والدین کو؟ تو آپ سب یہ سن کر کچھ زیادہ حیران نہ ہوں کہ واقعی انہوں نے بھی احمدیوں کی طرح اس نسخہ کو آزمایا اور اپنے ایمان کو مضبوط کر لیا اور اب وہ لوگ احمدیت کے بہت قریب آ گئے ہیں اللہ کرے یہ نام ہی ان کے لئے بشریٰ (خوشخبری) بن جائے۔ آمین۔

یہ تو تھے ان کے، آپ کے اور ہمارے نام ...... ناموں کی کہانی کچھ لمبی ہی ہوتی چلی جا رہی ہے کہ انسانوں کے نام رکھنے تو لازم و ملزوم ہوا مگر یورپ میں رہ کر یہ بھی پتہ چلا کہ کتوں، بلّوں اور پرندوں کے علاوہ دوکانوں کے بھی عجیب و غریب نام رکھے جاتے ہیں۔ جانوروں کو اپنے ناموں کی اس قدر پہچان ہوتی ہے کہ سوتے میں کتے یا بلی یا پرندے کو اس

کے نام سے پکارو تو دوڑے چلے جاتے ہیں۔آپ یہ سن کر بھی محظوظ ہوں گے کہ ان میں سے جن کے بچے نہ ہوں اکثر اپنی جائیدادیں بھی انہی جانوروں کے نام لکھ کر چھوڑ جاتے ہیں......دوکانوں کے نام مثلاً (Sainsbury)سینز بری ایک بڑے شاپنگ سنٹر کا نام ہے جو اصل میں ایک مسٹر سینز بری نامی آدمی ہے اسی کے نام پر یہ سٹور ہے۔اس کے علاوہ Jhon LewisاورLipstick بھی لندن میں دوکانوں کے نام ہیں۔گوشت والے بھائی کو دوکان کو شہرت دینے کا مسئلہ تھا سوچا کہ اور کوئی نام کیا رکھنا ہے اللہ کے نام کے ساتھ بُچر ہی لکھ دو یعنی بسم اللہ بُچر تا کہ حلال گوشت لینے والے ضرور آئیں اور معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوا مگر جن کو اس کی پرواہ نہ تھی یا ذرا ماڈرن تھے انہوں نے ایک فلم سٹار کے نام پر جے آر بُچری دوکان کا نام رکھ لیا۔سردیوں میں پاکستان جانے کا اتفاق ہوا۔وہاں ماڈرن ٹیلرز، رحمٰن کلینک، رحیم شفاخانہ اور چاٹ ہاؤس، کباب ہاؤس وغیرہ دکانوں کے نام دیکھ کر بچوں کی سیر میں دلچسپی اور بڑھ گئی۔

میں تو کہوں گی کہ بالآخر اسمائے حسنٰی ہی بہترین اور مبارک نام ہیں۔چونکہ بات عبد اور امۃ سے شروع ہوئی تھی لگے ہاتھوں یہ بتاتی چلوں کی یہاں ہمارے طوالو میں جب پہلا کرسچین احمدی ہوا تو حضرت صاحب نے ازراہ شفقت اس بھائی کا نام عطاء الاوّل رکھا اس پر یاد آیا کہ پاکستان کی ایک فیملی کی بات ہے کہ ان کے ہاں چھ بیٹیاں اوپر تلے پیدا ہوئیں تو جب آخری بیٹی کا نام پوچھنے کے لئے حضرت صاحب کے پاس گئے تو آپ نے ان کی اس بیٹی کا نام امۃ الآخر رکھ دیا اب دونوں ان اوپر لکھے گئے ناموں سے ان کی برکت ہی مقصود تھی۔اور اللہ تعالیٰ بھی تو اپنے صفاتی ناموں کی لاج رکھتا ہے اور اپنے بندے کو خوش کرتا رہتا ہے مگر وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

چند روز قبل ہمارے پیارے آقا نے بھی ہومیو پیتھی ناموں کی ایک دلچسپ بات سب کو بتائی ہے کہ ایک بچی جس کو سلیشیا موافق آتی تھی اس کو اسی نام سے بلاتے تھے اور دوسری بہن کو براؤنیا۔ یہ دونوں ہومیو پیتھی دواؤں کے نام ہیں مگر ان کا دلچسپ ذکر سن کر سب نے لطف تو اٹھایا ہی ہوگا۔

نام کی بات نام پر ہی نہ ختم ہو بلکہ ہمیں کچھ کام کر کے بھی نام پیدا کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اپنے ناموں کی برکات سے نوازے اور والدین کی خواہشات کے مطابق نام روشن کرنے والے بنائے۔ آمین۔

(اس مضمون کو پڑھ کر حضور اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور مجھے فون بھی کیا اور پھر روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ 26 اپریل 1995 جس میں یہ مضمون شائع ہوا تھا، اس کی فوٹو کاپی کر کے مجھے بھجوائی۔ یہ میری بڑی حوصلہ افزائی تھی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء)



چابی

چابی کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی ضرورت پڑے اور اگر وہ کہیں کھو گئی ہو تو مزید اہمیت بن جاتی ہے اور نئے روپ میں بن کر پھر ہماری ضرورت پوری کرتی ہے لیکن اگر کبھی کار بند کرنے سے پہلے آپ چابی نکالنا بھول جائیں یا کبھی گھر کا دروازہ بند کرنے سے پہلے چابی ساتھ رکھنا بھول جائیں تو جو تجربہ کسی کو ہوا ہوگا وہ بتانے میں قدرے شرم یا اپنی لاپرواہی سمجھ کر کسی دوسرے کو نہ بتانا چاہے گا مگر بات یہ ہے کہ ایسے تجربے اکثر و بیشتر ہم سبھی کو ہوتے ضرور ہیں مگر کوئی بتائے تو علم میں اضافہ ہو۔ لیجئے آج میں آپ کو ایک ایسا تجربہ بتاتی ہوں جو میری سہیلی اَنَم نے مجھے بتایا اور مزے لے لے کے بتایا۔ چونکہ ہم دونوں بڑی بے تکلف سہیلیاں ہیں جبھی وہ اپنے ذاتی معاملات بھی میرے ساتھ Share کر لیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مجھ جیسے کو کچھ لکھنے کو بھی ہاتھ آ جاتا ہے اور کچھ سبق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

لیجئے سنئے کہ کیا ہوا بہتر ہوگا کہ میں اسی کی زبانی یعنی اَنَم کی زبانی بتاؤں آپ کو زیادہ اچھا لگے گا کیا بار بار یہ لکھنا کہ اَنَم نے یہ کہا اور وہ کہا......ٹھیک ہے نا۔ اَنَم نے کچھ اس طرح بات شروع کی آج ایک قصہ تمہیں سنانے آئی ہوں اگر تمہارے پاس کافی وقت ہو تو کہوں وگرنہ اگلے کسی وقت کے لئے چھوڑ دوں کیونکہ تم مجھے کافی مصروف نظر آ رہی ہو اور یوں لگتا ہے کہ گویا تم ابھی ابھی کچن کے کام ہی کر رہی ہو ہاتھوں پر Gloves چڑھا رکھے ہیں اور Apron بھی ابھی نہیں اتارا کیا کسی کی دعوت ہے؟ میں نے بتایا کہ دعوت تو شام کو ہے مگر تیاری، صفائی وغیرہ

تو ابھی سے ہی کرنا ہے نا۔ مگر خیر تم آئی ہو ضرور بیٹھوں گی اور تمہارا دلچسپ اور سبق آموز قصہ سن کر لطف اندوز ہونے کو بھی جی چاہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ رات کے کھانے پر آنے والے مہمانوں کی دلچسپی اور دل لگی مَیں اس قصہ سے کرسکوں کیونکہ اکثر یہ تو ہوتا ہی ہے کہ کھانے کے بعد گھنٹہ بھر ہم سب خوب گپ شپ لگاتے ہیں ہنستے ہنساتے ہیں چلو آج تمہارا قصہ ہی سہی۔

اچھا تو پھر سنو کہ آج صبح میرے میاں کو جاب کے لئے گھر سے بہت جلدی ٹرین پر کہیں دُور شہر سے باہر کام پر جانا تھا لہٰذا مجھے یہ کہہ کر اور خدا حافظ کر کے چل دئے کہ آج تم اِرَم کو سکول سے چھٹی کروا لینا ویسے بھی ہفتہ کا آخری دن یعنی جمعہ ہے اور اگلے ہفتے بھی چھٹی ہے کوئی بات نہیں اور آج قدرے سردی بھی ہے اور ننھے کو ساتھ لے کر کار ڈرائیو کرنا بھی مشکل ہوگا اور وہ تو یہ سب کہہ کر روانہ ہو گئے مگر جونہی پاپا کے خدا حافظ کرنے کی آواز ارم کے کان میں پڑی جھٹ کروٹ بدل کر اٹھ کھڑی ہوئی کہ مَامَا آج تو ہمارا سکول کا آخری دن ہے۔ میں نے ضرور سکول جانا ہے اور ضد کرنے لگی کہ اگرچہ آپ کے لئے مشکل ہے مجھے آپ ضرور سکول چھوڑ کر آئیں بے چاری انم کیا کرتی چاروناچار اٹھی چھوٹے بیٹے کو جو ابھی بمشکل دو ہفتے کا تھا شال میں لپیٹا اور گئی اپنی امی کے کمرہ میں کہ امی جان ذرا منے کو لیں اور میں ارم کے لئے لنچ باکس تیار کردوں یہ ضد کر رہی ہے سکول جانے کی۔ مائیں تو بے چاری ہوتی ہی ایسے دل اور جذبات کی مالک۔ جھٹ بیٹے کو گود میں لے لیا اور جیسے بیٹھی تھیں ویسے ہی شال سر پر اوڑھ کر کار میں بیٹھ گئیں کہ ابھی تو سکول چھوڑ کر ارم کو واپس آجانا ہے مگر یہ ضروری سمجھا کہ مُنّے کے دودھ کا وقت ہے اگر ٹریفک کی وجہ سے دیر ہو جائے تو کہیں امی آپ کو پریشان نہ کرے آپ اس کو لے کر ساتھ ہی کار میں بیٹھ جائیں سو ہم چل پڑے۔ آدھے گھنٹے کے فاصلے پر سکول تھا

واپسی کے سفر میں بھی کچھ زیادہ دیر نہ لگی مگر ہوا کیا کہ گھر کے دروازے کے لئے چابی تو ہم چیک کرنا بھول ہی گئے تھے جبکہ چند دن قبل انم سے اس کے میاں نے لے لی تھی تم امی کے گھر ہی رہتی ہو میں کبھی کبھی آتا ہوں تو مجھے دروازہ کھٹکانا اور کسی کو دروازہ کھولنے کے لئے آنے کی تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا۔ مگر یہ بات یاد کب تھی مجھے!! میں تو گھبرا گئی کہ چلو اپنے ہی گھر جاتی ہوں وہاں کی چابی تو ساتھ ہی ہے گھر بھی کھلا ہوگا اور جا کر اپنی چھوٹی بہن کو فون کرتی ہوں جو یونیورسٹی گئی ہے اور چونکہ لندن میں گھر کا ہر فرد چابی تو ساتھ ہی رکھتا ہے آج تو صرف مجھ سے ہی یہ بھول ہوئی ہے کسی اور سے تو کبھی نہ ہو مگر لگتا ہے کہ آج مجھے اپنی بھول کی اچھی سزا ملنا تھا۔ وائے قسمت کہ فون کرنے پر پتہ چلا کہ وہ بھی لیکچر میں ہے اور 1 بجے کے قریب فون ضرور کیا کرتی ہے۔ جب کرے گی تو کہہ دوں گی کہ چابی لینے میں آ رہی ہوں تم ذرا گیٹ پر آ جانا مگر آج تو وہ بھی نہ فون اٹھا رہی ہے اور نہ Message جو کئی بار ریکارڈ کر دیا ہے لے رہی ہے اس دوران میں مَیں نے ناشتہ خریدا اور اپنے گھر جا کر بنایا اور کھایا امی اپنے Sleeping Suit میں تھیں مگر کوٹ اور سکارف لے کر ہی کار میں بیٹھی تھیں ناشتہ کے بعد کیا کریں بچے کی ہر ضرورت کی چیز لاک پڑی ہے اور اب کیا کریں، کرتے کرتے دوپہر کے دو بج گئے، نہ فون آیا نہ کوئی صورت چابی حاصل کرنے کی، ہم نے چائینیز کھانا آرڈر کیا اور کھایا، گویا ہم Bed & Breakfast میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور اس بات کا انتظار کرتے کرتے اگر کوئی گھر کا فرد کام سے یونیورسٹی سے لوٹے تو ہم فون کر کے پتہ کریں کہ اب گھر میں داخلے کی کوئی صورت بنی ہے سو چار بجے کے قریب یہ امتحان یا سزا کا وقت ختم ہوا اور ہم گھر آئے پہنچ کر کیا دیکھا جواب تک یاد بھی نہ تھا کہ ناشتہ میز پر دھرا تھا۔ سب دروازے کھلے اور بیس کے قریب فون کے Messages تھے کہ آپ لوگ کہاں چلدیئے۔ تو یہ تھی چابی بھولنے کی میری

داستان ۔کیا کبھی تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوا ہے سارا دن کیسے گزارا کیا، کیا تجربات ہوئے اور چابی کی اہمیت اور ضرورت بہت بڑھ گئی اور یاد رکھنے کی اور دہرانے کی عادت پکی کرنے کا سبق ملا آپ بھی یاد رکھئے سفر پر جاتے ، پارکنگ لاٹ میں کار کو چھوڑتے ،شاپنگ کے لئے جاتے وقت چابی گھر میں نہ چھوڑیں ۔اگر کسی اور کو بھی دیں تو یاد سے واپس لیں وگرنہ یہ بھول بڑی آزمائش بن سکتی ہے اور ہاں موبائل فون کا بھی یہ فائدہ ہے میں تو وہ بھی جلدی میں بھول گئی تھی وہ بھی لے جانا نہ بھولئے میری دعا ہے کہ انم کی کہانی سن کر تو سبھی اپنی اپنی یادداشت پرزور دیکر چابی ساتھ لیکر جائیں گے اور کبھی تکلیف نہ اٹھائیں گے ۔اف خدایا کتنی پریشانی ایک چھوٹی سی بھول کے بدلے اٹھانا پڑی ۔



چھوٹی سی بات

بات چھوٹی ہو یا بڑی، بات کرنے والے کہنے والے اور سننے والے کے انداز اور اثر کو ضرور قبول کرتی ہے۔ جو بات میں کئی برسوں سے اپنے دل میں رکھے ہوئے ہوں اس کا اثر میرے دل کی گہرائی تک اور زبان کی حرکت کے بعد شاید ہر صبح ہی کچھ یاد دلا جاتا ہے۔ وہ یہ پیارا دعائیہ شعر ہے جو ایک فریم میں لکھا میرے بستر کے سامنے آویزاں ہے۔ روزانہ جب میری آنکھ کھلتی ہے، وقت دیکھنے کیلئے جونہی کلاک پر نظر پڑتی ہے ساتھ ہی اس شعر کو ضرور پڑھ کر کچھ سنہری اور نہ مٹنے والی یادوں میں کھو جاتی ہوں۔ اور بہت دعا کرتی ہوں۔ لیجئے پہلے آپ بھی اس شعر کو تو پڑھئے نا!

یہ درّ عدن سے نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کا شعر ہے جو مجھے بے حد پسند ہے۔ وہ یہ ہے:

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

میں اس میں 'ہم' کہنے کے ساتھ ہی 'سب پر رہے ہمیشہ' ضرور کہتی ہوں۔ ہاں تو بات سے بات بن جاتی ہے کہ یہ شعر جو اکثر زبانی پڑھا کرتی تھی ایک بار اپنے ابا جان حضرت مولانا ابو العطاء جالندھری صاحبؒ سے کہا کہ ابا جان مجھے آپ اپنے کاتب سے اسے خوبصورت لکھائی میں لکھوا دیں۔ میں نے اس کو فریم کروا کر رکھنا ہے۔ چونکہ ان دنوں ''نورالدین'' کاتب مشہور تھے اور ابا جان کے رسالہ الفرقان کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ہم

نے اکثر گھر میں ابا جان کی زبانی ان کا نام سن رکھا تھا۔ ابا جان نے مجھ سے کہا کہ یہ شعر تم اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھ کر دو۔ میں نے جھٹ اسی وقت لکھ کر دے دیا۔ کافی دنوں کے بعد میرے گھر دارالعلوم واقع ربوہ میں ابا جان تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے کہا کہ اچھی سی چائے تو پلاؤ۔ میں بہت خوش ہوئی کہ ضرور کوئی خوشی کی خبر بتانا ہوگی جو ایسے فرمائش کی ہے۔اور کافی خوش بھی نظر آ رہے تھے۔میں نے جلدی جلدی چائے مع لوازمات کے خوبصورت کپوں میں پیش کر دی۔ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بچوں سے خوب باتیں کر رہے تھے کہ مجھ سے کہنے لگے کوئی اور بات بتاؤ نا! مگر یوں لگ رہا تھا کہ کوئی بات ان کے دل میں ہے جو چھپائے ہوئے تھے۔ میں نے ہی کہہ دیا کہ آج ضرور کوئی بات ہے۔آپ مجھے بتانا چاہ رہے ہیں اس پر خوب محظوظ ہوتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ بس تم سے مزید انتظار نہیں ہو رہا تو لو یہ تمہارا شعر لکھوا لایا ہوں جو ایک خوبصورت فریم میں سجا کر لائے تھے۔اسقدر خوش تھے۔ گویا مجھے خوش دیکھ کر ان کو بھی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

میں نے اپنے ابا جان کو گلے لگا کر بہت پیار سے ان کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ ابا جان اس کو لکھنے کی کیا قیمت میں نے کاتب صاحب کو ادا کرنا ہے۔اس پر ابا جان نے مجھ سے کہا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے آخر پر جو درخواست دعا ''نورالدین'' کے الفاظ لکھے ہیں یہ ان کی اجرت ہے اور تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم ان کیلئے ہمیشہ دعا کرنا۔

اب دیکھئے نا قارئین ہے تو چھوٹی سی بات نا مگر وزنی ہے کہ اگر کسی کے لئے روزانہ دعا کی جاتی ہو تو کتنا اچھا ہے۔ میں اس ضمن میں اپنے پیارے ابا جان مرحوم کیلئے تو روزانہ دعا کرتی ہی تھی مگر ساتھ میں ان صاحب کیلئے بھی دعا یاد رہتی ہے۔ وہی بات کہ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ میں اپنے پیارے ابا جان کی اس

پیاری دعا اور پیاری ادا کیلئے ان کی بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ آپ سب بھی ان کو اور میری امّی جان کو، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔



ایک سبق آموز کہانی

یہ کہانی شہر مکہ سے شروع ہوتی ہے جہاں ایک غریب نو جوان رہتا تھا۔ جسکا نام ابو بکر محمد تھا۔ یہ نو جوان اسقدر غریب تھا کہ کئی کئی وقت کھانے کو روٹی نہ ملتی تھی لیکن ایماندار اور نیک اسقدر تھا کہ کسی کی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ ایک دن ابو بکر محمد بازار میں جا رہا تھا کہ اسے ایک گری ہوئی پوٹلی دکھائی دی، جو سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے وہ پوٹلی اٹھا لی اور اسے کھول کر دیکھا تو اس کے اندر سے ایک ''چندن'' ہار نکلا۔ ''چندن'' ہار ایک عورتوں کا گلے میں پہننے والا زیور ہوتا ہے جو سونے یا چاندی سے بنایا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں عورتیں یہ بڑے شوق سے پہنتی تھیں۔ جو عورتیں بہت امیر ہوتی تھیں، وہ اپنے ہار میں ہیرے جواہرات جڑوا لیا کرتی تھیں اور ایسے ہار کو چندن ہار کہتے ہیں۔

اچھا تو اس ہار کی کہانی سنیں۔ یہ ہار جو اس نوجوان کو ملا اتنا قیمتی تھا کہ اس کی ساری پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ وہ اسے فروخت کر کے امیر بن سکتا تھا۔ لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم معلوم تھا کہ جو چیز گلی کوچے میں پڑی ہوئی ملے اسے اسی طرح پڑے رہنے دینا چاہیئے۔ شاید اس کا مالک ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں آ جائے اور اپنی چیز اٹھا لے۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز اٹھا لے تو اسے چاہیئے کہ ایک سال تک اس کے مالک کو تلاش کرے۔ اگر پوری کوشش کر لے اور تلاش کے بعد بھی مالک نہ ملے تو اسے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ جب ابو بکر محمد کو یہ بات یاد آئی تو وہ چندن ہار کے مالک کو تلاش کرنے لگا اور خدا کا

کرنا کہ وہ جلد ہی اسے مل گیا۔ ایک نیک اور شریف بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے ساری نشانیاں بتا دیں اور اپنا ہار لے لیا۔ ہار حاصل کرنے بعد اس بزرگ نے ابوبکر محمد کو انعام کے طور پر کچھ اشرفیاں دینا چاہیں۔ ابوبکر محمد اس وقت بہت ہی ضرورت مند تھا اس کا دل چاہا کہ اشرفیاں لے لے۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ ان اشرفیوں کے مقابلہ میں وہ ثواب بہت قیمتی ہے جو اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کو دیتا ہے۔ اس نے اشرفیاں لینے سے انکار کر دیا اور وہ بزرگ اسے دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

یہ واقعہ گزرے کافی دن ہو چکے تھے اور ابوبکر محمد اسی طرح محتاج اور کنگال تھا۔ آخر اس نے خیال کیا کہ کسی اور ملک میں جا کر روزگار حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور ایک دن وہ کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اس کشتی میں اور بھی بہت سے لوگ سوار تھے اور خوش تھے کہ چند دن میں اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ اچانک سمندر میں طوفان آ گیا، سمندر کی تیز لہریں کشتی سے ٹکرانے لگیں اور ذرا دیر بعد ہی کشتی ٹوٹ گئی۔ ملاحوں سمیت سارے مسافر سمندر میں ڈوب گئے۔ بس ایک ابوبکر محمد زندہ بچا اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک تختہ آ گیا اور وہ اس کے سہارے تیرتا ہوا ایک جزیرے تک پہنچ گیا یہ جزیرہ تھا تو چھوٹا سا۔ لیکن اس میں رہنے والے نیک اور دیندار لوگ تھے اور ان سب کا مذہب اسلام تھا اور اپنے مذہب کے حکموں پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ ابوبکر محمد کو جزیرے میں پا کر سب نے ایک مسلمان ہونے کے ناطے ایک مہمان کی طرح اس کی مدد اور خدمت کرنا شروع کر دی اور پھر جلد ہی مستقل رہائش کیلئے ایک اسکول میں ملازمت اور جگہ دے دی جس سے اچھی طرح باعزت طور پر گزارہ ہونے لگا اور آرام سے دن کٹنے لگے۔ چونکہ یہ نوجوان بہت ہی نیک دل انسان تھا۔ اپنی کمال کی خوبیوں سے جزیرے کے لوگوں کو

آرام پہنچاتا، پڑھاتا اور ہر ایک کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا۔ جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے نیکی ایسی چیز ہے جس کی خوشبو چاروں طرف پھیلتی ہے۔ ابوبکر محمد کی نیکی کا چرچا ہر طرف ہونے لگا۔ اور کئی بڑے بوڑھوں نے آپس میں مشورہ کر کے اس کی شادی کے بارہ میں اس سے آ کر پوچھا کہ:

''ہمارے جزیرہ میں ایک بہت ہی نیک انسان رہتا تھا، کچھ ہی دن ہوئے اس کا انتقال ہوا ہے اور اب اس کی اکلوتی بیٹی جو نہایت خوبصورت اور سلیقہ مند ہے اکیلی رہ گئی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو اس کے ساتھ آپکا نکاح کر دیا جائے؟''

ابوبکر محمد رضامند ہو گیا۔ اور اس لڑکی سے اس کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد اس نے اپنی بیوی کو جو دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کے اندازے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ بلکہ اس نے اپنے گلے میں وہی ہار پہن رکھا تھا جو مکّے کے بازار میں اُس بوڑھے کو اِس نے دیا تھا۔ اس نے بیوی سے ہار کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا ''یہ ہار میرے ابا جان نے میرے لئے خریدا تھا'' اس نے اس ہار کے گُم ہو جانے اور پھر مل جانے کا قصہ بھی سنایا اور یہ بھی بتایا کہ جس ایماندار نوجوان نے یہ ہار واپس کیا تھا، میرے والد صاحب اُسے ہمیشہ یاد کرتے رہتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔

یہ بات سن کر ابوبکر محمد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ جس نوجوان نے یہ ہار واپس کیا تھا وہ میں ہی ہوں اور اسی وجہ سے حیران ہوا تھا کہ ہار تمہارے پاس کیسے آ گیا؟

اس کی بیوی نے کہا:

''یہ آپکی نیکی کا انعام ہے۔ نہ صرف آپکو یہ ہار مل گیا بلکہ وہ لڑکی بھی مل گئی جس کیلئے یہ خریدا گیا تھا۔''

نوجوان نے کہا:

''بے شک یہ خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی معمولی سی نیکی کا بھی بہت بڑا اور اچھا بدلہ دیتا ہے۔''

دونوں میاں بیوی نے سچے دل سے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر عزت و آرام سے زندگی گزارنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ابوبکر محمد کی عزت اور دولت روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ دین کا ایک بہت بڑا عالم مانا گیا۔ کتابوں میں جس قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری کا نام آتا ہے وہ یہی ابوبکر محمد ہیں۔

سچ ہے نیکی کرنا بے حد ثواب اور برکت کا موجب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی کوئی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ بس نیکی کر دریا میں ڈال۔ نیکیاں کرتے چلے جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیکی کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔



اُذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ

حضرت سیدہ آپا آصفہ بیگم صاحبہ کا ذکر خیر

اک نہ اک دن جانا تو سب کو ہی ہے اس دنیائے ناپائیدار سے۔ مگر کچھ ہستیاں اور کچھ عزیز ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جانے سے نہ صرف ایک خلاء محسوس ہوتا ہے بلکہ ان کی یاد بھی کبھی دلوں سے محو نہیں ہوتی اور ان کا پیارا پیارا مسکراتا ہوا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور دل بے چین ہو جاتا ہے۔ وہ ہیں ہماری پیاری آپا جان آصفہ بیگم صاحبہؒ جو ہمارے پیارے آقا و مولا و امامنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اہلیہ محترمہ تھیں اور ساری جماعت کے لئے ایک روحانی ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔ یہ صدمہ اس قدر بھاری ہے کہ اس وقت آپ کی سیرت کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا مشکل ہے۔ اس عظیم سانحہ کو جہاں ساری جماعت اور خاص طور پر مستورات نے محسوس کیا ہے وہاں یہ صدمہ لجنہ لندن اور بہنوں کیلئے بہت بڑا ہے۔ حضرت آپا جان کا ایک تعلق تھا جو ہم سب بہنوں سے لندن آنے پر ہو گیا تھا آپ بہت ملنسار اور محبت کرنے والی تھیں آج میں ان کی یاد میں چند سطریں لکھ کر ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں۔

ہماری پیاری آپا جان جو ہم سب کی پیاری تھیں اور آپ کی سیرت اور صورت کی طرح آپ کی مہمان نوازی اور ہمدردی اور حسنِ خلق سے عالمگیر لجنات اور خاندان اور ساری

جماعت واقف ہے۔آپ کو خدا نے سیرت کے حسن کے ساتھ ساتھ صورت کا بھی حسن عطا کیا تھا۔آپ نہایت دھیمی آواز میں بات کرتیں مگر بڑے کام کی بات کرتیں، زیادہ باتیں سن کر تھوڑی سی بات میں مختصر جواب دیتیں۔آپ اپنی خاموشیٔ طبع کی وجہ سے مجلسوں میں جانے سے شروع شروع میں ذرا گھبراتی تھیں مگر جہاں جانا ضروری اور تعلقات کی وجہ سے بعض اوقات مجبوری بھی ہوجاتا ہے ضرور تشریف لے جاتیں اور ناسازیٔ طبع کی وجہ سے بھی زیادہ دیر نہ بیٹھتیں اور معذرت کر کے اجازت لے لیتیں۔آپ کو حضور کی رفاقت کا لمبے عرصہ تک موقع ملا مگر خلافت کے بعد دس سال کا عرصہ آپ نے جس قدر وفاداری اور ہمت سے ساتھ دیا اگرچہ صحت نے ساتھ نہ دیا تاہم ہمہ وقت آپا جان کو حضور کے آرام اور کھانے وغیرہ کا فکر رہتا تھا۔میں نے کئی بار جب آپ سے یہ کہا کہ آپا جان ہم آپ کے بھی ممنون ہیں کہ آپ ہمارے حضور کا اتنا خیال رکھتی ہیں، ماشاءاللہ جبھی تو حضور کی صحت اچھی ہے اور حضور اس قدر جماعت کے کام کرتے ہیں سارا سارا دن مصروف رہتے ہیں بلکہ راتوں کو بھی دیر تک مصروف رہتے ہیں تو آپ نے ہمیشہ یہ کہا کہ نہیں میں تو کچھ بھی نہیں کرتی یہ اللہ کا فضل ہے۔حضرت آپا جان بہت سمجھدار، سلیقہ شعار اور کفایت شعار بھی تھیں اور بھی بہت سی خوبیوں کی مالک تھیں مگر کبھی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھا امیروں کو بھی ویسے ہی ملتی تھیں جیسے غریبوں کو بلکہ غریبوں سے کچھ زیادہ اور نوکروں سے بھی پیار کرتیں اور ان کا خاص خیال رکھتیں اور مختلف مواقع پر ان کی مدد کرتیں۔

مجھے حضرت آپا جان سے پاکستان میں خلافت رابعہ سے قبل تو ایک دو بار ہی ملنے کا موقع ملا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں بیرون پاکستان بیاہی گئی اور صرف جلسہ سالانہ کے لئے تین سال کے بعد پاکستان جانا ہوا کرتا تھا اس لئے کوئی خاص پہچان نہ تھی مگر 1984 پر آپ کے انگلستان

آنے پر میرے ان کے ساتھ گہرے مراسم ہو گئے مسجد کے قریب رہنے کی وجہ سے میری دونوں بیٹیاں عزیزہ امۃ الرافع سلمہا اور عزیزہ بشریٰ سلمہا بھی دوسری بچیوں کی طرح بیگم صاحبہ کے پاس مقررہ ڈیوٹی دیا کرتی تھیں اوراس طرح ان کو کئی کئی گھنٹے ان سے باتیں کرنے اور بہت کچھ سیکھنے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا اس طرح بچیاں ان کے بہت قریب ہوتی گئیں یہاں تک کہ جب ڈیوٹی کا دن نہ بھی ہوتا صرف ملنے کے لئے چلی جاتیں۔آپا جان اکثر ڈیوٹی پر آنے والی بچیوں سے اوران کی ماؤں سے بھی بہت محبت کرتیں اور ملاقات کے لئے ہمیں وقت دیتیں۔کبھی کھانے کا وقت ہوجاتا تو اصرار کر کے روک لیتیں اور پاس بٹھا کر کھانا کھلا کر واپس جانے دیتیں۔کئی مرتبہ بچیوں کو خود فون کر کے بُلایا کہ آج خاص مہمان آنے والے ہیں اور کھانے کی میز سجانا ہے اور یا کبھی کمرے کے لئے پردے لگانے ہیں اور کبھی شاپنگ کے لئے بھی جانا تو بچیاں خود اپنی خدمات پیش کر کے خوشی محسوس کرتیں گویا آپا جان نے سب کے دلوں میں گھر کر لیا تھا آپ سے ملنے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا اور آپ کبھی نہ گھبراتیں باوجود طبیعت کی خرابی کے سب ملنے کے لئے آنے والوں کو وقت دیتیں، مشورے دیتیں، خوب خاطر مدارات کرتیں اور جوں ہی نماز کا وقت ہوجاتا آپ سب سے اجازت لیکر اپنے کمرہ سے ملحقہ لائبریری میں نماز ادا کرنے چلی جاتیں۔آپ بڑی باہمت صابر وشاکر تھیں۔دیارِغیر میں آکر اپنے گھر کو یاد کرنا طبعی امر تھا1989 میں مَیں قادیان اور ربوہ گئی تو آنے پر ملاقات کرنے گئی تو پہلی بات یہ پوچھی کہ ہمارے گھر بھی گئی تھیں......کیسا تھا، صاف تھا نوکروں نے اچھا ہی رکھا ہوگا یہ سب باتیں آپ کی نفیس طبیعت کی ترجمانی کر گئیں۔آپ کو صفائی اور سلیقہ، قرینہ بے حد پسند تھا اور آپ باوجود ناسازیٔ طبع خود اٹھ اٹھ کر یا بار بار کام کرنے والیوں کو کہہ کر ہر چیز کی ترتیب پالش اور زیبائش کا خیال رکھتیں اور کسی کام کو عار نہ

سمجھتیں۔ کچن میں خود کام کرتیں۔

حضرت آپا جان نے میری بیٹیوں کی شادی کے سلسلہ میں بڑی مدد کی رشتہ طے کرنے سے لے کر رخصتانے تک ساتھ دیا۔ مشورے دیئے بچیوں کے جہیز دیکھنے خود بنفسِ نفیس پیدل چل کر میرے غریب خانہ پر تشریف لاتی رہیں اور ہر ہر جوڑا دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور دعاؤں سے بچیوں کو رخصت کیا اور اب تک دعائیں دیتیں اور یاد کرتی تھیں اگرچہ پڑھنے والوں کے لئے یہ باتیں معمولی ہوں گی مگر میرے لئے ایک انمول یادیں اور انعام ہیں جو آپا جان نے وقتاً فوقتاً جوڑے ٹانکنے اور دوپٹوں پر گوٹا کناری اپنے ہاتھوں سے ٹانک کر دیا اور بے شمار تحائف ان کو دیئے جواب بطور یاد ہو گئے ہیں۔ دراصل اس تحریر کے ذریعہ اپنی شفیق اور ہمدرد، مونس و غمخوار آپا جان کو یاد کر کے دعاؤں کی درخواست کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور جانے والی اس پیاری ہستی کی پیاری بیٹیوں کا خود حافظ و ناصر ہو۔ کبھی بچیوں کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں، ماں کا تو کوئی بدل نہیں اور وہ تھی بھی ایک عظیم ماں جس نے ہم عورتوں کے لئے اپنی زندگی ایک نمونہ بنادی اور بالآخر دیارِ غیر میں اپنے مالک حقیقی کے بلاوے پر بڑی ہی پرسکون حالت میں رخصت ہو گئیں۔ اکثر سننے میں آیا ہے کہ بچوں کی ماں کو تو بلاوا آنے پر بھی اس دنیا سے جانا مشکل ہوتا ہے اور آخری گھڑیاں تکلیف دہ مگر ہماری آپا جان جس طرح مطمئن اور سب کو تسلیاں دیتیں گئیں یہ ان کی روحانیت اور نیکی اور حضور انور کی رفاقت کی وجہ سے تھا کہ ایک لفظ بھی گھبراہٹ یا بے قراری کا منہ سے نہ نکلا۔ بڑی لمبی اور تکلیف دہ بیماری نہایت ہی صبر اور دعائیں کرتے اور امیدوں کے سہارے گزارا۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی گود میں لیا ہے اور وہ شہادت کا درجہ پا گئی ہیں۔ ہم بھی اللہ کی مرضی پر راضی ہیں آخر ہم سب نے بھی ایک دن اسی کے پاس جانا ہے۔

آپا جان کی سیرت کی باتیں اتنی اچھی اور اتنی زیادہ ہیں کہ شاید بہت کچھ لکھنے والے لکھیں گے مگر چند اور خوبیاں جو مجھے ان کے قرب کی وجہ سے معلوم ہوئیں میں لکھنا چاہتی ہوں ۔ذکر کے طور پر ایک یہ بڑی صفت تھی کہ کبھی کسی کا نام لے کر اس کی بات نہ کرتی تھیں بلکہ ہمیشہ راز رکھتی تھیں اور یوں کہہ دیتیں کہ ''میں نے سنا ہے'' جب پوچھو کہ آپا جان کس سے سنا ہے تو کبھی نہ بتاتیں اور بات کی تصدیق کرا لیتیں کہ واقعی اس طرح ہوا تھا یا یہ بات تھی اور مشورہ بہت اچھے طریقے سے صحیح دیتیں اور اپنے خاندان کی مثال دیتیں کہ ہمارے خاندان میں تو ایسے ہوتا ہے یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بہت ذکر فرماتی تھیں کہ یہ کہا کرتے تھے یا اس طرح پسند کیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھی تھی ایک عورت آپ سے مشورہ لینے آئی کہ آپا جان کیا کروں لڑکا اچھا ہے، مگر دوسری شادی ہے اس کا ڈر لگتا ہے۔آپ نے بڑے ہی بھولے منہ سے کہہ دیا تو کیا ہوا دوسری شادی ہے ہم نے بھی تو کی ہے اپنی بیٹی کی اگر لڑکا اچھا ہے تو کوئی حرج نہیں دیر نہ کریں آج کل اچھے لڑکے مشکل سے ملتے ہیں ۔اگر کبھی کسی عورت کا اپنے میاں سے جھگڑے کا علم ہوتا تو بڑا دکھ محسوس کرتیں اور کہتے سنا کہ مردوں کو عورتوں کی قدر کرنی چاہئے ان جھگڑوں کی وجہ سے بچوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

آپ نے کئی یتیم بچوں کی پرورش، تعلیم اور شادی خود اپنے ہاتھوں سے کی اور آج تک ان سے اور ان کی اولاد سے پیار و محبت کا سلوک کرتی رہیں جبھی تو وفات کے موقع پر بہت سے لوگ آپ کی پیاری باتوں اور سلوک کو یاد کر کے اشک بار تھے آپ کا اپنا انوکھا انداز تھا۔ لباس ، اور گھر کی سجاوٹ میں خاص ملکہ حاصل تھا ، بظاہر معمولی کپڑوں سے ایسے ایسے اعلیٰ لباس کے ڈیزائن بنا لیتیں کہ ہم دیکھتے رہ جاتے کپڑوں کو بڑا چھوٹا کرنے کی ایسی صلاحیت

اور ہاتھ میں صفائی تھی کہ خوبصورت ربن اور لیسیں لگا کر بناتیں کہ پتہ بھی نہ چلتا کہ ہاتھ کا بنا ہے یا بازار سے خریدا ہے۔ گھر کے آرائش اور عمدگی سے سجاوٹ میں تو کمال حاصل تھا رنگوں کے امتزاج میں پردوں اور قالین اور صوفہ تک کا میچ کر کے کمرے کو ایسے بدل ڈالتیں کہ دیکھنے میں کمرہ بڑا روشن اور کھلا دکھائی دینے لگتا اور کام ایک ڈگری ہولڈر ڈیزائنر کا کیا ہوا معلوم ہوتا۔ یہ سب خوبیاں ہماری آپا جان آصفہ بیگمؒ میں تھیں۔ اپنے ہاتھ سے سویٹر بنتیں اور اپنے نواسے نواسیوں کو پہناتیں اور خوشی محسوس کرتیں اور بنتیں بھی اس قدر تیز کہ ہم پاس بیٹھے ہیں اور آپ بنائی کر رہی ہیں اور دیکھتے دیکھتے سویٹر کا آدھا حصہ تیار کر لیتیں حالانکہ اون بے حد نرم اور باریک استعمال کرتیں بڑی ہی سلیقہ شعار تھیں اور خداداد صلاحیتوں سے تھوڑے خرچ میں بھی زیادہ چیزیں سنوار کر بنا لیتیں پان رکھنے کے لئے پاندان کی سجاوٹ، چوڑیوں اور زیوروں کے رکھنے کے ڈبے کپڑوں پر گوٹے لگا کر بنا کر ایسے ایسے تحائف تیار کرتیں کہ ہم حیران رہ جاتے۔ سویٹروں کی بنائی سے یاد آیا کہ ایک مرتبہ آپا جان ایک خوبصورت رنگ کا چھوٹا سا سویٹر بن رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کے لئے بن رہی ہیں تو بتایا کہ منیر الدین صاحب شمسؔ کی بیگم امید سے ہیں میں نے سوچا کہ میں خود اپنے ہاتھ سے بن کر یہ سویٹر ان کے بچے کو تحفہ دوں گی میں نے پوچھا کہ آپ نیلے رنگ کا سویٹر بنا رہی ہیں (چونکہ نیلا رنگ عموماً لڑکے کے لئے ہوتا ہے) کیا پتہ اگر بیٹی ہوئی تو۔ تو کہنے لگیں اسی امید پر بنا رہی ہوں انشاء اللہ بیٹا ہی ہوگا اور اللہ کے فضل سے بیٹا ہی ہوا اور وہ خوش قسمت بیٹا ہے جس کو آپ نے دیئے ہوں گے مگر مجھے صرف اس کا ہی علم ہے۔

بڑی دریا دل تھیں اور بڑے اچھے اچھے تحفے دیتیں اور دے کر یہی سمجھتیں کچھ بھی نہیں دیا یا کیا اور دوسروں کا احسان کبھی نہ رکھتیں ان کے لئے کوئی ذرا سا کچھ کر دیتا ہزار بار شکریہ ادا

کرتیں اور یاد رکھتیں اور بار بار ذکر بھی کرتیں۔ میری بیٹی امۃ الرافع سلمہا جو کیلیفورنیا میں ہیں آپا جان وہاں تشریف لے گئیں تو اس کے گھر بھی گئیں اس کے ساتھ شاپنگ کو بھی گئیں اور اس کا بے حد شکریہ ادا کیا مجھ سے کئی بار ذکر کیا کہ امۃ الرافع نے میرا بڑا خیال رکھا لجنہ کا بھی بڑا کام کرتی ہے صدر ہے مگر پھر بھی مجھے بہت وقت دیا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں ہوسکتا ہے پڑھنے والوں کو معمولی لگیں مگر میں اپنی آپا جان کے حسن خلق اور عمدہ اخلاق کا تھوڑا سا ذکر کر کے اُذْکُرُوْا اَمْوَا تَکُمْ بِالْخَیْرِ کے مطابق آپ کے لئے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کی بارش آپ پر، آپ کی سب بچیوں پر ہمیشہ کرے اور کبھی کوئی دُکھ نہ دکھائے۔ آمین۔

لین دین میں معاملہ اس قدر صاف رکھتیں کہ ایک چیز جو خود کہہ کر منگوائی ہے، ضرور رقم ادا کرتیں اور بعض اوقات بہنیں یہ کہتیں کہ آپا جان یہ تو معمولی چیز ہے کیوں ایسے کرتی ہیں ۔مگر آپ کو چین نہ آتا جب تک کہ چند پونڈ بھی یا پینس بھی ادا نہ کر دیتیں۔ کئی بار ہماری طبیعت پر بوجھ ہو جاتا تھا اس طرح رقم لینے سے مگر ان کی خوشنودی اسی میں تھی کہ اگر آج پیسے نہ لوگی تو آئندہ کبھی تم سے کوئی چیز نہ منگواؤں گی۔

بزرگ خواتین سے بہت خلوص سے بڑھ کر خود ملتیں اور دعا کی درخواست کرتیں حال احوال پوچھتی رہتیں حضرت مہر آپا کی بڑی عزت کرتیں اور جب آپ کے آنے کی اطلاع آئی تو ان کے آرام کے لئے کمرہ تیار کرواتیں اور تمام سہولتوں کا انتظام کرواتیں۔ حضرت سیدہ مہر آپا جان بھی آپا جان آصفہ بیگمؒ کی بڑی تعریف کیا کرتیں اور آپ کی خوبصورتی اور عمدہ اخلاق کی باتیں ہمیں بتایا کرتیں۔ آپا جان کی طبیعت میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور خدا نے آپ کو ایسا ہنستا مسکراتا چہرہ بھی دیا تھا کہ مسکراہٹ بہت سجتی آپ ہماری لندن میں ہونے والی محفلوں کی روح رواں ہوتی تھیں اور ہمیشہ مسکراتے چہرہ کے ساتھ کئی کئی گھنٹے رونق افروز

رہتیں اور کھیلوں اور اجتماعات پر انعامات بچیوں کو اور بہنوں کو خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتیں۔

ہمارے حضورؒ نے آپا جان کو پاکستان کا گھر چھوڑنے پر ذرا بھی رنجیدہ نہ ہونے دیا بلکہ اجازت دی کہ جس طرح تمہارا دل چاہتا ہے لندن والے گھر کو بنالو مگر اخراجات زیادہ نہ کرنا۔ یہ بات آپا جان نے مجھے خود بتائی وہ اس طرح کہ ایک ملاقات کے دوران کئی فون آئے اور آپا جان کو بار بار اٹھ کر فون کے پاس جانا پڑتا اور بات کر کے واپس آتیں اور پھر فون آجاتا میں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کی طبیعت بھی اچھی نہیں تھی میں نے کہا آپا جان آپ کے پاس 'کورڈ لیس فون' ہونا چاہیئے جھٹ کہنے لگیں آپ کا کہنا مجھے پسند ہے مگر یہ کہتے ہیں یعنی حضور کہ پہلے ہی گھر کی تبدیلیوں اور بناوٹ اور مرمت پر کافی اخراجات اٹھ گئے ہیں مزید نہیں کرنا۔ یہ شکوہ کے رنگ میں نہیں کہا بلکہ یہ بتانے کے لئے کہ اخراجات کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے، بڑھاؤ نہ۔

حضورؒ آپا جان کا بہت خیال رکھتے تھے آتے جاتے ان کا حال پوچھتے اور دوائیاں دیتے اور کوئی نہ کوئی ہنسی مذاق کی باتیں کر کے آپا جان کو ہنسا کر نیچے دفتر میں کام کرنے چلے جاتے۔



عورتوں کی تبلیغی ذمہ داریاں

یہ وہ مضمون ہے جس کو سمجھنے کیلئے اور جس پر عمل پیرا ہونے کیلئے ہر احمدی کے دل میں تڑپ کا جذبہ موجزن ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ (سورۃ حٰم سجدہ آیت 34)

''یعنی اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوگی جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور جو نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

کامیاب داعی الی اللہ بننا ایک ایسا عمل ہے جس کے دائرے میں ہم سب بحیثیت افراد جماعت شامل ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کائنات ایک نظام کے ماتحت کام کرتی دکھائی دیتی ہے، موسم اپنے وقت پر آتے اور بدلتے ہیں، اسی طرح ہم سب بھی ایک نظام کے تابع ہیں جو نظام خلافت کہلاتا ہے۔

ہمیں اُن لوگوں پر رحم آنا چاہئے جن کی آنکھیں ابھی تک اس نور کو دیکھنے سے محروم ہیں اور جن کے دل اُس کیف سے نا آشنا ہیں جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں بیٹھنے اور آپ کو اپنے دل میں بٹھانے سے ملتی ہے۔ کیا ہم نہیں چاہتے کہ دنیا ان نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ ور ہو جو ہم کو حضرت مسیح موعودؑ کے طفیل ملی ہیں۔ یقیناً ہم سب چاہتے ہیں اور ہمارا فرض

ہے کہ ہم ساری دنیا کو اس گلشن کی طرف بلائیں جس میں ہر قسم کی راحت اور آرام ہے۔

آج صرف اور صرف جماعت احمدیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کو اسلام کی سیدھی اور سچی راہ کی طرف دعوت دیں۔

تاریخ اسلام ایسے عظیم الشان واقعات سے بھری پڑی ہے جو تبلیغ اسلام کے میدان میں عورتوں نے ایمان افروز خدمات سرانجام دی ہیں۔ حضرت خدیجہؓ سے لے کر حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ تک اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کی صحابیات کرامہ نے اسلام کی تبلیغ اور ترقی میں جو کردار ادا کئے ہیں وہ آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی والدہ ایک نہایت سادہ اوران پڑھ عورت تھیں لیکن اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کا روشن مینار تھیں۔ آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے ہر کونے میں احمدیت کی جاں نثار خادمات اسلام کا پرچم بلند کرنے میں کوشاں ہیں لیکن ابھی ہم اپنے پیارے امام حضرت امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ فرمان کہ تم میں سے ہر ایک کو مبلغہ اور داعی الی اللہ بننا چاہئے پر عمل کرنے سے بہت دور ہیں۔

کامیاب داعی الی اللہ بننے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین اصول بیان فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے فدائیت کا تعلق پیدا کریں اور توکل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طلبگار رہوں۔ دوسرا دین کا علم حاصل کریں اور تیسرا اپنے اندر تبلیغ کیلئے ایک جوش اور جذبہ پیدا کریں۔ فرمایا بات کرتے وقت پہلے شناسائی کرو اور ایسے دلائل پیش کرو جن کو وہ ٹھنڈے دل سے سن سکیں۔

بہار ہمیشہ نہیں رہتی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس بہار سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں

اور اپنے اندر ایسی روحانی طاقت پیدا کر لیں جوان نیک تبدیلیوں کو بدلتی اور چمکاتی رہے اور ہم مثالی داعی الی اللہ بن کر دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کا باعث بنیں۔

آج وہ وقت آ گیا ہے جب ہر طرف سے اور ہر کنارے سے لوگ فوج در فوج احمدیت کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ اب ایک نہیں، سو نہیں، ہزار نہیں بلکہ دنیا کو لاکھوں داعین الی اللہ کی ضرورت ہے۔

آئیں پورے جوش سے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک کامیاب داعی الی اللہ بن جائیں اور اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کر دیں اور اگر ہماری جان کی قربانی سے دنیا کو زندگی مل سکتی ہو تو اس جان کو تبلیغ کی راہ میں قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

پھیلائیں گے صداقت اسلام کچھ بھی ہو
جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں



رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچوں سے حسن سلوک

(یہ مضمون جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجنہ لندن کیلئے لکھا تھا)

ویسے تو آج کی اس مبارک محفل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ مگر ہماری محفل کی تکمیل کیونکر ہو سکتی ہے جب تک ہم حضور اکرمؐ کے بچوں پر احسان اور حسنِ سلوک کا ذکر نہ کریں۔ کیونکہ پہلے تو ہم سب عورتیں بھی بچے ہی تھے۔ آپؐ نے آ کر ہم لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے منع فرمایا، پھر زندہ رکھ کر ہماری نہایت پیار اور محبت سے پرورش کر کے ورثہ کی حقدار بھی قرار دیا۔ کیا بحیثیت ماں، بیٹی، بہن کے ہم سے وہ پیار کا سلوک روا رکھنے کا حکم دیا جس پر ہم سب کو قابل احترام بنا دیا۔

آپؐ نے مردوں کے حقوق اور سلوک نیز بچوں سے حسن سلوک کو خاص طور پر اہمیت دی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

> ”اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو اس صورت میں ان پر سختی کرو۔“

اس حدیث سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ سات سال کی عمر تک بچوں کو نماز کے اسباق اور اس کے آداب و ارکان اچھی طرح سکھا دئے جائیں اور پھر انکو نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے

اور باقاعدہ نگرانی کی جائے۔ وعظ و نصیحت اور تحریک و تحریص اور نگرانی کا یہ سلسلہ کم از کم تین سال تک جاری رہے۔ دس سال کی عمر پر ان کی لاپرواہی اور سستی کی صورت میں بدنی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

کیسا عمدہ طریق ہے۔ بچوں سے پیار اور محبت بھی کرو اور ان کی تربیت کی فکر بھی لازمی قرار دی ہے اور تربیت اولاد کیلئے سب سے پہلی بنیادی چیز جو قرآن اور حدیث سے نماز سے بھی پہلے معلوم ہوتی ہے وہ ان کیلئے دعائیں کرنا ہے۔ حتیٰ کہ یہ ذریعہ تربیت بچوں کی پیدائش سے بھی پہلے اختیار کرنے کی تاکید ملتی ہے۔ جب کہ ہر نمازی بچپن سے ہی یہ دعا کرتا ہے:

رَبِّ جَعَلْنِی مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ و مِنْ ذُرِّیتِی

یعنی اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

حالانکہ ابھی تو اولاد کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں اپنے دوستوں، اولاد اور بیوی کیلئے دعا نہیں کرتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے بچوں کی عبادت کا خیال نہیں رکھتے ان کی اولادیں ہلاک ہوجایا کرتی ہیں۔ اس لئے وہ اس طرف توجہ کریں اور اپنی اولادوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہ کریں۔

(الفضل 20 جون 1983ء)

حضرت رسول اکرمؐ نے جہاں بچوں کی جسمانی اور روحانی حفاظت کی تعلیم دی وہاں اس کے اعلیٰ نمونے بھی پیش فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے شفقت، دلجوئی اور ہمدردی بے مثال ہے۔ بیٹیوں کی پیدائش کو رحمت اور برکت قرار دے کر فرمایا:

''جس شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش خوش دلی سے کرے اور تعلیم و تربیت کا ہر طرح خیال رکھے تو وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح میرے ساتھ ہوگا۔''

اللہ اللہ کتنا پیار دیا بیٹیوں کو خوش دلی سے پالنے والوں کو۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ یہی نہیں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے آپ کے پاس آئے آپ نے انکو گود میں اٹھایا، گلے سے لگایا اور بوسہ بھی دیا۔ ایک بدو جو پاس کھڑا یہ دیکھ رہا تھا حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ یارسول اللہ ہم نے کبھی اپنے بچوں سے اتنی محبت اور پیار نہیں کیا۔ آپ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر خدا نے تمہیں اپنے بچوں کیلئے پیار اور محبت سے محرومی عطا کی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ حالانکہ اس بدو کے سات بیٹے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام نیک جذبات، احساسات اور اعلیٰ اخلاق بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ جب گفتگو کا وقت ہوتا تو گفتگو فرماتے۔ جب خاموشی کا موقع ہوتا تو خاموش رہتے۔ آپؐ کا یہ معمول تھا کہ آپ زیادہ مذاق نہ فرمایا کرتے تھے البتہ جب کوئی غمگین ہوتا تو اسے خوش کرنے کے لئے مذاق بھی فرماتے تھے۔ آپؐ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تُرش رو اور سخت انسان سے خوش نہیں ہوتا۔ آپؐ کا مزاح بھی دیگر معاملات کی طرح انتہائی پاکیزہ ہوا کرتا تھا۔

ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے آکر کہا یا رسول اللہ مجھے اونٹ پر بٹھالیں۔ آپؐ نے فرمایا تجھے اونٹ کے بچے پر بٹھاؤں گا۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ میں بچے پر نہیں بیٹھوں گی۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر بٹھاؤں گا۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ وہ مجھے اٹھا نہیں سکے گا۔ آپؐ نے ہنس کر فرمایا اسے بتاؤ کیا ہر

اونٹ، اونٹ کا بچہ نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دعا کریں کہ مجھے بہشت میں جگہ ملے۔ آپ نے فرمایا بہشت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی۔ یہ سن کر وہ افسردہ ہو گئیں۔ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام عورتوں کو جوان بنا کر بہشت میں بھیجے گا۔

آپؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میرا شوہر بیمار ہے وہ آپ کو یاد کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اوہو! اس کی آنکھ میں تو سفیدی ہے۔ وہ دوڑی دوڑی گھر آئی اور شوہر کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ شوہر نے کہا کیا دیکھتی ہو اس نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے اس نے کہا اللہ کی بندی حضورؐ نے سچ فرمایا ہے۔ ہر ایک کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔

آپ نہ صرف چھوٹے بچوں سے پیار اور محبت کیا کرتے تھے بلکہ چھوٹے بچوں کی ماں کا بھی اسی قدر خیال رکھتے تھے۔ ایک بار آپؐ نماز پڑھا رہے تھے اور قرأت لمبی کرنے کا ارداہ تھا کہ آپ کے کان میں کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ آپؐ کو احساس ہوا کہ اس طرح اس نماز میں دعاؤں کا سلسلہ لمبا ہوا تو بچے کو تکلیف ہو گی۔ آپؐ نے نماز چھوٹی کر دی تا کہ ماں بچے کو اٹھا کر چپ کرا سکے۔ اور ماں اور بچہ حضور کی شفقت میں شامل ہو گئے۔

پس ان ننھے بچوں پر جو آج کے بچے اور کل کے ماں باپ ہیں اور جنہوں نے مستقبل کی قیادت سنبھالنی ہے جنہوں نے اس کائنات کو اپنی خوبصورتی اور مہک سے متأثر کرنا ہے ان پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری توجہ دیتے اور ان سے محبت اور شفقت سے پیش آتے تا کہ بچے ملک وقوم وملت کیلئے درخشاں ستارے بن سکیں۔ آپ بچوں سے بہت پیار کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ

بچے بھی آپ سے مانوس ہوجاتے۔آپؐ ان کو گود میں اٹھاتے ان کا منہ چومتے اور سینے سے لگاتے ، ان کیلئے دعائیں کرتے ، ان کو دین کی باتیں سکھاتے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ درجہ کا حسن سلوک تھا کہ بچوں کو بھی آپ سے بے پناہ محبت اور لگاؤ تھا۔ بچے جب آپکو بازار یا گلی کوچوں میں دیکھتے خوشی سے اچھلتے ،کودتے ،شوق سے بھاگ کر آتے اور آپ انہیں باری باری گود میں اٹھا لیتے اور پیار کرتے۔

آپؐ کی عادت تھی بچوں کو ہمیشہ پہلے سلام کرتے۔اُن سے پاکیزہ مزاح بھی کرتے اور ساتھ ساتھ اچھی باتیں بھی بتاتے جاتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو از خود علم ہوجاتا کہ بچے آپ سے کیا چاہتے ہیں۔اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لاتے تو راستے میں جو بھی بچہ ملتا اسے پیار کرتے اور گود میں اٹھا لیتے۔اور اگر آپکے پاس کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو تھوڑی تھوڑی سب بچوں میں تقسیم کرتے۔آپؐ بچوں کو دسترخوان میں شامل کرتے۔ بچے اس بات پر بہت خوش ہوتے کہ ان کو ساتھ بٹھایا گیا ہے آپ کھانے کے دوران سمجھاتے کہ اللہ کا نام لے کر شروع کرنا چاہیئے۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، آہستہ آہستہ کھاؤ، اپنے سامنے سے کھاؤ۔ بچے کو جو چیز پسند ہوتی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دیتے اور محبت سے کھلاتے ۔ جب کھانا کھا لیتے تو بلند آواز سے الحمد للہ کہتے۔ایسا کرنے کا مقصد یہ ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور بچوں کو بھی شکر گزار بننے کی عادت ڈالیں۔کبھی کبھی بچوں کو سیر کیلئے ساتھ لے جاتے اور اُن کے معصوم کھیل میں بھی شریک ہوجاتے۔

آپکو علم ہے کہ بچوں سے کوئی نقصان ہوجائے یا کام میں دیر ہوجائے تو گھر والے سخت سزا دیتے ہیں۔مگر آپکی محبت کا یہ حال تھا کہ آپؐ نوکروں سے بھی سخت لفظ نہ بولتے تھے۔ نہ کسی کو کبھی جھڑکتے نہ ڈانٹتے۔ پھول سے بچوں کو مارنا آپکو بڑا برا لگتا تھا۔آپؐ بچوں کو کبھی

تکلیف میں نہ دیکھ سکتے۔

آپؐ نے کبھی کسی بچے کو نہیں مارا۔آپؐ بچوں کی معمولی تکلیف پر تڑپ جاتے اور کوشش کرتے کہ جلدی جلدی اس تکلیف کو دور کریں۔

آپؐ کی عادت تھی کہ بچوں کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔ایک دفعہ مدینہ کے بچوں نے مشورہ کیا کہ آج ہم لوگ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام کریں گے اور چھپ کر درخت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو انہیں علم ہو گیا آپؐ مسکرائے اور بچوں سے پہلے اونچی آواز میں سلام کہا۔

ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ایک غریب عورت میرے پاس آئی جس نے اپنی دو بچیاں اٹھا رکھیں تھیں میں نے ان کو تین کھجوریں دیں۔اس نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی۔لیکن یہ کھجور بھی انہوں نے اپنی ماں سے مانگ لی۔اس پر اس عورت نے اس کھجور کو بھی اپنے منہ سے نکالا اس کے دو حصے کئے ایک حصہ ایک لڑکی کو اور دوسرا حصہ دوسری لڑکی کو دے دیا۔مجھے اس کے مادرانہ پیار پر بڑا تعجب ہوا۔اور میں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا۔آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی وجہ سے اس کیلئے جنت واجب کر دی ہے۔یا یہ فرمایا کہ اس کی اس شفقت کی وجہ سے اسے آگ سے بچالیا۔

کتنا پیارا انداز ہے ماں کی مامتا کا اور پھر اس کا صلہ بھی کسقدر اعلیٰ ہے۔اکثر مائیں ایسے تو کرتی ہی ہیں کہ کوئی چیز جو بچے کو زیادہ پسند ہو اس کو زیادہ کھانے کو دے دیں گی اور خود کم لیں گی۔یا اگر چیز کی مقدار کم ہو تو خود ہرگز نہیں کھاتیں بلکہ یہ کہہ دیتی ہیں کہ بیٹا تمہیں پسند ہے یا تمہاری پسند کی چیز ہے تم ہی کھا لو۔مگر غربت اور بھوک کی وجہ سے منہ میں ڈالی ہوئی

کھانے والی چیز کو بچوں میں برابر تقسیم کر دینا اور خود بھوکے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بہت پیاری ادا ہے۔اور بچوں سے پیار کی علامت ہے۔جبھی اس عورت کو اس نیکی اور قربانی کا بدلہ جنت کی صورت میں عطا کیا۔

میری عزیز بہنو!اس طرح کے بیسیوں واقعات اور احادیث آپکو بتائے جاسکتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر اعلیٰ عملی نمونہ پیش کیا ہے بچوں سے حسن سلوک کا.....

ایک مرتبہ آپ ؐنماز پڑھا رہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسنؓ آپ کے کندھوں پر بیٹھ گئے اور عام بچوں کی طرح خوش ہوتے رہے۔مگر کیا مجال کہ بوڑھے نانا نے سجدہ سے سر اٹھایا ہو یا گھبرائے ہوں۔ بلکہ مسلسل اسی حالت میں دیر تک رہے اور بچہ کو اپنی مرضی سے کندھوں سے اترنے پر سر اٹھالیا اور ناراض ہونے کی بجائے پیار کیا۔کوئی اور ہوتا تو بچے کو اتار کر نیچے بٹھا دیتا اور اپنی نماز جلدی پوری کر لیتا اور بچے کو ناراض ہوتا یا ڈانٹ ڈپٹ کرتا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفقت کا نمونہ ہم سب کیلئے ایک مثال اور بے مثال ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی اصلاح کی طرف جہاں بہت توجہ دلائی وہاں یہ بھی کہا کہ اپنے بچوں کو منہ پر کبھی نہ مارو۔آپ نے ٹیلیویژن پر دیکھا اور سنا ہی ہوگا کہ چند ہی دن کی بات ہے ایک باپ نے اپنی پانچ سالہ بچی کو صرف اس بات پر اس قدر مارا پیٹا کہ وہ بے چاری مر ہی گئی۔بات صرف یہ تھی کہ یہ معصوم بچی اپنے باپ کا نام صحیح حجوں میں نہ لکھ سکی اور باپ کی بے جا غیرت یہ گوارا نہ کر سکی کہ اس کی اپنی ہی بیٹی اس کے نام کے spelling نہیں جانتی۔کس قدر ظالم لوگ آج کل اس دنیا میں موجود ہیں۔میری دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو جب بچے دے تو پھر ان کے دل بھی نرم اور محبت کرنے والے بنا دے۔ اس جگہ میں اپنی بہنوں کو غصہ پر قابو پانے کیلئے وہ دعا بھی بتائے دیتی ہوں جو کہ ہمارے آقا و مولیٰ سید ولد آدم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی ہے۔ ہم سب کو یاد کرنی چاہئے اور اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاذْهِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

یعنی اے میرے اللہ میرے گناہ بخش دے اور دور کر دے غصہ میرے دل کا اور پناہ میں لے لے مجھے دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

بالآخر مضمون کو ختم کرنے سے قبل صرف ایک نہایت ضروری بات عرض ہے جو خاص طور پر بچوں کیلئے یعنی بچوں سے تعلق رکھتی ہے، ہمیں آزمانی چاہئے یعنی دعا کریں بچے کی پیدائش سے قبل بھی دعا کرنے کی تلقین ہے۔ پھر ساری عمر بچوں کیلئے دعائیں کرتے رہنا چاہئے یہی وہ خزانہ ہوگا جو کبھی ختم نہ ہونے والا ہے بلکہ ہمارے بعد بھی ہمارے بچوں کو ورثہ میں ملتا چلا جائے گا۔ اور ہماری خواہشات جو ہماری زندگی میں پوری نہ ہو سکی ہوں ہمارے بعد ہمارے بچے پوری کر سکیں گے اور یہ ہماری طرف سے صدقہ جاریہ ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی آپ سن چکی ہیں جو میں نے شروع میں بیان کی تھی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر اور منظوم کلام میں بھی بچوں کیلئے دعائیہ شعر ملتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

شیطاں سے دور رکھیو، اپنے حضور رکھیو
جاں پُر زِ نور رکھیو، دل پُر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں، رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ کو کیا ڈر تھا کہ اُن کے بچے نیک نہ ہوں۔آپؑ کی ساری اولاد ہی پنج تن پاک تھی۔خدائی وعدوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپکو بچے عطا کئے اوران کی حفاظت وعزّت وتربیت میں خود خدائی ہاتھ تھا مگر باوجود اس کے آپ نے ہمیں کثرت سے اپنے بچوں کیلئے دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اپنے پیارے بچوں کیلئے پیار و محبت کرنے والے اور دعائیں کرنے والے ہوں۔آمین۔



یہ سنتے نہیں!

(یہ کون ہیں جو سنتے نہیں۔ کیا وہ کانوں سے بہرے ہیں یا عادتاً و ارادتاً سنتے نہیں۔ یہ بات آپ کو یہ پڑھ کر ہی معلوم ہوگی۔ تو آیئے آج ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ یہ بات ہے کیا؟)

اَنَم نے اپنی پینٹنگ زمین پر پٹختے ہوئے جب یہ جملہ کہا کہ ہزار بار کہا ہے کہ میری چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا کرو۔ دیکھونا اب کیا ہوگا اتنا بڑا نقصان کر دیا ہے۔ سارا پینٹ غلط ترتیب سے اس میں بھر دیا ہے جبکہ کل صبح مجھے یہ پینٹنگ اپنی اسائنمنٹ میں دینا تھی اور سال بھر کی کوششوں پر نمبر ملنے تھے۔ ''مگر یہ سنتے نہیں'' ہزار بار کہا ہے کہ میری چیزوں کو نہ چھیڑا کرو جہاں دھری ہیں وہیں رہنے دیا کرو۔ کبھی بھی اُمّی کے حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ چیزوں کو ترتیب سے رکھا کرو اور کام کرنے کے بعد جلد سب کچھ سمیٹ کر واپس رکھ دیا کرو۔ ننھے سہیل نے بھی کچھ ایسی ہی فرمانبرداری دکھائی۔ آپی کے کہنے کے باوجود سب رنگوں کے برش ادھر ادھر مار کر سب صفائی کر کے خوش ہو رہا تھا کہ امی اور آپی شاباش دیں گی مگر جب شور و غل کے بعد یہ آواز سنائی دی کہ ''یہ سنتے نہیں'' تو جھٹ کمرہ سے باہر آن کھڑا ہوا کہ یہ ''یہ'' کون ہیں جو سنتے نہیں۔ آپی کو گویا چور مل گیا تھا بس کیا تھا دو چار لگائیں اور سنائیں اور چل دیں بے چارہ رو رو کر تھک کر وہیں سو گیا تھا۔

ادھر امی اپنی میٹنگ اٹینڈ کرنے گئی ہوئی تھیں۔ واپس لوٹیں تو اپنے لاڈلے بیٹے کو اس

طرح بُرے حال میں سوئے دیکھ کر اپنا غصہ اَنَم پر اُتارنے کا اچھا بہانہ مل گیا وگرنہ وہ ہمیشہ بیٹیوں کا لحاظ کیا کرتی ہیں کہ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں انہیں کچھ نہ کہا جائے مگر آج تو گویا سب کچھ بھول گیا تھا۔شاید بیٹے کو جو ایسے سویا پایا تو دل بھر آیا ماں کی ماما ہوتی ہی ایسی ہے تو بولنے لگیں کہ اَنَم تمہیں تو یہ خیال رکھنا چاہیئے تھا کہ امی گھر پر نہیں ہوتیں تو بڑی بہنیں ہی چھوٹے بھائی بہنوں کی ماں ہوتی ہے ماں کے گھر سے ہی بیٹیاں یہ سب سیکھتی ہیں ۔ دیکھو نا بھائی کیسے سویا پڑا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس بے چارے نے کھانا بھی نہیں کھایا۔آؤ میرے بچے میں تمہیں کھانا کھلاؤں پہلے ، پھر بستر میں سلاؤں ، آ میرے گلے لگ جا دیکھیں کچن میں جا کر کہ تیری آپی نے کیا پکا رکھا ہے تیرے لئے ......کوکر سے ڈھکن جو اتارا تو خالی ،فرج کھولا تو وہاں بھی کچھ پکا ہوا کھانا نظر نہ آیا گویا آج امی کا غصہ قیامت بن گیا کہنے لگیں کہ امی کیا گئیں سب صفایا ہو گیا ، نظام بگڑ گیا گھر کا ، نہ بھائی کو ٹھیک سے سنبھالا اور نہ کچن میں کھانا پکانے کی طرف دھیان دیا کہ اگر کھانے کو دیر ہوگئی ہے تو میں ہی کچھ کر رکھوں کتنی بار کہتی رہتی ہوں کہ بیٹا ہنڈیا روٹی پکانا تو لڑکی کو ضرور ہی آنا چاہیئے مگر یہ ہے کہ سنتی ہی نہیں......بس پڑھائی پڑھائی ہر وقت ہوتی رہتی ہے۔

یہ آخری جملہ اَنَم کے کانوں میں پڑا جبکہ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی اسی دم اسے دروازے کی گھنٹی سنائی دی چونکہ یہ قریب ہی تھی جھٹ سے دروازہ کھولا دیکھا تو ابو جان نمودار ہوئے گویا اَنَم کو ہمدردی لینے اور ساری روئیداد سنانے کا موقع مل گیا امی کی ساری ناراضگی کی وجہ بھی بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ سہیل نے اس کے ہوم ورک کا ستیاناس کر دیا ہے جو کہ مجھے اپنا پروجیکٹ پورا کر کے کل ہینڈ اوور کرنا تھا۔اور یہ دیکھیں ابو جان اب امی خواہ مخواہ مجھ پر برس رہی ہیں اور پتہ ہے کیا کہہ رہی تھیں کہ ’’یہ سنتی ہی نہیں‘‘ ابو جان ! آپ ہی بتائیے بھلا کیا یہ سچ

نہیں ہے کہ میں کھانا بنانا اچھی طرح جانتی ہوں۔آصف کی منگنی پر اور سلیم کی آمین پر آپ کو یاد ہوگا کہ کیک اور سموسوں کے علاوہ چنوں کی مصالحہ دار چاٹ بھی تو میں نے ہی بنائی تھی اور سب لوگوں نے آپ سے پوچھا تھا کہ یہ سب چیزیں کس نے بنائی ہیں بہت مزے کی بنی ہیں۔اور ہاں ابو جانی اب آپ ہی بتایئے کہ جب آپ کی پروموشن ہوئی تھی تو آپ نے ڈنر کا سارا انتظام مجھے ہی کرنے کو کہا تھا جس میں شامی کباب، روسٹ اور بریانی تک بنانے والی میں ہی تو تھی اور ہاں یاد تو کریں کہ یہ جو گولڈ کی چین میرے گلے میں ہے آپ ہی نے تو خوش ہوکر مجھے بطور انعام دی ہے۔مگر امی ہیں کہ آج اس قدر ناراض ہورہی ہیں اور بولے چلی جارہی ہیں میری ایک نہیں سنتیں آپ پلیز ان کو بتائیں اور یقین دلائیں کہ آج ذرا پڑھائی کی وجہ سے غافل ہوگئی تھی مجھے ایسے تو نہ کہیں کہ ''میں سنتی ہی نہیں'' مجھے اچھا نہیں لگتا بلکہ افسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے خوش نہیں ہوتیں۔

اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ ''ابوحضرات'' ہی بیٹیوں کو لاڈ میں بگاڑتے بھی ہیں۔ (سارے ابو جانوں سے معذرت کے ساتھ) اور ساتھ کے ساتھ انوکھا پیار کرکے کچھ اس طرح اپنے لاڈ کا اظہار بھی کیا کرتے ہیں کہ بس بیٹا اَنَم تم ناراض مت ہو آپ کی امی خواہ مخواہ ہی تم پر خفا ہورہی ہیں کوئی اور ہی وجہ ہوگی ہوسکتا ہے ان کی میٹنگ میں کوئی بات ہوئی ہو کسی ممبر نے کچھ کہا ہو جو وہ پریشان گھر لوٹی ہیں اور سارا غصہ تم پر برس رہا ہے۔بس تم میرا کہا مانو اور جلدی سے تیار ہوجاؤ ہم مل کر باہر گھومنے پھرنے چلتے ہیں اور تم دیکھنا تھوڑی سی دیر میں سارا معاملہ صاف ہوجائے گا۔یہ کہہ کر چوہدری صاحب بیگم کے پاس آئے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بات کرنا چاہتے تھے کہ بیگم جو پہلے ہی ان ہی کی وجہ سے غصہ میں بھری ہوئی تھیں بازو جھٹک کر بولیں ایک آپ بھی ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ہزار بار کہا ہے کہ جب میں میٹنگ پر جایا

کروں تو کم از کم آپ تو گھر پر رہا کریں اور بچوں کو تو سنبھال لیا کریں۔اب دیکھیں نہ کھانا بنا ہے اور نہ ہی گھر کی صفائی ہوئی ہے اور مُنّا ہے تو وہ بھی رو رو کر سو گیا ہے بے چارہ بھوکا!!!

یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ ہمارے چوہدری صاحب ذرا حوصلے اور تحمل والے واقع ہوئے تھے پیار بھری آواز میں بیگم کو کہنے لگے اری چھوڑو! یہ کھانا وانا پکانا آج میں تم سب کو Chinese لے چلتا ہوں تم آج اپنے گلابی جوڑے میں سجی ہوئی بہت اچھی لگ رہی ہو اور میں تھکا ہوا ابھی ابھی آیا ہوں وگرنہ میں ہی کچھ نہ کچھ کھانے کیلئے بنا لیتا۔یہ سن کر بیگم سب بیویوں کی طرح اپنا غُصّہ تھوک کر ذرا مسکرا دیں اور تیار ہونے کے لئے اپنے بیڈروم کی طرف مڑی ہی تھیں کہ اَنَم تیار ہو کر سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی اور اپنے ابو سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ ابو جی! میرا خیال ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں بلکہ گھر میں رہ کر اپنا ہوم ورک مکمل کرلوں کیونکہ وقت کم ہے اور مجھے رات گئے تک جاگنا ہوگا۔تم فکر نہ کرو ہم تمہارے لئے Take Away لے آئیں گے۔اچھا ہے تم اپنا پراجیکٹ پورا کرلو آخر سال بھر کی محنت ہے ہم بھی جلد لوٹ آئیں گے۔امی ابو نے خوشی خوشی جانے کے لئے کار کی چابی لی اور دروازے سے باہر جانے ہی کو تھے کہ فون کی گھنٹی بجی......ریسیور جو اٹھایا کہ دیکھ لیں اور سن لیں کہ کوئی ضروری فون ہی نہ ہو۔دیکھو نا بہن تم تکلف وغیرہ ہرگز نہ کرنا بس میں تھوڑی ہی دیر میں تمہارے ہاں آ رہی ہوں آخر اپنی نئی نویلی دلہن کو سب سے پہلے اپنے میکے کے رشتہ داروں کے ہاں ہی لے کر جانا چاہئے نا کیا اجازت ہے نرگس جواب دو نا میری بات سن کر خاموش کیوں ہو گئیں میں تمہاری دُور کی خالہ سہی مگر ہوں تو خالہ ہی نا۔امی نے کہا ہاں خالہ ضرور آئیں میں گھر پر ہی ہوں مگر ساتھ ہی ہم یہ سن رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ تو بنانا ہوگا آخر دلہن ہمارے ہاں پہلی بار آ رہی ہے نا خواہ چارونا چار ہی امی نے کہا مگر خالہ نے ایک ہی سانس میں یہ بھی کہہ ڈالا کہ ہم زیادہ دیر

نہیں بیٹھیں گے ابھی تو ساڑھے سات ہی بجے ہیں بس ایک آدھ گھنٹہ ہی رکیں گے کیونکہ ہم نے چائے کی پارٹی تو رفعت کے گھر سے کھالی ہے اب کھانا کیا کھائیں گے تم ہرگز زیادہ تکلف نہ کرنا...... بے چاری اُمّی نے نہ معلوم کیسے اپنے دل کو مضبوط کر کے یہ کہہ دیا کہ آئیں خالہ سو بسم اللہ ضرور آئیں رات بھی اپنی ہے جگ جگ جیئے آپ کی بہورانی آج تو سلیم بھی گھر پر ہی ہیں اور انَم بھی پھر تو خالہ نے حسینہ کو بھی ساتھ لانے کے علاوہ چھوٹے سہیل کو بھی تیار ہونے کو کہہ دیا......تو اچھا پھر ہم سب ہی آرہے ہیں۔

اوئی اللہ! یہ کیا بات ہوئی بھلا اپنا بھی تو کچھ سوچا ہوتا آج خدا خدا کر کے ہم دونوں ذرا سی تفریح کے لئے باہر جانے کو تھے کہ تم نے گھر پر ہی دعوت پکانے کا پروگرام بنالیا بھلا اگر یہ کہہ دیا ہوتا کہ خالہ آج نہیں بلکہ کافی وقت لے کر دن کو آپ آجائیں اور کل یا پرسوں کا کہا ہوتا تو اچھا تھا مگر یہ جو ہیں نا آپ کی امی ''سنتی ہی نہیں'' ہم لاکھ اشاروں ہی اشاروں میں کہے جارہے تھے کہ خدارا آج ہمارا پروگرام ہے باہر کھانا کھانے جانے کا مگر کہاں سنتی ہیں یہ محترمہ ......بات پھر سننے اور سنانے پر ہی آگئی۔

آخری جملہ پھر سے پکڑا گیا اور امی جان جو اُبّو کو یہ بتانے آرہی تھیں کہ اب یہ تبدیلی پروگرام ہے۔آپ آئیں ذرا میری کچن میں تھوڑی سی مدد کر دیں مگر ابو جی کا غُصّہ تو 100 ڈگری پر چلا گیا۔ لگے چیزوں کو ادھر ادھر پٹخنے ،فریزر سے چکن نکال کر ڈیفراسٹ کرنے کے لئے رکھنے کی خاطر مائیکرو میں رکھ کر ذرا چیزوں کو ترتیب دینے میں لگ گئے۔ اُمی نے قیمہ جو اس سے پہلے نکال کر پکانے کے لئے باہر رکھ گئی تھیں دیکھا تو ڈیفراسٹ کی بجائے Cook پر رکھ گئے تھے اور اب اس قیمے کے کباب تو بن جائیں گے مگر کوفتے نہ بن پائیں گے۔ قیمہ پک جو گیا ہے اور خالہ بی نے کوفتوں کی ہی فرمائش کر ڈالی تھی اور میں نے بھی تو خواہ مخواہ پسند پوچھ کر

اپنے لئے کام بڑھا لیا۔ ادھر ننھا سہیل بھی سب کی مدد کے لئے آن پہنچا اور لگا پیاز اور لہسن کاٹنے اور چھری کو جو غلط طرف سے پکڑ کر چلایا تو انگلی پر گہرا کٹ آ گیا اور خون خرابہ ہو گیا اور لگے باجی کی الماری سے دوائیاں ڈھونڈنے مگر انہوں نے کب ترتیب سے دوائیں لیبل لگا کر رکھی تھیں کہ جلدی مل جاتیں آخر امی نے ہی بتایا کہ جاؤ میری ہومیوپیتھی Kit سے 'فاسفورس' اور 'میلی فولیم' لا کر دے دو بچہ بے چارہ نڈھال ہوا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ امی یہ کہے جا رہی تھیں کہ ہزار بار کہا ہے بچے تم ایسی خطرناک چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا کرو مگر تم سنتے کب ہو۔

جلد بعد ہی خالہ اماں بڑی دھوم دھام سے وارد ہوئیں اور لگیں اپنی بہو کے جہیز کی تعریفیں کرنے کہ اس کے آنے سے تو ہمارے گھر میں تِل رکھنے کو جگہ نہیں رہی ہر طرف سامان کے ڈھیر لگے رکھے ہیں اور ہمیں فرصت ہی نہیں کہ سمیٹیں۔ بھلا آپ نے کیوں منع کر دیا کہ جہیز نہ دیں آپ نے جو چاند جیسی نیک سیرت اور نیک صورت بیٹی ہمیں دے دی ہے اور کچھ نہیں چاہئے ہمیں، یہ بات جب میری امی نے خالہ سے کہی تو پتہ انہوں نے جواب میں کیا کہا۔ کہا ہم نے تو بہت کہا تھا مگر 'یہ سنتے ہی نہیں'۔ روزنت نئی چیزیں لئے چلے آ رہے ہیں بہو کے والدین کہ بس آپ ہماری بیٹی کو خوش رکھیں یہی ہماری خواہش ہے میں تو کہوں گی صد افسوس ایسے جہیز اور ایسے ماں باپ پر جو محض بیٹیاں دیتے اور لیتے دنیاوی چیزوں کے بدلے اور وعدے وعید بھی اسی ساز و سامان پر کرتے ہیں خوشیاں دینے کے، کاش یہ سن لیں اور وہ مان لیں اور حقیقی سکون اور راحت کے متلاشی بن جائیں۔

باتوں باتوں میں خالو جان نے ابو جان سے پوچھا بھائی دن کیسے گزرا تمہارا کیس تھا نا آج کورٹ کا! بس کچھ نہ پوچھو میں نے اپنے وکیل کو کہہ رکھا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو نفع یا نقصان تم جھوٹ ہرگز ہرگز نہ بولنا بلکہ بات صاف صاف کرنا مگر اس نے جہاں دیکھا کیس ہاتھ سے نکلتا

جا رہا ہے اور ہار سامنے ہے تو جھٹ جھوٹ کا سہارا لے کر بات بدل دی اور کیس کو طول دیکر مزید جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا گیا اب بھلا ان وکلاء کے کانوں کو بھی کچھ ہو گیا ہے کہ ہماری نہ سنیں حضور ایدہ اللہ کی بات تو سن لیں جبکہ ابھی چند روز ہوئے حضور نے کس قدر زبردست خطبہ جھوٹ سے اجتناب کرنے اور سچ کو اپنانے کے بارے میں دیا ہے ’’جو یہ سنتے ہی نہیں‘‘ کیا کروں سخت پریشان ہوں۔

اچھا چلو مزید Upset نہ ہو ساتھ ساتھ کھانا بھی تو کھاؤ نا جو تمہاری بہن نے اس قدر مزیدار بنا رکھا ہے اور سنو کچھ میری بھی آج کی کارگزاری ...... آفس میں آج سارے مزدوروں کی تنخواہ دینے کا آخری دن تھا اور میں نے بطور مینیجر تنخواہ دینا تھی اور کلرک کو تو معلوم ہونا ہی چاہیئے تھا کہ رقم بینک سے لا کر سب کے لئے Envelopes تیار رکھنا مگر وہ نالائق چھٹی پر چلا گیا اور مزدوروں کو تو کیش ہی چاہیئے تھا۔ میں ذرا جلدی اسی مقصد کے لئے دفتر گیا اور ڈاک دیکھنے لگا تو اس میں ڈھیروں خط تھے جو مزدوروں نے اپنی ضروریات اور مہنگائی کی شکایت کے ساتھ ساتھ کسی نے ایڈوانس رقم کی بھی درخواست لکھ رکھی تھی اور معقول جواز تھے کہ کسی کا بچہ بیمار ہے کسی کے گھر کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ کسی کی بیٹی کی شادی ہے اور کوئی اپنی ماں کو حج پر بھجوانا چاہتا ہے۔ اب تم ہی سوچو سبھی مجبور اور ضرورت مند تھے اور ادھر میں نے دل میں عہد کیا کہ میں آج سب کو ان کے دل کی مرادیں پوری کرنے کے لئے کچھ ترقی بھی کروا دوں گا اور سب مطالبے ضرور پورے کر دوں گا شاید اللہ میری مشکلیں بھی آسان کر دے مگر ہوا کیا کہ جونہی Safe کھولی کہ رقم نکالوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ خالی پڑا ہے۔ سر گھوم گیا مگر جلد ہی چوکیدار نے کہا صاحب! آپ فکر نہ کریں میں ابھی جا کر بنک سے رقم لائے دیتا ہوں میں ہاں کہنے ہی والا تھا کہ خیال آیا کہ آج اور کل تو ’’بنک ہالیڈے‘‘ ہے سارے بنک بند ہوں گے

اور پھر ہفتہ اور اتوار کا دن تو ویسے ہی چھٹی ہوتی ہے یہ سب بے چارے غریب کیا کریں گے یہ سوچ کر میرے دل میں ایک ایسا درد اٹھا جو کبھی نہ اٹھا تھا ڈاکٹروں نے ہارٹ اٹیک کی تشخیص کی ہے مگر شکر ہے کہ اب تو میں بچ گیا ہوں آئندہ ایسا دھکا لگا تو کیا ہوگا...... کاش ''یہ کارندے سن لیا کریں'' اور پھر عقل اور سمجھ سے اپنی ڈیوٹی دیا کریں نہ غریبوں کا دل دُکھے اور نہ امیروں کو تکلیف ہو۔

ساس بہو کا جھگڑا اور قصے بھی سب ہی نے سنے ہوں گے مگر کبھی پیار کی مثالی داستان بھی سننے میں آئی ہے؟ آئی ہوگی مگر شاذ و نادر ہی ہوگی چلیں آج میں آپ کو سناتی ہوں۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ آج کی دنیا میں یہ بات ہوسکتی ہے۔ شازیہ کی شادی کو ابھی دو ہی سال ہوئے تھے کہ مُنا بھی آ گیا تھا تھی تو بے چاری خود بھی نو بیاہتا بس یہی کوئی اٹھارہ انیس سال کی الھڑ سی لڑکی مگر ساس نے اس کو ماں کا سا پیار دے کر اپنے میکے سے بیگانہ کر دیا۔ جب بھی کوئی عزیز رشتہ دار یا سہیلی وغیرہ پوچھتی کہ کہو شازیہ کیسی ہو؟ تو جھٹ بغیر کہے سب کچھ بتانے لگتی کہ میں تو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں اس زمین پر میری امی نے کوئی سہولت یا آزادی کبھی نہ دی تھی جتنی اب مجھے ملی ہے۔ شادی کے بعد ساس ہیں کہ بس فرشتہ۔ کہتی ہیں بیٹا جہاں جانا ہو جاؤ اور جو خریدنا ہے دل بھر کر خریدو اور پہنو اور جو کھانا ہو بتاؤ میں پکا کر دیتی ہوں بس یہ کہنا بجا ہوگا کہ میں خوب عیش کر رہی ہوں نہ معلوم کیسی لڑکیاں واپس میکے چلی جاتی ہیں میں تو کبھی بھولے سے بھی اپنے سسرال والوں کو بُرا بھلا نہ کہوں اور نہ ہی سوچوں آخر یہ بھی تو ماں ہی ہیں میری نہ سہی انجم ہی کی ماں سہی۔ ایک ہی بات ہے۔ شازیہ کی سہیلی یہ بات سن کر پہلے تو چپ رہی پھر اس کو خیال آیا کہ یہ بھولی ہے اتنی خوشی کہیں مٹی میں نہ مل جائے اور یہ ہنستی کھیلتی شازیہ کبھی دُکھوں اور غموں کے گھیرے میں نہ آجائے۔ چلو میں اس کو اپنی دوستی کے ناطے کچھ

سمجھا دوں کہ ماں سے بڑھ کر اس دنیا میں تمہارا کوئی ہمدرد یا پیار کرنے والا نہیں ہوسکتا تم امی کو ضرور خط لکھا کرو۔ فون کیا کرو اور اگر جلد ہو سکے تو جا کر مل بھی آؤ۔ وہ بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گی اور منے کو دعائیں دیں گی جو ساری عمر کام آئیں گی۔ مگر شاذیہ کو یہ کہنا اچھا نہیں لگا، تم کون ہوتی ہو سمجھانے والی جاؤ اپنا کام کرو، میری مرضی جو میں نے کرنا ہے اور جب کرنا ہے، پھر نہ مجھے ایسی باتیں سنانا ان باتوں سے تو یہ لگتا ہے کہ تم مجھے خوش دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں بس آج سے میری تمہاری دوستی ختم سنا!! اور یہ کہہ کر دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی اور میں اپنا سا منہ لئے گھر لوٹی اور پچھتاتے ہوئے شرمندہ بھی ہوتی رہی کہ میں نے خواہ مخواہ بڑی بی بن کر واقعی کچھ زیادہ باتیں ہی شاذیہ کو کہہ دی ہوں گی۔ مگر شاذیہ کو کچھ بھی اثر نہ ہوا اور وہ پیار اور دولت کے نشہ میں نہ جانے کس قدر ڈوب گئی تھی جب ہوش میں آئی تو دیر ہو چکی تھی۔ شاذیہ کی بھابی نے کئی بار فون کر کے کہا تھا شاذیہ ڈارلنگ خالہ جان بہت بیمار ہیں اور تمہیں بہت یاد کرتی ہیں ایک بار تو میکے آ جاؤ اور آن کر ان سے مل جاؤ جواب میں اس نے یہی کہا تھا کہ نہ بھابی اب میں منے کی دوسری سالگرہ اور اپنی شادی کی تیسری سالگرہ منانے کے بعد ہی آنے کا پروگرام بناؤں گی بہت سارے انتظامات کرنا ہیں لہٰذا ماما سے کہہ دو کہ بعد میں آؤں گی مگر قدرت کو جو منظور تھا امی کو بلاوا آ گیا اور وہ عازمِ سفرِ آخرت ہو گئیں کاش میں نے اپنی سہیلی نادیہ کی بات سن لی ہوتی۔ یہی وہ الفاظ تھے جو وہ بار بار کہے جاتی تھی جب ماں کو آخری بار ابدی نیند سوتے دیکھا۔ ماں ماں ہی ہوتی ہے۔ اچھی بات ماننے میں خدا بھی خوش ہوتا ہے اور ماں بھی۔

دیکھو نا آج ہماری امی کا موڈ کتنا اچھا تھا مگر جب سے یہ بارش شروع ہوئی ہے امی ایک ہی بات بار بار دہرائے چلی جاتی ہیں کہ آشی! میں نے تمہیں کہا تھا کہ صحن میں ہینگر پر لٹکائے کپڑے اتار کر اندر لے آؤ بارش کے آثار معلوم ہوتے ہیں یہ نہ ہو کہ کہیں لحافوں کے کور،

تو لیے اور پردے بھیگ جائیں مگر شومیٔ قسمت مَیں بھول گئی اور وہی ہوا، مجھے یہ سننا پڑا کہ ''بچے سنتے ہی نہیں'' اگرچہ کپڑے مَیں اندر لے آئی ہوں مگر امی تو بس یہ کہتی ہیں کہ بیٹا بات سنو بھی تو وقت پر عمل بھی کرو جبھی فائدہ ہوتا ہے اب یہ بھیگے ہوئے کپڑے سُوکھ تو جائیں گے ہی دو تین روز میں، مگر ان میں نہ وہ سفیدی ہوگی اور نہ تازگی اور نہ وہ خوشبو جو اُجلے کپڑوں میں ہوتی ہے جو دھوپ میں سوکھیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی بات ہے۔ گویا کام کرو تو وقت پر ہی کرو۔ ایسے ہی بعض کارکنان صفائی کا کام وغیرہ بہت عمدگی سے کر کے سارا علاقہ صاف کر چکے تو شاباش ملی مگر جب یہ پتہ چلا کہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر جو اس روز ایک طرف کو لگا دیئے گئے تھے اب ارد گرد کے علاقوں کو متعفن کر رہے ہیں، کہا تو یہ تھا کہ صفائی کرو اور مکمل طور پر کرو۔ بعض اوقات بچوں کو امی کی بات غلط ثابت کر کے واپس لوٹانے کا شوق ہوتا ہے۔ امی بیٹھی اپنا مضمون لکھے جا رہی ہیں کہ M.T.A پر ان کے پسند کے پروگرام آنے کا ان کو بار بار بتایا گیا اور نہ آسکیں اپنے مضمون کی تکمیل میں مگن تھیں اور جب پورا کرنے کے بعد بچوں کو کہنے لگیں کہ آج میرا پروگرام آیا تھا کیا؟ کہنے لگے ہاں امی جب آ رہا تھا ہم نے آپ کو آواز بھی دی تھی مگر ''آپ سنتی کب ہیں؟''

''یہ سنتے نہیں'' کی گردان سن سن کر ہم تنگ آ گئے ہیں اور اب مزید یہ سنتے نہیں، سننا نہیں چاہتے۔ اس سنتے نہیں سنتے نہیں کے شور و غل سے نکل کر ایسے سکون و اطمینان میں آنا چاہتے ہیں جہاں آمَنَّا و صَدَّقْنَا کا ماحول ہو۔ ہر بات سنجیدگی سے سنی جائے اور سنجیدگی سے اس پر عمل ہو۔ ہر روز کتنی پیاری باتیں اور آوازیں ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں۔ کاش ہم ان پر عمل کر سکیں اور ان راہوں پر چل سکیں جن راہوں کی طرف وہ ہمیں بلاتی ہیں تا ہمیں وہ رضا اور وہ خوشنودی حاصل ہو جو ہمارے انجام بخیر کی ضامن ہے۔ OO

تربیت اولاد اور ہماری ذمہ داریاں

دور حاضر میں جہاں اللہ تعالیٰ نے جماعت کو بے مثال ترقیات عطا فرمائی ہیں اور جماعت دنیا کے کونے کونے میں باد بہار کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ وہاں جماعت کی تربیت کے تقاضے دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہماری اپنی تربیت کے معیار کو مثال بنانا اور پھر اپنی اولاد اور لواحقین کی تربیت کے ساتھ ساتھ نومبائعین کی تربیت کرنا جہاد اکبر سے کم نہیں۔

تربیت میں دو باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور انہیں کے گرد تربیت کا سارا مضمون گھومتا ہے۔ یعنی علم اور عمل۔ یہ دونوں بنیادی حیثیت رکھنے والی باتیں ہیں اور ان کے بغیر بنیادی اخلاق اور عبادات کا قیام ممکن نہیں۔ تربیت کے بے شمار مسائل ہمارے سامنے ہیں۔ اور ان سے ہم سب باخبر ہیں۔ ان مسائل کے حل کیلئے ضروری ہے کہ ہم خود احمدیت کی تعلیم کا عملی نمونہ بنیں اور اس نمونہ کے ساتھ دوسروں کو وہ بنیادی باتیں سمجھائیں جو تربیت کیلئے اہمیت رکھتی ہیں۔ بنیاد صحیح ہوگی تو تعمیر بھی صحیح ہوگی۔ اور اس طرح نسلاً درنسلاً احمدی مرد اور عورتیں دنیا کی اصلاح کیلئے روشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔ اور دنیا اسلامی، روحانی، اور اخلاقی اقدار پر گامزن رہے گی۔ تربیت دراصل پیدائش سے بھی پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔

تربیت کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ بچہ کی پیدائش پر پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کے دونوں کانوں میں اذان اور اقامت کہی جاتی ہے۔ گویا پہلے دن سے ہی بچے کی تربیت کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے بھی بچے پر ماں کی

حسن تربیت کا اثر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا ہے کہ مجھے قرآن کریم سے عشق ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں ابھی ماں کے پیٹ میں تھا تو میری ماں جو اکثر وقت تلاوت میں گزارتی تھیں وہ میں سنتا تھا اور اس کے اثرات مجھ پر مترتب ہوتے تھے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ میرے والد کو کتابوں کا بہت شوق تھا اس لئے مجھے بھی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور میں نے ہزاروں کتابیں پڑھیں اور ان سے استفادہ کیا۔ گویا تربیت کی پہلی سیڑھی والدین کی نیکی اور تقویٰ ہے۔ وہ نیک پاک اور صاف زندگی بسر کرنے والے ہوں گے تو اولاد بھی پاک ہوگی۔ کیونکہ اولاد کے اولین استاد ان کے والدین ہوتے ہیں اور ان کا پہلا مدرسہ ان کا گھر ہوتا ہے وہ ماں باپ کے نمونہ کو follow کرتے ہیں۔

تربیت کا دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ اولاد کیلئے نہ صرف دعائیں کی جائیں بلکہ انہیں بھی دعاؤں کی عادت ڈالی جائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کا ماحول کتنا پاک تھا۔ گویا جنت کا نمونہ تھا۔ لیکن آپ پھر بھی اپنے بچوں کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کے نمونے ہمیں آپ کے پاک کلام میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ مثلاً:

کر انکو نیک قسمت دے انکو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پر از نور رکھیو دل پُر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سبحان من ایرانی

دعائیں کرنے کے علاوہ آپ بچوں میں دعا کی عادت پیدا کرنے کیلئے انہیں دعا کی تحریک فرمایا کرتے تھے۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی روایت ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اکثر مجھ سے بعض اہم معاملات کیلئے دعا کیلئے کہا کرتے تھے اور پھر پوچھتے تھے کہ کیا اُن کو اس سلسلہ میں کوئی خواب آئی ہے۔حالانکہ ان کی عمر اس وقت کوئی دس گیارہ سال کی تھی۔

بچوں کو دعا کی عادت ڈالنے کیلئے نہایت ضروری ہے کہ شروع سے ہی ان کو باقاعدہ نمازوں کی عادت ڈالی جائے،نمازوں اور دعا کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اگر یہ بنیاد قائم ہو جائے تو سمجھیں کہ تربیت کا ایک نہایت اہم اور مضبوط ستون تعمیر ہو گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں:

''نماز انسان کا تعویذ ہے۔پانچ وقت دعا کا موقع ملتا ہے۔کوئی دعا تو سنی جائے گی۔اس لئے نماز کو بہت سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔اور مجھے یہی بہت عزیز ہے۔'' (ملفوظات جلد2 ص136)

''انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے۔وہ شخص جو خدا کے حضور میں نماز میں گریاں رہتا ہے امن میں رہتا ہے۔جیسے ایک بچہ جب اپنی ماں کی گود میں چیخ چیخ کر روتا ہے اور اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتا ہے۔اسی طرح پر نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانے والا اپنے آپ کو ربوبیت کی گود میں ڈال دیتا ہے۔یاد رکھو اُس نے ایمان کا حظ نہیں اٹھایا جس نے نماز میں لذت نہیں پائی۔''

(ملفوظات جلد2 ص145)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ فرماتے ہیں:

’’ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنی آئندہ نسلوں تک اسلام کی تعلیم کو محفوظ رکھتا چلا جائے۔ رسول کریم نے یہ نکتہ ایسے اعلیٰ طور پر بیان فرمایا ہے کہ اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ امر ہر شخص جانتا ہے۔ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی اصلاح میں مقدم اصلاح لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ نسل کی مائیں بننے والی ہوتی ہیں۔ اور انکا اثر اپنی اولاد پر بہت بھاری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قوم عورتوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتی اس قوم کے مردوں کی بھی صحیح اصلاح نہیں ہوتی اور جو قوم مردوں اور عورتوں دونوں کی اصلاح کی فکر کرتی ہے وہی خطرات سے بالکل محفوظ ہوتی ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ 3 فروری 1939)

’’افسوس ہے کہ لوگ اپنی نسلوں کو خودرو پودوں کی طرح بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باپ اچھا ہوتا ہے تو بیٹا خراب ہوتا ہے۔ پھر بد عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں سوسائیٹی سے۔ اچھے سے اچھا آدمی بھی اپنی اولاد کی تربیت میں قطعی طور پر ناکام رہے گا اگر اس کا ماحول اچھا نہیں اور اگر اس کے ارد گرد رہنے والے اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور اعلیٰ درجہ کی عادات اپنے اندر نہ رکھتے ہوں۔ اگر ساری قوم مل کر اپنی عادتوں کی اصلاح کر لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ نسلیں ایسی اعلیٰ درجہ کی پیدا ہوں گی۔ جن کا چال چلن نہایت مضبوط ہوگا۔ جن کے اخلاق نہایت بلند ہوں گے۔ اور جس کا جذبہ ملی اتنا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ دنیا کی کوئی قوم اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گی۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 3 فروری 1939ء)

اس سے ظاہر ہے کہ ماں باپ کے اپنے نمونہ، گھر کے ماحول اور صحبت کا تربیت پر کتنا زبردست اثر ہوتا ہے۔ اور ان تینوں باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اولاد کی تربیت کی خاطر بحیثیت والدین ہمیں ہر وقت یہ احساس ہونا چاہئے کہ ہمارے اعمال احمدیت کی تعلیم کا بہترین نمونہ ہونے چاہئیں تا کہ ہمارے بچے ہمارے عمل سے تربیت کا رنگ پکڑیں۔ اس طرح ہر احمدی گھر میں احمدی معاشرے کا ماحول ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا ہے ہمارے بچوں کا ملنا ملانا ہے وہ بھی صالحین و متقین میں سے ہوں۔

اسلام میں تربیت کیلئے ابتدائی عمر کی بہت اہمیت ہے۔ اسی لئے تعلیم ہے کہ سات سال کی عمر تک بچے قرآن کریم پڑھنا اور نماز سیکھ لیں۔ اسی حکمت کے تحت تعلیم ہے کہ ’’جب بچہ پیدا ہو اسی وقت اس کے کانوں میں اذان اور اقامت کہی جائے۔ اب بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک بچہ جو بولنا بھی نہیں جانتا جو دوسرے کی زبان کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے کان میں اذان کہی جا رہی ہے۔ لیکن علم النفس کے ماتحت موجودہ زمانے میں یہ حقیقت روشن ہوگئی ہے کہ بچہ کے کان میں جو آوازیں پڑتی ہیں وہ اس پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ فرانس میں ایک عورت تھی وہ بعض اوقات ایسی اعلیٰ درجہ کی جرمن زبان بولنے لگتی تھی کہ سننے والے حیران ہو جاتے تھے۔ حالانکہ وہ جرمن بالکل نہیں جانتی تھی۔ بعضوں نے کہنا شروع کیا کہ اس پر جن سوار ہیں تو علم النفس کا ایک ماہر وہاں گیا۔ اور اس نے دیکھا کہ وہ عورت واقعہ میں بعض دفعہ جرمن زبان میں تقریر کرنے لگتی تھی۔ اس نے عورت سے مختلف سوالات کئے۔ اور پوچھا کہ آیا اس کے والدین کہیں کسی جرمن کے پاس نوکر تو نہیں تھے۔ آخر اسے معلوم ہوا کہ اس کی والدہ ایک پادری کے ہاں ملازم تھی، جو جرمن تھا۔ اس وقت اس لڑکی کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی۔

وہ اس پادری کو ملنے کیلئے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ریٹائر ہو کر اپنے وطن چلا گیا ہے۔ وہ اس کے وطن گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر گیا ہے۔ وہ اس کے بیٹے کے پاس گیا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ کیا اس کے پاس اس کے باپ کی کوئی تقریر لکھی ہوئی موجود ہے۔ بیٹے نے کچھ خطبات لا کر دئے جو جرمن زبان میں تھے۔ اس نے اس کا مطالعہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ جو تقریر وہ عورت کرتی تھی وہ لفظاً لفظاً ان خطبات کی نقل تھی۔

غرض علم النفس نے بتایا ہے کہ انسان کے دماغ میں ایسے پردے ہیں جن پر ہر آواز منعکس ہو جاتی ہے۔ خواہ عمر کے لحاظ سے وہ ایک دن کا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل توجہ دلائی۔ اور پہلے ہی دن بچہ کے کان میں اذان دینے کا حکم دے کر بتایا کہ بچہ کی تربیت اس کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔

(تفسیر کبیر جلد 10 ص 325-324)

بچوں میں شروع ہی سے اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذیلی تنظیموں کو 5 بنیادی اخلاق کے قیام کیلئے خصوصی ہدایت دی ہوئی ہے۔ ان میں سب سے پہلے سچائی کا قیام ہے اور اس کے بعد نرم اور پاک زبان کا استعمال۔ پھر وسعت حوصلہ پھر ہمدردی خلق یا دوسروں کی تکلیف کا احساس اور پانچویں مضبوط عزم اور ہمت۔ ہماری ذیلی تنظیموں کو چاہئے کہ حضور کی اس خصوصی ہدایت کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ان پانچ بنیادی اخلاق سے اعلیٰ تربیت کا معیار قائم کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد خطبات میں سچائی اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک اقتباس پیش ہے۔ حضورؓ فرماتے ہیں:

''اس زمانہ میں سب سے بڑی ضرورت سچائی کی ہے۔انبیاء نے اس پر خاص زور دیا ہے۔اورانسانی اخلاق کا یہ ایک بنیادی حصہ ہے۔سچائی اورراستی پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو۔ بلکہ کفار کے نزدیک بھی یہ چیز بڑی قیمتی سمجھی جاتی ہےاور شاید ہی کسی زمانہ میں اسے ترک کیا گیا ہو۔مگراس زمانہ میں سیاسی اورقومی مفاد کیلئے جھوٹ کوجھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ اسے ایک ضروری چیز قرار دیا جاتا ہے۔اور یہ مرض اس قدر پھیل گیا ہے کہ ہمارے ملک میں لوگ بڑے اطمینان کے ساتھ قسمیں کھا کھا کرجھوٹ بولتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات پر ناراض بھی ہوتے ہیں کہ ہمارے اس جھوٹ کو سچ تسلیم کیوں نہیں کیا جاتا؟ سچ ایک قیمتی چیز ہے۔پھر یہ کوئی مشکل بھی نہیں آسان ترین ہے سچ۔'' (الفضل 29اپریل 1961ء)

ان سب باتوں کے ساتھ اس بات کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تربیت اولاد اور اولاد کیلئے دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں ایک پوری سورت یعنی سورۃ لقمان تربیت اولاد کیلئے ایک لامحدود خزانہ ہے۔ ہر ماں اور ہر باپ کواس سورۃ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے اور تربیت کے جو اصول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان کوحرزِ جان بنانا چاہئے۔اسی طرح سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کیلئے بہت ہی پیاری اور معنی خیز دعا سکھائی ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۔

(الفرقان آیت 75)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہیں کہ وہ ان کی زندگی میں بھی اوران کی موت کے بعد بھی ان کی نسلوں کو نیکیوں پر قائم رکھے اور ہمیشہ انکا وجود ان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہو۔

غرض اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک بندے ہمیشہ اپنی آئندہ نسل کی دینی و دنیاوی ترقیات کیلئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ تا کہ وہ نور ایمان جو ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے صرف ان کی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ قیامت تک چلتا چلا جائے اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہ آئے جس میں ان کی اولاد یا انکے متبع اور شاگرد دنیاداری کی طرف مائل ہو جائیں اور خدا اور رسول کے احکام پر دنیا کو مقدم کرلیں۔ قرآن کریم نے حضرت اسماعیل کی ایک بڑی خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ: وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم56) یعنی وہ اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے تا کہ خدائے واحد کی حکومت دنیا میں ہمیشہ قائم رہے اور ہمیشہ کیلئے نماز اور زکوٰۃ کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور یہی ہر مومن کا کام ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کی نیک تربیت سے غافل نہ رہے۔ وہاں وہ اللہ تعالیٰ سے انکے لئے دعائیں بھی کرتا رہے۔''

(تفسیر کبیر جلد 6 ص596)

اس زمانہ میں اور خاص طور پر یہاں لنڈن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلیفہ وقت کی موجودگی کی نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے۔ یعنی تربیت کا بحرِ بیکراں ہمارے درمیان موجزن ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے ہمیں تربیت کے اس چشمہ شیریں پہ لا بٹھایا ہے اور اگر اب بھی ہم اس سے سیر نہ ہوں اور بدعملی کی راہوں پر چلتے چلے جائیں تو ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے۔اس چشمہ شیریں کی ندیاں M.T.A کے ذریعہ ہر گھر تک پہنچ چکی ہیں۔اب ان سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا ہماری سمجھ کی بات ہے۔اولاد اور لواحقین کی تربیت کے ساتھ ساتھ نو مبائعین کی تربیت کی بھی بھاری ذمہ داری ہم پر ہے۔ اس کیلئے بھی حضور نے واضح ہدایات دی ہوئی ہیں۔یعنی نو مبائعین کی تربیت کیلئے ان پر ذمہ داریاں ڈالیں۔ان کو ذمہ داریوں کے غم لگائیں۔غم جو حیرت انگیز سکھ پیدا کرتے ہیں۔اور ان کو مالی قربانی کی عادت ڈالیں۔ یہ سب کام ہماری اور ہماری نسلوں کی بقاء کیلئے نہایت ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ بصیرت، وہ جذبہ، اور وہ قوت حوصلہ عطا کرے کہ ہم ان اہم ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا کرنے والے ہوں۔آمین۔



ممنونِ احسان

اکثر اخبار الفضل میں ''ممنونِ احسان'' کے تحت واقعات پڑھتی رہی۔ خیال آیا کہ شاید اگر میں کوئی واقعہ لکھوں اور آپ پسند فرمائیں تو شائع ہو سکے۔ میری زندگی میں تو بے شمار واقعات مجھے یاد ہیں اور میں اپنے محسنوں کے لئے ہمیشہ دعا کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی کیونکہ ان واقعات سے میری زندگی بنی اور میں نے سب کچھ پایا اور سیکھا ہے لہٰذا لکھنے کی جرأت کر رہی ہوں۔ آپ کو اختیار ہے اس تحریر سے جو مرضی سلوک کریں دعاؤں میں یاد رکھیں آپ میرے ابا جان کے دوستوں میں سے ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں بڑی برکت دے اور آپ کی خدمات دینیہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔ پہلا واقعہ کچھ یوں کہ ہماری شادی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کروائی۔ حضرت ابا جان (حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم) سے کہا کہ بس میں آپ کو کہتا ہوں کہ یوں سمجھیں کہ میں اپنی بیٹی کی شادی افتخار احمد صاحب سے کرنے کو کہہ رہا ہوں آپ بالکل فکر نہ کریں بس یہی وہ الفاظ تھے جن کے بعد میرے ابا جان نے بات طے کر دی اور تین دن کے اندر اندر نکاح بھی ہو گیا جو بنفس نفیس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 1958 کے جلسہ سالانہ پر پڑھا۔ دن ہفتے اور مہینے گزرنے لگے کہ چند ماہ بعد ایک لفافہ میرے ابا جان نے لا کر مجھے دیا جس پر میرا نام لکھا تھا اور مجھے کہا کہ یہ تمہارے لئے حضرت میاں صاحب (مرزا بشیر احمد صاحبؓ) نے بھجوایا ہے۔ شاید تم نے کوئی دعائیہ خط لکھا تھا اس کا

جواب ہو۔ میں نے جلدی سے لفافہ کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس لفافے میں صرف ایک لڑکے کی ''تصویر'' ہے جسے میں نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا اور نام بھی نہیں جانتی تھی۔ اور اس کو الٹا کر دیکھا تو کیا دیکھا کہ لکھا ہے: ''حق بحق دار''

یہ وہ احسانِ عظیم ہے جو حضرت میاں صاحبؓ نے مجھ پر کیا اس واقعہ سے دو سبق ملتے ہیں ایک یہ کہ امانت کو اس قدر سنبھال کر رکھا اور پھر اتنے پیار سے اس کی منزل تک پہنچایا۔ ورنہ اکثر لڑکے اور لڑکیوں کی تصاویر رشتہ کے لئے بھجوائی جاتی ہیں مگر کبھی اس طرح سے اعلیٰ اخلاق اور محبت کے سلوک جس کا دل پر گہرا اثر ہو کے ساتھ نہیں۔

دوسرا واقعہ میرے ساتھ تب پیش آیا جب فجی کے ملٹری ہاسپٹل میں مَیں داخل تھی اور اگلے روز میرا آپریشن ہونا تھا یہ 1985ء کا سال تھا رات کو جبکہ میں Nil by Mouth تھی میرے میاں میرے سرہانے بیٹھے مجھ سے اچھی اچھی باتیں کر رہے تھے میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے اور ہمت دینے کے لئے بہت سے واقعات جب جب اللہ میاں نے تکلیف سے نجات دی اور اپنے پیار سے نوازا وغیرہ وغیرہ کہ اچانک ہمارے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی (الگ رہائش کے لئے ایک کمرہ مخصوص کروایا گیا تھا) چونکہ ہاسپٹل کا ہی حصہ تھا پرائیویٹ طور پر انتظام تھا دوسرے مریضوں کے نام بھی باہر لگے بورڈ پر لکھے تھے جن کے آپریشن اگلی صبح ہی کو ہونا تھے انہیں میں سے ایک عزیزہ نے جب میرا نام پڑھا Mrs Basit Ayaz لندن سے تو ان کو میرے نام کے ساتھ خدا نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ بہن ایک تو دین حق کی پیروکار ہے دوسرے لندن سے آئی ہے مجھے ضرور معلوم کرنا چاہئے کہ کون ہے؟ بہر حال یہی وہ محترمہ تھیں جنہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب میرے میاں نے دروازہ کھولا اور سلام کہہ کر ایک طرف کو ہو گئے۔ ان محترمہ کو اندر آنے کو کہا اور خود کمرہ سے باہر چلے گئے یہ

تھیں میری محسن دیارِ غیر میں منہ بولی بہن جنہوں نے مجھے اس قدر تسلی دی کہ آپ ہرگز اپنے بچوں کا فکر نہ کریں ہم ان کا خیال رکھیں گے آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو ہم حاضر ہیں۔ اگرچہ حضرت صاحب کی دعاؤں اور توجہ اور کمال شفقت سے فجی مشن کے انچارج مربی اور ان کی بیگم صاحبہ ہمارا خیال رکھ رہے تھے مگر یہ رات کے اندھیرے میں پیار اور محبت اور خلوص کی چنگاری لے کر آئی اور پھر اسنے واقعی بہن بن کر سلوک کیا۔ اپریشن کے بعد دو روز تک جبکہ میں ہوش میں نہ تھی اس نے میرے کمرے کو پھولوں سے سجایا اور میرے میاں نے بتایا کہ آپ کے سرہانے کھڑی دیر تک رو رو کر دعائیں بھی کرتی رہی تھیں کہ اے اللہ اس ماں کو اس کے بچوں کے واسطے ہی صحت اور زندگی دے...... میری اس منہ بولی بہن نے دیارِ غیر میں جو سلوک کیا میں آج بھی اس کی ممنون احسان ہوں اور دعائیں کرتی ہوں۔ میرے صحت یاب ہونے پر مجھے اپنے گھر دعوت پر بلایا اور شاندار دعوت کے ساتھ اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ فجی ایئرپورٹ پر رخصت کیا اور الوداع کہتے ہوئے ہم ایک دوسرے سے ایسے رو رہے تھے جیسے حقیقی رشتہ ہو مگر تھا صرف اور صرف دینِ حق اور انسانی اخلاق کا تعلق۔ اے میری دور افتادہ بہن یاسمین کبھی لندن آؤ تو ضرور ملنا میں بہت ممنون ہوں گی۔

تیسرا واقعہ بھی کچھ کم احسان کا نہیں لگتا شاید کسی اور کو بھی ایسے حالات پیش آتے ہوں ہوا یوں کہ ہم ایسٹ افریقہ سے جب لندن آئے اور عارضی کرایہ کے مکان میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد دشواری محسوس ہوئی کہ گھر تو اپنا ہی اچھا ہوتا ہے ہمیں اپنا گھر خرید لینا چاہئے مگر یہ تھا ایک خیال خام ہی وہ اس طرح کہ ہمارے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا اور یہاں مکان خریدنے کے لئے Down Payment کے لئے کم از کم دس فیصد ادا کرنا ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ بیس پچیس سال تک Mortgage ادا کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں اور مکان

اپنا ہی کہلاتا ہے۔ مگر گویا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے وہ تو خیر تنخواہ میں سے ادا کرنے کی سہولت خدا نے عطا فرمادی تھی مگر کیش نہ تھا اور زندگی میں مَیں نے کبھی قرض نہ مانگا تھا مانگتی بھی کیسے کہ کبھی میرے میاں نے مجھے احساس ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ کوئی ضرورت پیش آتی اور پوری نہ کی ہو اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ کیسے کیسے سب اخراجات نہایت عمدگی سے چلایا کرتے تھے۔ مگر لندن آکر تو سب آٹے دال کے بھاؤ معلوم ہو گئے ...... ہاں تو بات حسن واحسان کی کر رہی تھی دور نکل گئی ایک مکان پسند آ گیا جو مسجد فضل سے کار میں تین منٹ کے فاصلے پر تھا اور پیدل سات آٹھ منٹ لگتے تھے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں جس قدر رقم درکار تھی اس کا انتظام خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے کافی حد تک تو فرما دیا مگر صرف 2000 پاؤنڈ کی رقم کی کمی کی وجہ سے ہم مقررہ مدت میں اس گھر کو دستخط کر کے اپنے نام نہیں لکھوا سکتے تھے اسی صبح میں حسب معمول لجنہ کے دفتر آپا سارہ رحمن کے ساتھ ڈاک کا کام کرنے گئی معمول کے مطابق۔ مگر طبیعت قدرے اداس اور پریشان سی تھی کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ انتظام ہو جاتا مگر خیر راضی برضا تھی مگر آپا سارہ کو میرے چہرہ سے علیک سلیک کے بعد گویا سب حالات معلوم ہو گئے۔ وہ آپا شاید خط پڑھ پڑھ کر اور جواب لکھ لکھ کر اب چہرے بھی پڑھنے لگی تھیں۔ ویسے بھی میرے ساتھ ہمیشہ محبت و پیار کا سلوک کیا کرتی تھیں پوچھنے لگیں باسط! کیا بات ہے آج قدرے مضمحل اور چپ چپ ہو طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ میں نے چھپانے کی ناکام کوشش کی اور کہا کہ آپا بس ٹھیک ہی ہے۔ جھٹ کہنے لگیں کہ یہ ''ہی'' سے لگتا ہے کہ آج ضرور کوئی بات ہے۔ کہو کیا ہے؟ وگرنہ تم تو روز خوش باش اور ہنستی رہتی ہو نا جانے کیسے میں نے اپنی طبیعت کے خلاف نہ چاہتے ہوئے بھی آپا سارہ کو ساری بات بتادی کہ اس طرح مکان کا سودا آخری مرحلوں میں تھا اور اب رقم کی کمی کی وجہ سے نہیں لے سکتے خیر کوئی بات نہیں یہ مکان ہمارے

لئے بہتر نہ ہوگا اللہ میاں اور کوئی بہتر مکان اور بہتر انتظام کر دے گا یہ ساری بات مَیں ایک ہی سانس میں کہہ گئی اور آپا تو گو یا ایک ماں کی طرح بے چین ہو گئیں اور جھٹ کہا کہ نہیں باسط! یہ مکان بہت با موقع ہے تمہاری خواہش ہے تو اللہ ضرور پوری کرے گا تم ایسے نہ کہو۔ پھر دبی زبان میں اپنے آپ سے یہ کہتے ہوئے ڈاک پڑھنے لگیں کہ کاش میرے پاس اس قدر رقم ہوتی تو میں یہ کام کر دیتی انہوں نے اتنا کہا ہی تھا کہ مہربان آپا مجیدہ محترمہ مسز شہنواز صاحبہ آفس میں تشریف لے آئیں ان کو دیکھتے ہی گو یا آپا سارہ کا عقدہ حل ہو گیا سلام کے بعد جھٹ کہنے لگیں آپا مجیدہ! ایک کام تو کریں!! انہوں نے پوچھا کیا کام؟ کہا کہ باسط کو دو ہزار پاؤنڈ رقم درکار ہے دو ماہ کا وعدہ ہے یہ رقم واپس کر دے گی آپا مجیدہ نے پوچھا کہ ضمانت کون دے گا آپا سارہ نے کہا ضمانت میں دیتی ہوں آپ رقم کا انتظام کریں بات طے ہو گئی اور دو گھنٹے میں یہ کام اتنی آسانی اور عمدگی سے ہوا میں آج بھی کبھی اس واقعہ کو ان محسنوں کے احسانوں کو یاد کرتی ہوں تو دل بھر آتا ہے۔ خدا نے ان بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل ہمیں وہ گھر دیا جو اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ اس میں خواتین مبارکہ میں سے حضرت چھوٹی آپا مہر آپا بی بی امۃ الباسط صاحبہ آپا آصفہ بیگم صاحبہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ بنفس نفیس تین مرتبہ مختلف مواقع پر تشریف لاتے رہے اور برکتوں سے اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے آپا سارہ اور آپا مجیدہ شاہنواز بھی جب کبھی تشریف لاتیں تو میں نے ان کو اس احسان پر شکر گزاری کا اظہار کر کے مزید دعاؤں کی درخواست کی تو فوراً کہا کرتی تھیں کہ یہ تو معمولی بات تھی۔ مگر تم اس قدر اظہار تشکر کرتی ہو بہر حال میں تو ہمیشہ یہ یاد رکھتی ہوں جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں۔

○○

اے دیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یارانِ وطن

نوٹ: میں ایک مرتبہ سوئٹزرلینڈ کی سیر کے لئے گئی۔ اور لجنہ کی ممبرات سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب نے بڑی محبت اور خلوص کا اظہار کیا اور نہایت پیار سے لجنہ کی بہنوں نے ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ اور حضور اقدس خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہا جو میں نے کچھ اس طرح حاضرات کے سامنے پیش کیا۔ قارئین آپ بھی پڑھئے گا:

میری عزیز بہنو! آج کی محفل میں کوئی تقریر یا کوئی اور موضوع زیر بحث نہیں ہوگا بلکہ صرف اور صرف مجھے آپکی ترسی نگاہوں کو اپنے پیارے آقا حضور اقدسؒ کی صحبت میں گزارے وقت سے چند حسین لمحات کا ذکر اور حضورؒ کے ارشاد اور مصروفیات کے چند نمونے بتاؤں گی۔

تو آپ سب سے پہلے یہ سوچیں کہ ہم اپنے بچوں کے دل میں کس قدر حضورؒ کی عزت و احترام اور محبت کو جگہ دیتے ہیں۔ ہمارے بچے حضورؒ کو کتنے پیار سے یاد کرتے ہیں اور با قاعدہ خط لکھتے ہیں اور حضورؒ سے ملنے کیلئے لندن جانے کیلئے یا حضورؒ کے زیورک تشریف لانے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

(1)۔ ”دعا میں اللہ تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا ہی نے مجھے بار

بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دعا کے ذریعہ ہوگا، ہمارا ہتھیار تو دعا ہی ہے اس کے سوا کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں ہے جو کچھ ہم پوشیدہ مانگتے ہیں خدا اس کو ظاہر کر کے دکھا دیتا ہے۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

(2)۔''اکثر لوگ دعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں اور نہیں جانتے کہ دعا کے ٹھکانے پر پہنچنے کے واسطے کس قدر توجہ اور محنت درکار ہے۔ دراصل دعا کرنا ایک قسم کی موت کا اختیار کرنا ہے۔''

تو دیکھیں دعا کی درخواست کرنا اور پھر امید کرنا کہ فوراً ہمارا کام ہو جائے یہ دعا کرنے والے کی محنت اور توجہ پر بھی منحصر ہے۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ بسا اوقات ایک چیز جو ہمارے پاس ہو ہم اس کی اتنی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں مانتے جتنی کہ وہ جانتے ہیں جن سے وہ دُور ہو، ہمیں لندن میں حضورؒ کے پاس رہتے ہوئے بھی یہ احساس ضرور کبھی کبھی ہوتا ہے کہ ہم خواہ کتنا بھی حضورؒ کو خوش رکھیں مگر جو پیار حضورؒ کو ربوہ والوں اور پاکستان سے آنے والوں سے خاص طور پر ہے اس کی اور ہی بات ہے۔ ربوہ سے پیار مرکز سے پیار ہے، اپنے گھر اپنے خاندان اور عزیزوں سے پیار ہے، آخر یہ سب باتیں کچھ معمولی تو نہیں مگر انگلستان والوں کو جو خدا نے بہت بڑی نعمت عطا کر رکھی ہے اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ حضورؒ اپنے گھر سے دور ہیں اتنے خوش باش نظر آتے ہیں ہم سب سے اس قدر پیار اور محبت کا سلوک کرتے ہیں کہ گویا انہیں کوئی اداسی یا غم ہے ہی نہیں، مگر حقیقت میں سارے جہاں کے غم کے پہاڑ ہمارے آقا کے سر پر ٹوٹتے ہیں یہاں میں آپکی بے مثال ثابت قدمی کا ایک واقعہ بتانا چاہتی ہوں کہ کس

قدر عظیم ہیں ہمارے پیارے خلیفہ اور ہمیں ان کی ان خوبیوں کی قدر کرنی اور سیکھنی چاہیئے۔

چند سال قبل جب حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کی وفات ہوئی جمعۃ المبارک کا دِن تھا تو حضورؒ نے خطبہ جمعہ میں یہ فرمایا:

''کہ گویا وہ میری چھوٹی پھوپھی جان ہی نہیں بلکہ میری ماں بھی تھیں اور اس پردیس میں ہجرت میں ان کا غم بہت بھاری ہے۔''

اتفاق سے اسی شام میری حضورؒ سے ملاقات بھی تھی جو کئی دن پہلے سے بُک ہوئی ہوئی تھی میں نے صبح صبح یہ افسوسناک خبر ملنے پر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے درخواست کی کہ میری آج ملاقات تو ہے مگر حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کی وفات کی وجہ سے اغلباً ملاقاتیں بند ہوں گی آپ مجھے کسی اور دن کی ملاقات کے لئے وقت دے دیں مگر اس پر انہوں نے بتایا کہ نہیں ملاقاتیں بدستور جاری ہیں اور اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کی ملاقات سب سے پہلے ہے لہٰذا آپ وقت پر تشریف لائیں۔ میں حیران رہ گئی اور جب ملاقات کیلئے اپنا نام بلانے پر بوجھل قدموں سے چل کر حضورؒ کے ملاقات کے کمرہ میں داخل ہوئی تو میں بہت شش و پنج میں تھی کہ حضورؒ سے تعزیت کن الفاظ میں کروں گی قبل اس کے کہ میں کچھ کہہ پاتی حضورؒ اٹھ کر کھڑے ہوگئے بچوں کو باری باری گلے لگا کر اور مسکرا کر پیار کیا، چوما اور سب کا حال واحوال پوچھنے لگے اور فرمایا کہ:

''آپ کی صحت تو بہت اچھی ہوگئی ہے میں نے آپ کے لئے بہت دعائیں کی ہیں۔آپ کے میاں کیسے ہیں؟ (ان دنوں ڈاکٹر صاحب طوالو میں تھے) ان کا خط مجھے آیا ہے طوالو میں خوب خوب تبلیغ ہو رہی ہے مجھے انہوں نے کافی بیعتوں کی خوشخبری لکھی ہے آپ میری طرف سے ان کو مبارکباد دیں، میں

بھی ان کو خط لکھ رہا ہوں‘‘

تو یہ تھی حضورؒ کی ہمت ۔حوصلہ اور صبر و رضا کا عملی نمونہ......نہ صرف یہی ایک صدمہ حضورؒ کو پردیس میں پہنچا بلکہ کئی جماعتی اور خاندانی عزیزوں کے صدمات سے دو چار ہونا پڑا ہے مگر صبر کا دامن نہیں چھوڑا ہمیں یہ سبق سیکھنا چاہیئے۔

پھر ہمیں حضورؒ کو خط لکھنے، دعا کے لئے بار بار لکھنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے میں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ اب تو شاید ہمارے خط خود پڑھتے بھی نہیں اور جواب بھی خود نہیں لکھواتے اور اپنے دست مبارک سے دستخط بھی شاذ و نادر ہی کرتے ہیں ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضورؒ ہر ایک خط لکھنے والے کی بہت قدر کرتے ہیں اور ہر ایک خط کا جواب بھی خود لکھواتے ہیں لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اتنی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ یہ توقع کرنا کہ حضورؒ ہر روز سینکڑوں خطوط پر خود دستخط فرمائیں درست نہیں۔ چونکہ میں حضورؒ کی ڈاک کا کام کئی سال کرتی رہی ہوں اس لئے میں اپنے علم کی بناء پر کہہ رہی ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضورؒ کو جب بھی ہم دعا کے لئے خطوط لکھتے ہیں تو ان دعاؤں کا اثر خط لکھنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر ہمیں ہمیشہ یہ یقین ہونا چاہیئے کہ اس دنیا میں ہمارے سب سے بڑے ہمدرد اور ہم سے بے لوث محبت اور شفقت کا سلوک کرنے والے صرف اور صرف ہمارے خلیفہ وقت ہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضورؒ کے پاس رہتے ہوئے حضورؒ سے الگ ہونا بہت مشکل ہے طبیعت بہت اداس ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ تو حضورؒ کے دیدار کے لئے بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور زبان پر حضورؒ کا اپنا یہ شعر آجاتا ہے ؎

ہم آن ملیں گے متوالو بس دیر ہے کل یا پرسوں کی

ملاقات کے لئے ہم بہت کم جاتے ہیں کوشش یہ کرتے ہیں کہ باہر سے آنے والوں کو موقع مل جائے مگر حضورؒ کی شفقتِ پدری دیکھئے کہ کبھی کبھی مجلس میں لجنہ کے اجتماعات میں اگر نظر پڑ گئی تو ضرور پوچھ لیں گے کہ کہاں تھیں آپ بہت دنوں سے دیکھا نہیں آپ کو۔ حضورؒ سے ادب واحترام کی وجہ سے ہم بات نہیں کر پاتے مگر حضورؒ کو اللہ میاں خود ہی بتا دیتا ہے کہ ہمارے دل میں کیا ہے۔ اور ہم کیا کہنا چاہتے ہیں۔

آپ سب سے میری دلی درخواست ہے کہ بہت باقاعدگی سے ہمیشہ حضورؒ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی احمدی ہیں سب کا دل یہی چاہتا ہے کہ حضورؒ ان کے ملک تشریف لائیں اور زیارت اور خدمت کا موقع دیں۔ یہ خواہش ایک قدرتی بات ہے لیکن خلافت کا ایک ایسا تعلق ہے کہ ہر گھڑی یہی احساس رہنا چاہئے کہ حضورؒ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہیں۔ اور ویسے بھی اب تو ایم ٹی اے کے ذریعہ حقیقت میں حضور ہمارے گھروں میں آکر اپنی پیاری باتیں سناتے ہیں۔

پیاری بہنو اور بچیو! خلافت ایک نعمت خداوندی ہے اور ہمیں اس کی بہت قدر کرنی چاہئے۔ حضورؒ کے حکموں اور خواہشوں پر عمل کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر کے نومبائعین کی اچھی تربیت کر کے اور تبلیغ کے میدان میں تیزی سے آگے بڑھ کر ہم حضور کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے، بہار ہمیشہ نہیں رہتی، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس بہار سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وابستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ



فادرز ڈے

آپ سب نے سنا تو ہوگا ہی کہ یورپ میں فادرز ڈے اور مدرز ڈے مقررہ تاریخوں میں منائے جاتے ہیں۔جبکہ ہر ایک جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کو ضرور کارڈ بھجواتا ہے پھولوں کا گلدستہ بھی اگر ممکن ہو یا کم از کم اس روز ماں یا باپ کو یاد کرنے کے لئے ان کو فون ضرور کرے گا اور اپنی محبت کا اظہار کرے گا اس طرح سے ہر سال بچوں کو بچپن سے ہی یہ عادت ہو جاتی ہے ان کے استادان کو چند ہفتے پہلے ہی سے یاد کرانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ دن آنے والا ہے۔آج آپ سب بچے اپنے ابو یا امی کیلئے خوبصورت رنگ بھر کر کارڈ بنائیں اور اپنے ساتھ گھر لے جائیں اس طرح سے ہر سال یہاں ہوتا ہے نرسری کے بچوں سے لیکر کالج تک کے بچے یہ دن یاد کرنا نہیں بھولتے۔آج میں نے جب ننھی سعدیہ اور فرزانہ کو خوبصورت کارڈ اپنے ابو جان کو طوالو پوسٹ کرتے ہوئے دیکھا جو انہوں نے اپنے سکولوں میں نہایت ہی خوبصورت رنگوں میں بنائے تھے تو مجھے یہ تحریر لکھنے پر مجبور کر گئی کہ بچو! یہ تو ایک انگلش طریق ہے مگر آپ تو روزانہ اپنے ابو جان کو دن کے کئی کئی گھنٹے یاد کر کے ان کی پسند کی چیز کھاتے ہوئے یاد کر کے اداس ہو جاتے ہو اور پھر دن گنتے ہو اور کبھی دن ہفتوں اور مہینوں میں بدل جاتے ہیں اور وہ جبھی آسکتے ہیں جب ان کو چھٹی ملتی ہے میرے بچو! آپ ایسی باتیں نہ کیا کرو میں یہ باتیں اپنے بچوں کو سمجھا رہی تھی کہ کسی پیاری سی آواز نے میرا دل ہلا دیا کہ امی کیا آپ نے بھی کبھی اپنے ابو کو فادرز ڈے کا کارڈ بھیجا تھا......اس پر یہ قلم کاغذ پر لکیریں

ڈالنے پر مجبور ہو گیا کہ میرے ابو جان جنہیں ہم تو ابا جان کہا کرتے تھے کتنے عظیم انسان تھے جن کی ہر ہر بات اور ادا ہمارے لئے ایک مشعلِ راہ اور مثالی تھی۔ ان کو کارڈ وغیرہ بھیجنے سے سخت نفرت تھی اور کبھی کسی نے ان کو کارڈ بھجوایا بھی تو یہی کہا کہ اگر اپنے ہاتھ سے خط لکھ دیتے تو زیادہ خوشی ہوتی مجھے اپنے ابا جان کی چند اتنی میٹھی باتیں یاد آنے لگیں کہ آج میں انہیں کی یاد میں کچھ پھول بکھیرنے لگی ہوں۔ میرے محترم اور محسن میرے پیارے ابا جان (مولانا ابولعطاء صاحب جالندھری) جن کا اصلی نام تو اللہ دتہ جالندھری تھا اپنے بچپن کا ہی ایک واقعہ بتاتی چلوں کہ ایک بار میں اپنی کلاس میں فرسٹ آئی اور پاکستان کے پرانے طریق کے مطابق سارے سکول کے بچوں کو لائنوں میں اکٹھا بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر فرسٹ اور سیکنڈ آنے والیوں کے نام بولے جاتے تھے۔ میرا نام جب بولا گیا امۃ الباسط اللہ دتہ فرسٹ تو میں بجائے خوش ہونے کے رونے لگی اور منہ چھپائے روتی ہوئی بہت جلدی گھر آ گئی۔ ابا جان گھر میں پہلے ہی سے موجود منتظر تھے مجھے روتے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ بیٹا کیا ہوا ہے کیا فیل ہو گئیں۔ میں نے روتے ہوئے کہا نہیں۔ تو پوچھنے لگے کہ آخر پھر کیا ہوا ہے میں نے بہت زیادہ رونے کے بعد بتا دیا کہ پتہ نہیں میرے نام کے ساتھ ہیڈ مسٹریس نے اللہ دتہ کا نام لگا دیا ہے اس پر جو میرے ابا جان ہنسے آج تک یاد ہے مجھے سینے سے لگا لیا کہ بیٹا یہ تمہارے ابا جان کا نام ہے مجھے چونکہ یہی پتہ تھا کہ ابا جان کا نام ابوالعطاء جالندھری ہی ہے مجھے اللہ دتہ ذرا پسند نہ آیا میں نے پوچھا تو پھر انہوں نے یہ کیوں کہا؟ اس پر انہوں نے ساری بات بتائی کہ ان کا اصلی نام اللہ دتہ ہی تھا اور یہ نام ان کی پھوپھو نے پیار سے ان کے پیدا ہونے پر دیا تھا کیونکہ ان سے پہلے کئی بہن بھائی فوت ہو گئے تھے اور ابا جان ہی ہمارے دادا جان کی زندہ رہنے والی اولاد میں سے پہلے تھے اور پرانے سلسلہ کے سب بزرگ اور جماعت کے افراد

ان کواسی نام سے جانتے ہیں۔ پھر ابا جان نے مجھے مزید خوش کرنے کے لئے یہ بھی بتا دیا کہ یہ نام کس طرح اور کب بدلا اور کس نے بدلا کہ ایک بار 1936ء میں ابا جان نے ایک مقالہ لکھکر حضور حضرت فضل عمرؓ کو اصلاح کے لئے دیا آپ نے پڑھ کر اس کے آخر میں ایک نوٹ لکھا کہ مقالہ بہت اعلیٰ معیار کا ہے مگر آخر میں آپ کا نام پڑھ کر مزا کرکرا ہو گیا۔ آپ اپنے آپ کو ابو العطاء کیوں نہیں کہلاتے جبکہ دونوں بڑے بھائی بھی تھے اور ان کے نام عطاء ہی سے شروع ہوتے ہیں عطاء الرحمن اور عطاء الکریم یہ تو تھی نام کی بات۔ حضرت ابا جان کی شخصیت سے جماعت کی اکثریت بخوبی واقف ہے آپ کی تحریر اور تقریر کا ملکہ جو آپ کو خدا نے ودیعت کیا تھا آپ کی اپنی مثال تھا۔ آپ کو بچوں سے بے حد پیار اور محبت تھی سب بہن بھائیوں کو ایسے ہی لگتا ہوگا کہ ابا جان اس کو ہی زیادہ پیار کرتے تھے مگر مجھے یہ لگتا ہے کہ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت زیادہ پیار تھا آج میں ان سے پیار کی باتوں کی چند جھلکیاں فادرز ڈے کی یاد میں لکھنے بیٹھی ہوں۔ مئی کا مہینہ تو ویسے ہی ساری جماعت کو اپنے روحانی باپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے رخصت ہونے کا غم یاد دلاتا ہے مگر میرے تو روحانی اور جسمانی دونوں باپوں نے ہی ایک ہی ماہ میں یعنی مئی میں جانے کے لئے چنا بلکہ ہماری قابل صد احترام دختر نیک اختر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بھی اسی ماہ میں ایک ہفتہ قبل اس سال فوت ہوئی تھیں۔ ویسے تو میں ہر روز ہر نماز میں ہی ابا جان کی بلندئ درجات کے لئے دعا کرتی ہوں مگر ماہ مئی شروع ہوتے ہی مجھے ان کی یاد تڑپانا شروع کر دیتی ہے حتیٰ کہ ماہ مئی پورا ہو جاتا ہے اور 29 مئی کا دن بھی گزر جاتا ہے مگر یاد تو کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ ؎

اور بڑھ جاتی ہے بے تابِ دل جس نام کے ساتھ
دل کو تسکین بھی ملتی ہے اسی نام کے ساتھ

کچھ میرا حال بھی یہی ہوتا ہے۔ نام کی بات چلی تو اپنے نام کا ذکر بھی کرتی چلوں کہ حضرت اباجان نے کئی بار مجھے بتایا اور اب تک ہماری امی جان بتاتی رہتی ہیں (اللہ میاں ان کی صحت وعمر میں برکت دے) کہ جس روز میں پیدا ہوئی اور نام رکھوانے کے لئے اباجان حضرت فضل عمرؓ کے پاس گئے تو حضور نے فرمایا کہ بیٹی کا نام امۃ الباسط رکھیں میری بھی ایک بیٹی کا نام امۃ الباسط ہے۔ اور اتفاق سے یہاں پر کئی باران دونوں ناموں کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہوا ہے کہ دو تین بار جب میں نے مشن ہاؤس فون کیا اور آپریٹر صاحب نے پوچھا کہ آپ کون محترمہ ہیں اور میرے بتانے پر کہ میں امۃ الباسط ہوں اور بیگم صاحبہ سے بات کرنا ہے، تو جھٹ پوچھتے ہیں بی بی! آپ ربوہ سے بول رہی ہیں یا HEATHROW ایئر پورٹ سے۔ کیونکہ ان دنوں بی بی امۃ الباسط جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہمشیرہ محترمہ ہیں لندن آنے والی تھیں اس پر پھر مجھے اباجان کے نام رکھوانے والی بات یاد آجاتی ہے کہ میری بیٹی بھی امۃ الباسط ہے اور میں ہزاروں خیالوں میں کھو جاتی ہوں کہ میں کہاں اور وہ پیاری اور مبارک بی بی جس کی آپریٹر صاحب بات کر رہے ہیں کہاں؟ پھر اباجان نے یہ بھی کئی بار ذکر کیا کہ جس روز میں پیدا ہوئی اسی روز ان کو جامعہ احمدیہ قادیان کا پرنسپل مقرر کیا گیا شاید بیٹیوں کی پیدائش پر خوشی کو دوبالا کر دیا۔ اباجان بیٹیوں سے بیٹوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے میری شادی بھی جب کی تو بہت اداس ہو گئے اور اتنی کثرت سے مجھے افریقہ خط لکھا کرتے تھے کہ میرے سسرال والے بھی حیران ہوتے تھے کہ مولوی صاحب کو کیسے وقت مل جاتا ہے جبکہ اکثر آپ کے خطوط میں یہی لکھا ہوتا تھا کہ میں دفتر میں بیٹھا یہ ذرا لکھ رہا ہوں۔ بلکہ ان کا آخری خط جو ہم دونوں بہنوں امۃ المجیب جاوید اور میرے نام لکھا ہوا املا دفتر سے ہی لکھا ہوا تھا۔ اور عین وفات کے دن لندن پہنچا تھا جبھی تو میں ان کی وفات کی خبر کا یقین نہ کرسکی۔ خبر

سنتے ہی گھنٹوں تک کے لئے بے ہوش ہوگئی ایک شفقت اور پیار کا واقعہ خطوں کے سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک بار ابا جان نے ہم دونوں کے نام ایئر لیٹر لکھا جس کے شروع میں یوں مخاطب کیا ہوا تھا عزیزم نورِ چشم افتخار احمد ایاز صاحب و عزیزہ امۃ الباسط صاحبہ یہ خط پڑھ کر میں بہت روئی میرے میاں پوچھنے لگے کہ خط میں تو ایسی کوئی بات نہ تھی آپ کیوں اس قدر رو رہی ہیں؟ اور شدت سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی آخر یہ بتاتے بتاتے ہچکی لگ گئی کہ ابا جان کی تو میں بیٹی تھی مجھے صرف عزیزہ لکھا ہے اور آپ کو نورِ چشم ...... مجھے ابا جان سے پیار کا یہ عالم تھا کہ افتخار صاحب نے بہت سمجھایا کہ آپ کی وجہ سے میں ابا جان کا نورِ چشم بنا ہوں اور آپ رو رہی ہیں۔ ایسی ایسی کئی مثالیں پیار کی ہیں۔ ایک بار جبکہ میں پہلی بار افریقہ سے ربوہ واپس گئی ہماری بیٹی عزیزہ امۃ الرافع اور میری بھتیجی عزیزہ امۃ الواسع تقریباً ہم عمر ہیں ابا جان دونوں کو بہت پیار کرتے اور چاہتے تھے دونوں تھیں بی پلوٹھی کی بیٹیاں ایک دن دونوں کو اٹھائے ٹہل رہے تھے کہ بھائی جان نے کہا چلیں ابا جان آپ کی تصویر لیتے ہیں پوتی اور نواسی کے ساتھ جبکہ اس وقت نواسی دائیں ہاتھ میں اور پوتی بائیں میں تھی جھٹ بازو بدلنے لگے کہ پوتی کو دائیں اٹھانا چاہئے اور رافع کو بائیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہنے لگے کہ نواسی کو بائیں ہاتھ کر لیتے ہیں کہ دل کے ساتھ رہے اور میری طرف دیکھتے بھی جاتے تھے۔ اللہ اللہ! کتنا پیارا انداز تھا پیار کے اظہار کا آج بھی یاد آتی ہیں یہ باتیں تو دل بھر آتا ہے اللہ تعالیٰ میرے ابا جان کے درجات بلند سے بلند کرتا چلا جائے۔ میرے اپنے بچپن میں صرف ایک بار ابا جان کا ڈانٹنا اور ناراضگی کا اظہار کرنا یاد ہے جبکہ میں صرف 6 سال کی تھی اور احمد نگر میں ہمارے گھر میں جو سکول امی جان محترمہ نے کھولا تھا اس میں پڑھتی تھی کہ میرے کپڑے بہت کم تھے اور جو مجھے پہننے کے لئے امی جان نے دئے مجھے پسند نہ تھے اور میں ضد کر کے روٹھ گئی اور سکول نہ

گئی بلکہ ڈیوڑھی میں سیڑھیوں کے پاس کھڑی روتی رہی جبکہ چھت پر دوسری بچیاں اپنے اپنے سبق یاد کر رہی تھیں کہ اچانک دروازہ کھلا اور پیارے ابا جان کسی کام سے جامعہ احمدیہ سے گھر آئے مجھے دیکھ کر پوچھا کیا ہوا کافی غصہ میں تھے میں نے وہی اپنے لاڈ میں شکایت کی امی جان نے مجھے کہا کہ ان کپڑوں میں سکول جاؤ اور ابا جان دیکھیں یہ کیسے خراب ہیں مجھے ذرا پسند نہیں اس لئے یہاں کھڑی ہوں کہ آج میں نے سکول نہیں جانا کہنے لگے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم سکول نہ جاؤ گی جو امی جان نے کہا ہے چلو جلدی کرو اور انہیں کپڑوں میں جاؤ سکول۔ میں نے مزید رو کر کہنا چاہا آپ مزید ناراض ہوئے اور کافی ڈانٹا کہ میں ویسے ہی سسکیاں لیتی ہوئی کوٹھے پر لگے سکول میں جا شامل ہوئی ساری لڑکیاں مجھے دیکھ کر پریشان بھی ہوئیں اور ہمدردی بھی کرنے لگیں۔ مگر مجھے وہ دن اور آج کا دن ان کا ڈانٹنا اور پھر رات کو پیار کرنا اور سمجھانا کبھی نہیں بھولتا۔ اس طرح امی جان کی کہی ہوئی ہر ہر بات کو ویسے ہی ماننا فرض اولین جانتی ہوں۔ ایک بات اگر بتاؤں کچھ اُس دَور کے پڑھنے والے کچھ اِس دَور کے پڑھنے والے حیران بھی ہوں گے یا شاید یقین بھی نہ کریں کہ جب ہم ربوہ میں رہا کرتے تھے ہمیں اجازت نہ تھی کہ ہم بازار سے کوئی بھی چیز خریدنے خود جائیں حتیٰ کہ جوتوں کی خریداری بھی گھر بیٹھے ہی کیا کرتے تھے۔ رشید بوٹ ہاؤس والے ہر سائز کے جوتوں کے ایک ایک پاؤں تھیلے میں بھر کر ہمارے گھر دے جاتے تھے اور اگلے دن ہماری پسند کا اور سائز کا پوچھ کر واپس تھیلا لے جاتے تھے اور ہمارے جوتے ہمارے گھر بھجوا دیتے تھے۔ اسی طرح گھر کا سودا سلف لانے کے لئے ہماری امی جان کو صرف لسٹ بنا کر دینا ہوتا تھا ایک دن میں نے جبکہ میں اپنے گھر والی ہوگئی تھی امی کو کافی لمبی چوڑی لسٹ بنا کر دیتے دیکھکر کہا کہ ابا جان آپ کو پتہ ہے کہ کتنے روپوں کی یہ چیزیں آئیں گی یہ بات کہیں ابا جان جو صحن میں چک کے پیچھے وضو کر رہے

تھے میری بات سن کر اندر آ گئے اور کہنے لگے کہ تم اپنی امی کو لکھنے دیا کرو جو بھی چیزیں لکھ دیتی ہیں ان کو چیزوں کی قیمتوں سے نہ ڈراؤ۔ ابا جان کی عادت تھی کہ بڑی فراخدلی سے خرچ کرتے تھے اور کبھی کبھی بالکل خالی ہاتھ ہو جاتے اور آخری روپے کا نوٹ بھی بٹوے سے نکال کر کسی ضرورت کے لئے ہمیں دے دیتے تو ہم قدرے پریشان ہو جاتے کہ اب کیا ہو گا مگر اس پیاری ہستی کے چہرے پر کبھی ذرا بھی فکرمندی کے آثار نہ دیکھے نہ سنے بلکہ خوش ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ چیز جمع نہ رکھو اس کو خرچ کرو کیونکہ اللہ میاں تو دیکھتا ہے کہ ابھی موجود ہے اس لئے کیسے اور دے جب ختم ہو جائے تو آپ دعا کرو اور مانگو تو ضرور اور جلد دیتا ہے اور اکثر ایسے ہی ہم نے ہوتے دیکھا ہے کیسی پیاری بات ہمیں سمجھا گئے ہمارے پیارے ابا جان۔ ایک بڑی پیاری ادا ابا جان کی یہ تھی کہ جب بھی باہر سے گھر آتے سفر سے خاص طور پر اور دفتر سے بالعموم آتے ہوئے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کی چیز ضرور خرید کر لاتے زیادہ دنوں کے بعد اگر گھر آتے تو ضرور کپڑے یا مٹھائی یا گھر کے استعمال کی کوئی چیز ضرور لاتے ایک بار امی جان کے لئے کافی بڑے بڑے پھولوں والا سوٹ لائے امی جان نے اس کو دیکھ کر کچھ زیادہ پسند نہ کیا تو کہنے لگے مجھے تو عورتوں کے کپڑوں اور پسندوں کا نہیں پتہ نا مَیں تو دوکاندار کو کہہ دیتا ہوں جو سوٹ سب سے قیمتی اور اچھا ہے دے دو جو اس نے دے دیا میں لے آیا یہ تو تھی سادگی اور جب دفتر سے آتے ہوئے اگر کچھ نہ ملا تو ٹماٹر ہی اپنے رومال میں باندھے لئے آ رہے ہیں۔ وگرنہ اکثر فروٹ یا ٹھنڈا پانی پینے کے لئے (جب تک گھر میں فرج نہ تھا) برف ہی رومال میں باندھے لے آتے تھے جبھی ہم منتظر ہوا کرتے تھے کہ ابا جان ضرور کچھ لائے ہوں گے۔ خالی ہاتھ گھر آنا انہیں پسند نہ تھا میرے بچپن کا مگر میرے ہوش سنبھالنے کا ایک واقعہ جو ابا جان نے میرے بچوں کو بھی بتایا کہ قادیان میں نماز فجر کے بعد جب آپ تلاوت

کیا کرتے تھے میں پاؤں پاؤں چلتے ہوئے ان کے پاس آجایا کرتی تھی کہ اس دوران میں روزانہ بلاناغہ ایک آدمی جورس، بند، بسکٹ اور بریڈ بیچا کرتا تھا اپنی مخصوص آواز لگاتا ہوا آجاتا اور میں اس آواز سے چوکنا ہوجاتی اور آپ اٹھ کرضرور اس سے کچھ نہ کچھ خریدتے اور میں خوشی خوشی لفافہ بھرا ہوا لیکر امی جان کے پاس لے جاتی۔ یہ معمول روز ہوتا رہتا ایک دن جبکہ آپ نے بتایا کہ آپ نے کیک بسکٹ بیچنے والے کی دو تین بار لمبی لمبی آوازیں تانیں سنیں اور کچھ نہ خریدا اور اس دوران مَیں ان کے منہ کی طرف دیکھتی رہی اور بے اختیار کہہ اٹھی کہ ’’آپیں کھائے‘‘ یعنی خود ہی کھالو تو ابا جان بڑے پیار سے ذکر کرتے تھے مجھے بہت مزا آیا یہ بات سن کر اور میں اٹھا اور اس آدمی کو بلایا اور ڈھیر سارے بسکٹ اور کیک خرید کر مجھے دیئے۔ اگرچہ مجھے یہ واقعہ بالکل یاد نہیں امی جان بتاتی ہیں کہ تم اس وقت تین سال کی تھی۔ مگر اس واقعہ کو ہمارے گھر میں اتنی بار یاد کیا گیا ہے کہ مجھے بھی یوں لگتا ہے کہ مجھے یاد ہے۔ اور میں بھی ایسے ہی لطف اندوز ہوتی ہوں ابا جان نے ساتھ ہی اس آدمی کو یہ بات بھی بتائی اور کہا کہ تم نہ کھاؤ ہم کھائیں گے اور اپنی بیٹی کو کھلائیں گے شاید مقرر اور مناظر کو حاضر جواب اور برجستہ جواب دینے کی بھی صلاحیت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

میری دوسری بیٹی بشریٰ ایاز جو صرف چند ماہ کی تھی اکثر جب کوئی اس سے کوئی چیز چھین لیتا یا کبھی گود میں نہ لیتا تو زور زور سے چیخیں مارا کرتی تھی اور ابا جان کو اچھا نہ لگتا تھا۔ مجھے کئی بار کہا کہ اس کو منع کرو کیوں ایسے چیختی ہے یا اس بچی کی بات کو جلدی پوری کیا کرو۔ ایک بار میں اس کو چھوڑ کر کہیں باہر کام سے گئی ہوئی تھی آنے پر سب نے ہی مجھ سے شکایت کی کہ یہ بہت چیخیں مارتی ہے میں بھی لاڈ کی پلی تھی اور پھر ابا جان سے ہر بات کہنے کی بھی جرأت رکھتی تھی جھٹ جھنجلا کر کہہ دیا ابا جان آپ ہی نے تو اس کو گھٹی دی تھی اب میں کیا کروں فوراً کہنے لگے

بیٹا یہ تقریریں بہت اچھی کرے گی۔ بھلا انہیں کیسے پتہ تھا کہ آج جبکہ میں اس بچی کو تقریر کرتے سنتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ یہ تو عزیزہ کے نانا نے بہت سال قبل کہا تھا۔ اکثر بچوں میں جھگڑے کی عادت ہوتی ہے۔ یا چیز سے حصہ لیتے وقت زیادہ حصے پر نظر ہوتی ہے اس بات کو ہمارے گھر میں اس طرح ختم کرنا سکھایا تھا کہ گرمیوں میں خربوزوں کی بوری بھر کر آتی تو دوپہر کے کھانے کے بعد امی جان پچیس تیس خربوزے کاٹ کر سب پھانکوں کو ملا کر جتنے ہم سب تھے ہر ایک کے حصے کی ڈھیری میں پھانکیں رکھ دی جاتیں اور ایک بڑے تھال کو سامنے رکھ کر ہم میں سے کسی ایک کو کہا جاتا کہ دیوار کی طرف منہ کر لو اور امی جان ایک ایک ڈھیری پلیٹ میں رکھ کر اس سے پوچھتیں کہ یہ کس کو دیں وہ جس کو کہتا آپ پکڑاتی جاتیں۔ پھر دوسری اور تیسری اس طرح سب کو حصے کر کے دیئے جاتے اور ہمیں زیادہ یا کم حصہ پر جھگڑنا نہ سکھایا۔

ایک مرتبہ میں نے اپنے بیٹے انتصار ایاز کے بچپن کی شرارتوں اور بہنوں کو کھیلتے ہوئے تنگ کرنے کی شکایت ابا جان سے کی تو فرمایا کہ اس بچے کو کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ کیا کرو بڑا سمجھدار ہے صرف اس کے لئے دعا کرو ساتھ ہی سمجھایا کہ دعا سے اصل میں بچوں کی تربیت ہوتی ہے دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیا ڈر تھا کہ ان کی اولاد بگڑے گی مگر دیکھو حضورؑ نے کس قدر دعائیں کی ہیں اپنی اولاد کے لئے ہمارے ابا جان ہمارے بہترین دوست بھی تھے۔ ہمارے ساتھ بارہ ٹہنی بھی کھیلتے اور ہارنے والے کو حلوہ کھلانا مقرر تھا جیتنے والے کو سارے ہی انعام دیتے ہیں ہارنے والے کو آج حلوہ کھلائیں گے خود کبھی نہیں ہارتے تھے شکار کے بے حد شوقین تھے اور اچھے شکاری اور نشانہ باز تھے شکار کا گوشت جو اکثر کبوتر اور فاختہ ہی ہوتے تھے تحفے میں عزیزوں اور دوستوں کو بھجوایا کرتے تھے رات کو خواہ کتنی ہی دیر

سے شکار سے واپس آتے تے خواہش ہوتی کہ ابھی تیار ہو تو کھانا کھائیں اسی لئے ہماری امی جان بھی بڑی پھرتی سے شکار کا تھیلا ہاتھ سے لیکر سب دوسرے کام چھوڑ کر شکار بنانے بیٹھ جاتیں اور اس کے ساتھ گرم گرم پھلکے بنا کر کھلا کر خوش ہوتیں ابا جان گھر کے آرام اور سادہ روٹی سالن پر بہت خوش ہوتے تھے اکثر سفر سے پروگرام سے پہلے گھر یعنی بغیر اطلاع کے آنے پر دال ہی پکی ہوئی ملتی تو بھی وہ کھا کر اس قدر خوش ہوتے اور بار بار الحمدللہ تقریباً ہر لقمہ کے بعد پڑھتے اور کہتے جاتے کہ اللہ نے جو مزا اور سکون گھر میں رکھا ہے کہیں نہیں۔ پچھلا سارا ہفتہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا کھانے میں گزرا مگر گھر میں بچوں کے پاس آن کر یہ دال روٹی کا جو مزا ہے اس کا جواب نہیں۔

آپ اتنی کثرت سے الحمدللہ کہتے تھے کہ میری چھوٹی بہن امتہ الرفیق اس نے یہ سیکھا کہ کھانا کھانے کے بعد الحمدللہ پڑھتے ہیں تو کہنے لگی کہ ابا جان نے الحمدللہ پڑھ لی ہے پھر بھی کھاتے جاتے ہیں اس کو بتانا پڑا کہ ہر لقمے کے بعد پڑھتے ہیں۔ کھانے کی بات ہو رہی ہے میں اپنے ابا جان کا مجھ سے پیار اور تربیت کا ایک نہایت پیارا واقعہ بتادوں تو شاید کسی اور میرے جیسے لاڈلے اور ناز کے پالے یا بگڑے کے لئے سبق ہو وہ یہ کہ ایک دفعہ جبکہ ہم احمد نگر میں رہتے تھے رات کے کھانے کے لئے گھر میں مچھلی پکی اور چھوٹے چھوٹے کانٹوں والی تھی۔ ہماری امی مچھلی کا سالن بہت ہی مزے کا بناتی ہیں ویسا ہی مزے کا ہوگا مگر میں نہ پسند کرتی تھی کہ اس میں کانٹے تھے بس غصے میں بھوکی ہی سوگئی کہ آپ نے کانٹوں کے بغیر مچھلی یا ایک ہی کانٹے والی مچھلی کیوں نہیں پکائی میں نے کھانا نہیں کھانا۔ اس پر بس نہ سمجھئے گا رات گئے جب ابا جان عشاء کی نماز کے بعد کی میٹنگ میں شمولیت کے بعد گھر آئے تو امی جان نے ان کو کھانا دیا اور اس دوران کہیں میری شکایت بھی ہوگئی پھر کیا تھا کہ ابا جان نے

مجھے جگایا اور مچھلی سے چھوٹے چھوٹے کانٹے اپنے ہاتھوں سے الگ کر کے مجھے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا اور ساتھ ساتھ سمجھاتے رہے کہ بیٹا جو گھر میں پکے خوش ہو کر کھاتے ہیں مگر میں ضرور کوشش کیا کروں گا کہ آئندہ سے گھر میں مچھلی عمدہ قسم کی ہی آیا کرے۔ میں صدقے جاؤں اس پیار کرنے والے ابا جان کی شفقت کے جنہوں نے ہمیں یہ سب سکھایا اور بتایا۔

ایک بار گھر کے صحن میں دو چھوٹے بچے آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک نے دوسرے کو چوہا کہا تو دوسرے نے جواباً اس کو (جمعدار) کہہ کر اپنا بدلہ لیا یہ جھگڑے کے الفاظ اور القاب جب ابا جان کے کانوں میں پڑے تو بیٹھک سے اٹھ کر باہر آ گئے اور دونوں کو پکڑ کر ساتھ ساتھ کھڑا کیا اور سختی سے نہیں بلکہ پیار سے مسکراتے ہوئے کہا کہ لڑائی کرتے ہوئے (جمعدار) بے شک کہہ لیا کرو مگر چوہا نہ کہا کرو۔ (جمعدار) کم از کم انسان تو ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سننا بھی برداشت نہ کر سکتے تھے کہ کوئی کہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے کہا کرتے تھے مجھے یہ لفظ ''جھوٹ'' بڑا ہی سخت تکلیف دیتا ہے اگر یہ کہہ دو کہ اس نے وہ بات غلط کہی ہے تو قدرے اس بات میں نرمی تو ہوتی ہے۔

اب ایک آخری اور ابا جان کے پیار کی یاد جو آج بھی عیدوں کی آمد سے دل میں چٹکیاں لیتی ہے وہ یہ ہے کہ جب میں شادی کے بعد افریقہ چلی گئی اور پہلی بار تین سال کے بعد واپس آئی تو ایک روز نہایت پیار سے ابا جان نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور سب سے الگ چپکے سے میرے ہاتھ میں تیس روپے دیئے جن میں پانچ پانچ روپے کے نئے نوٹ تھے میں نے پوچھا ابا جان یہ کیا تو کہنے لگے کہ بیٹا تمہارے افریقہ جانے کے بعد پوری چھ عیدیں تمہارے بغیر گزری ہیں اور یہ تمہاری عیدی ہے جو میں باقی سب عزیزوں کو بھی دیا کرتا ہوں۔ جب بھی سب کو دیتا تھا اور تم یاد آتی تھیں تو تمہاری عیدی میرے پاس جمع ہے اور پھر گلے لگا کر بہت

پیار کیا اب بھی یہ بات دل کو رہ رہ کر یاد آتی ہے کہ ان پانچ روپوں کے ساتھ جو پیار ملا کرتا تھا کہاں سے ملے گا اسی طرح کی بے شمار پیاری پیاری اور انوکھی باتیں جن سے ان کا بیٹیوں سے پیار اور ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا خیال عیاں ہے میں یہ فادرز ڈے جو آج یہاں لندن میں ہے یعنی 17 جون 1990 اور میں اپنے ابا جان کی یاد میں لکھ رہی ہوں۔ باقی پھر کبھی موقع ملنے پر لکھوں گی اس وقت سب کو صرف یہ بھائیوں کی بات بتا دوں کہ کبھی کبھی ان کو شکوہ ہو جاتا تھا کہ ابا جان ہماری بہنوں کی بہت زیادہ حمایت اور ہمدردی اور پیار کرتے ہیں جبھی ''مقامات النساء'' لکھی ہے جس میں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں اور بہوؤں کے ساتھ سلوک کی احادیث ہیں۔ آپ نے تو خود صنف نازک سے حسن سلوک کر کے اس کی مثال قائم کی تھی جبھی بھائی جان عطاء الکریم شاہد صاحب نے تو کہہ ہی دیا کہ ابا جان آپ ایک کتاب مقامات الرجال بھی لکھ دیں...... بالآخر میں اس عظیم باپ کی بیٹی کی حیثیت سے تو کچھ بھی ان کی خدمت نہ کر سکی اب صرف دعائیں ہی ہیں جو میں کر سکتی ہوں اور ان کے لئے دن رات کرتی ہوں اور بہت یاد کرتی ہوں اللہ میاں میرے ابا جان کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور ہمیں ان کی تمام خوبیوں کو اپنانے کی توفیق عطا کرے اور جو دعائیں انہوں نے ہمارے لئے کی ہیں ہمارے حق میں قبول ہوں نیز یہ بھی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ میاں ہماری امی جان محترمہ کو جو آج کل ٹورنٹو میں ہیں اعلیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ لمبی عمر دے ہمیں ان کی خدمت کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ ہم سب بہن بھائیوں کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔



خوشیوں کا حصول

ایک دن میں نے سوچا کہ آج میں بہت سی سہیلیوں، بہنوں اور استانیوں کے علاوہ چند اونچے درجہ کی خواتین سے ان کی خوشی یا خوشحال زندگی کے بارے میں پوچھوں اور اپنی بہنوں کو بتاؤں کہ خوشی کیا ہے؟ کیسے ملتی ہے اور آپ کیوں خوش نہیں ہیں؟ یہ سوچ کر میں نے اپنا فولڈر سنبھالا اور ہلکا سمر کوٹ پہنا اور خدا حافظ کہہ کر گھر سے نکلی۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلی ہونگی کہ ایک عورت جسے میں نہ جانتی تھی اور نہ ہی کبھی دیکھا تھا مجھے نظر آئی بڑی تیزی سے میرے قریب آ گئی اور کہنے لگی کہ:

”سناؤ کیا حال ہے تمہارا؟ بچے کیسے ہیں؟ کب آئی ہو اور کب جاؤ گی؟ دیکھو نا آج گرمی کس قدر ہے اور تم نے چھتری بھی نہیں لی۔ لو یہ میری چھتری لے لو میں تو عادی ہوں اس گرمی کی مگر تم تو سرد ملک سے آئی ہو کہیں بیمار نہ ہو جانا آخر تم ہماری مہمان ہو نا!“

یہ سب باتیں اور عمل وہ ایک ہی سانس میں کہہ کر مجھے Bye Bye خدا حافظ کہہ کر آگے چل پڑی ...... میں وہیں رک کر یہ نوٹ لکھنے پر مجبور ہو گئی کہ ابھی دنیا میں خلوص، انسانی ہمدردی اور عمدہ اخلاق باقی ہیں اور کچھ لوگ اس زیور سے آراستہ بھی ہیں اور آج کے پروگرام کے مطابق میں نے بھی چلنا شروع کر دیا بمشکل سڑک کے موڑ پر ہی پہنچی تھی کہ موٹر سائیکل پر سوار ہوا میں اڑتی ہوئی ایک نوجوان لڑکی میرے پاس آ کر رک گئی اور بلا مبالغہ قہقہہ لگاتے

ہوئے حال احوال پوچھنے لگی اور میرے اس طرح پیدل چلنے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی کہ کیا کوئی پرابلم ہے آج جو پیدل چل رہی ہو مگر ساتھ ہی ساتھ اس کا مسکراتا اور کھلا ہوا چہرہ مجھے پوچھنے پر مجبور کر گیا کہ تم بتاؤ کہ آج اس قدر خوش ہو کیا بات ہے؟ جھٹ بولی میں تو روز ہی خوش ہوتی ہوں۔ صرف میرا دل اداس رہتا ہے اور روتا ہے لیکن چہرہ کبھی اداس نہیں ہوتا۔ یہ جو دل کی بات سنی تو میرا تجسّس اور بڑھ گیا کہ بھلا اس خوبصورت نوجوان لڑکی کو کیا غم ہوگا میرے اصرار پر اس نے بتایا کہ وہ اس دنیا میں اکیلی ہے۔ والدین بچپن میں اللہ کو پیارے ہو گئے بھائی ایک تھا اس نے اپنی شادی خود ہی کر لی مگر مجھے بھول گیا اور آج اس کے بیٹے کی سالگرہ ہے اور میں اس کے گھر پارٹی میں جا رہی ہوں اور وہاں خوشی میں قہقہے لگانے کی پریکٹس کرتے ہوئے جا رہی ہوں کہ تمام لوگ خوش ہوں گے مجھے بھی ان کی طرح خوش ہونا چاہئے گویا فرحا کی خوشی بناوٹی تھی چہرے پر چہرہ لگا رکھا تھا مگر دل رو رہا تھا۔ ہاں بات جو ہو رہی ہے کہ آپ کتنے خوش ہیں چلتے چلتے ماسی سرداراں کا گھر آ گیا اس نے مجھے دیکھتے ہی دور سے آواز دی کہاں جا رہی ہو بہو رانی دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ میاں گھر آنے والا ہے اور تمہیں کھانا تیار کر کے اس کے انتظار میں بیٹھنا چاہئے تھا۔ اسی سے تو پیار، محبت اور خوشی ملتی ہے میں نے پوچھا کہ ماسی کیا خوشی اسی بات میں ہے کہ عورت سارا دن گھر بیٹھی گھر کے کام دھندے کرتی رہے؟ جھٹ کہنے لگیں ہاں ہاں ضرور کُھسی (خوشی) اسی سے ملتی ہے دیکھو بہو میں اَسّی سال کی ہو رہی ہوں میں نہ کبھی پریشان ہوتی ہوں اور نہ ہی کوئی غم یا اداسی کا سایہ مجھ پر پڑتا ہے میں ہمیشہ خوش رہی ہوں تم جاؤ جلدی گھر جاؤ ادھر کہاں میموں کی طرح بھاگی جا رہی ہو؟ کہیں دفتروں میں کام تو نہیں شروع کر دیا؟ گویا ماسی کے نزدیک گھریلو عورت ہی خوش رہ سکتی ہے۔

میں یہ سب نوٹ کرتی ہوئی اپنی ڈگر پر چل پڑی بھوک لگ تو رہی تھی مگر آج تو مجھے ایک ہی دھن سوار تھی کہ خوشی کا راز کیا ہے اور خوشحال لوگوں کا پتہ لگانا ہے۔اتنے میں نماز ظہر کی اذان کی آواز سنائی دی۔اس پر میرے قدم کبھی آگے اور کبھی پیچھے جانے لگے کہ کیا کروں لوگ تو کھا پی کر اب اپنے رب کی عبادت، ذکر اور شکر کرنے کو آنے لگے ہیں میں کدھر جاؤں ......قدموں نے واپس جانے پر مجبور کیا واپسی پر گھر کے قریب کی نُکّڑ پر کسی کے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی آواز سنائی دی۔غور سے سنا تو پتہ چلا کہ بڑے میاں ہیں جو روزانہ پانچ وقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے ہیں اور ہر نماز کے بعد تلاوت قرآن ان کا معمول ہے اور اسی میں ان کو خوشی ملتی ہے۔ بیٹے کہتے ہیں کہ لاکھ نئے نئے اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس ان کو لاکر دو مگر ہمارے ابا حضور نے وہی شیروانی اور ٹوپی پہن کر ہی باہر جانا ہے اور اسی میں ان کی خوشی ہے مجھے بھی یہ دیکھتے کہ روزانہ بڑے میاں کا ایک ہی لباس ہے پورے بیس سال تو ہو گئے ہیں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہی مسکراتا چہرہ، ہر ایک کو سلام کہنے میں پہل کرنا، راستہ چلتے لوگوں کا حال احوال پوچھنا، بیماروں کی عیادت کرنا اور غریبوں کو سہارا دینا، دلاسہ دینا ان کی دن بھر کی مصروفیت تھی۔اور بڑے میاں اپنی زندگی سے پوری طرح مطمئن اور سرخرو دکھائی دیتے ہیں نہ قرض ہے نہ گھرداری کا فکر معمولی پنشن ملتی ہے اور خوش باش زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ بلکہ دوسروں کیلئے ایک مثال اور اعلیٰ نمونہ ہیں۔اکثر عزیزوں اور دوستوں کے آنے جانے والوں کا بھی تانتا لگا رہتا ہے۔بڑے میاں ہر دلعزیز ہیں اور عجیب اتفاق کہ ان کا نام بھی عزیز دین ہے مجھے بھی ان کی خوشی سے خوشی ہوتی ہے۔

دوپہر کا کھانا بقول ماسی سرداراں میاں کے ساتھ کھایا۔نماز ظہر کے ادا کرنے کے بعد جب یہ آفس چلے گئے مجھے پھر وہی خیال باہر جانے پر مجبور کرنے لگا کہ اتنے میں اچانک کسی

نے میرے گھر کے دروازے پر لگی گھنٹی اس قدر زور سے بجائی کہ میرے منہ سے بے اختیار یہ نکلا یا اللہ خیر ہو اتنی گرمی میں کون اس وقت آیا ہے؟ دیکھا تو نگہت کھڑی ہے جو میری برسوں پرانی سہیلی تھی۔ نہایت پراگندہ حالت میں کھڑی ساتھ میں ایک خوبصورت بچہ بھی ہے اور میرے دروازہ کھولنے پر میرے ساتھ لپٹ کر رونے لگی کہ خدارا تم نہ مجھے چھوڑنا، سب نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میں اپنی زندگی سے تنگ آ کر آج تمہارے پاس پناہ لینے آئی ہوں۔ ساری عمر میں سمجھتی رہی کہ میں دنیا کی خوش قسمت اور خوشحال ترین عورت ہوں اور حقیقت بھی تو یہی تھی کوئی دکھ نہ تھا مگر خوشیاں شاید دوسروں کے لئے ہوتی ہیں جو ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مجھ سے تو سب کچھ چھن گیا ہے۔ اس نے اپنی کہانی مجھے میرے پوچھنے سے پہلے ہی درد بھری آواز میں کہہ ڈالی۔ میں نے اسے دوبارہ گلے لگاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے اور بیٹے کو پیار کیا اور کولڈ ڈرنک لا کر پلایا اور کہا خوشی کی تو بہن بات ہی نہ کرو تم ابھی بھی خوش ہو، خوش قسمت ہو، خدا نے تمہیں ہاتھ پاؤں دیئے ہیں عقل سمجھ دی ہے ساتھ میں بیٹا بھی قدرت کا انعام ہے کیا ہوا اگر سہیل نے تمہیں چھوڑ دیا اور دوسری شادی کر لی ہے تم ایک پڑھی لکھی عورت ہو کام کاج کرنے کو تیار ہو تو میں ڈھونڈھ دوں گی، رہنے کے لئے فی الحال میرے ہاں ایک کمرہ خالی ہے۔ بڑی خوشی سے میں تمہارا ہر طرح خیال رکھوں گی۔ جب ہاتھ ذرا کھلا ہوگا تم کمرہ کرایے پر لے لینا۔ بچہ سکول جائے گا تم اس کی نیک تربیت کرنا، لائق ہوگا، بہو بھی اچھی ملے گی۔ دونوں مل کر ایک ہی گھر میں رہنا تمہاری زندگی پھر سے خوشیوں کا گہوارہ بن جائے گی۔

پس خوشی پانے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ کوشش کرنا پڑتی ہے۔ ہمت اور صبر و استقلال سے انہیں تلاش کرنا پڑتا ہے۔ خوشیاں تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اردگرد بکھیر دی ہیں

مگر اصل خوشی خدا کی عبادت، اور اس کے انعامات پر شکر ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ خدا ہمیں خوش رہنے کے سنہری اصول اپنانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

''غم تو ہمیں خود ہی ڈھونڈ ھ لیتے ہیں
لیکن خوشیاں ہمیں تلاش کرنی پڑتی ہیں۔''



ہماری امّاں جی

محترمہ صالحہ ایاز صاحبہ مرحومہ

(والدہ محترم افتخار احمد ایاز صاحب)

اماں جی تو وہ افتخار احمد صاحب ایاز کی تھیں مگر میں بھی ان کو اماں جی ہی کہا کرتی تھی اور دوسرے سب لوگ ان کو ''خالہ صالحہ'' کے نام سے جانتے تھے۔ اماں جی یعنی میری ساس 26 جنوری 1990 بروز جمعہ ربوہ میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آپ کی عمر 75 سال تھی۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہماری اماں جی مرحومہ بہت نیک اسم بامسمیٰ اور بہت خوبیوں کی مالکہ تھیں مجھے ایک بہو کے ناطے ان کے پاس ایک لمبا عرصہ رہنے کا موقع ملا تھا جبھی میں ان کی چھپی ہوئی خوبیوں اور صلاحیتوں کو بھی جان گئی تھی۔ آج ان کی جدائی کا صدمہ ہم سب کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے خاندان کی بزرگ، ہمدرد اور مشورے دینے والی تھیں اور بابرکت وجود تھا جو سب عزیزوں کو اپنے پاس جمع کر کے خوش ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں صبر جمیل عطا کرے۔

اماں جی نے 21 سال کا لمبا عرصہ اپنے میاں چوہدری مختار احمد صاحب ایاز مرحوم کی وفات کے بعد بیوگی میں گزارا لیکن صبر و ہمت کا دامن نہ چھوڑا اور کبھی حرفِ شکایت بھی زبان پر نہ لائیں اور یہ ان کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا کہ سب بیٹوں نے اپنے اپنے رنگ میں اپنے فرائض پورے کئے اور کسی طرح بھی کمی نہ آنے دی کہ اماں جی کو کسی کمی کا احساس ہو۔ اگرچہ

دو بیویوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہزار جھگڑے کھڑے ہو سکتے تھے مگر یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ میرے سسرال میں کبھی کوئی تنازعہ اس قسم کا نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی کسی موقع پر یہ احساس ہوا ہو کہ یہ چھوٹی امی کا بچہ اور یہ بڑی امی کا۔ سب برابر آپس میں مل جل کر ہی رہتے ہیں۔ چھوٹی امی چند سال قبل وفات پا گئی تھیں ان کے بعد ان کی ایک بیٹی کی شادی اماں جی نے خود اپنے ہاتھوں سے کی۔ مگر ایسی عمدہ مثال مساوات کی قائم کی کہ اپنی بیٹی سے بڑھ کر اس سے محبت کا سلوک کیا۔ بہت ہمدردی اور پیار کرتی تھیں۔ کسی کی تکلیف کا اگر علم ہو جاتا تو بے چین ہو جاتی تھیں اور ہر ممکن مدد کرتیں اور سکون پاتیں۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق تھا یہی وجہ تھی کہ جب کسی عزیز یا بچوں کی شادی بیاہ کا موقع ہوتا تو خواتین مبارکہ کی لسٹ خود لکھواتیں اور خاص انتظامات ان کے بٹھانے اور استقبال کے لئے کرواتیں۔ ان کی زندگی کے آخری ایام میں یعنی صرف بارہ روز قبل جبکہ میں ان کے پاس ربوہ میں تھی دراصل اس سال صد صالہ جشن تشکر کے سال کی برکتوں میں سے ایک یہ بھی پروگرام میرے میاں نے بنایا کہ اس سال ہم سب بچوں کو لے کر قادیان اور ربوہ اماں جی سے ملانے جاتے ہیں۔ جس کا یہ احسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا کہ اس نے توفیق دی کہ ہم ان سے مل سکے اور آخری خدمت اور شفقت سے حصہ ملا۔ ہمارے جانے پر اسقدر خوش ہوئیں کہ مٹھائی بانٹی اور نہال ہو ہو جاتیں، بچوں کو گلے لگا لگا کر پیار کرتیں اور تقریباً روزانہ ہی شام کو گرم گرم جلیبیاں اور نمک پارے منگوا کر پاس رکھ لیتیں اور بچوں کو اپنے پاس بٹھا کر گھنٹوں باتیں کرتیں اور پوچھتیں کہ بتاؤ اور کون سی چیز پاکستان کی اچھی لگی ہے۔ ان کے پوتے نے فرمائش کی کہ دادی جان یہاں میتھی ہوتی ہے تو مجھے میتھی کی روٹی بنا کر کھلائیں۔ اگلے ہی دن ڈھیر ساری میتھی لے کر صحن میں دھوپ میں چارپائی رکھوا کر میتھی کے پتے چن

چن کر پوتے کے لئے روٹی پکانے کی تیاری شروع کر دی اس موقع کی ایک تصویر بھی پوتے نے لی ہے جواب یادگاری تصویر بن گئی ہے۔ ساس لفظ مجھے ذرا سخت لگا کرتا تھا دراصل لوگوں کے ڈرانے اور اپنے تاثرات اور واقعات بتانے سے واقعی میں بھی بہت ڈری ہوئی تھی کہ ایک نہ چھوڑ میری تو دو ساسیں ہیں اور پھر مجھے بیاہ کر جانا بھی دور دیس تھا احمد نگر سے افریقہ یہ بات انہوں نے میرے بچوں کو بڑے مزے لے لے کر اپنی زبانی سنائی کہ جب میں نکاح کے بعد تمہاری امی کے گھر آنے جانے لگی اور اس کی جھجھک ذرا کم ہوئی تو مجھے دیکھ کر قدرے ڈر گئیں کہ یہ تو وہی خالہ غصے والی ہیں جو ہمیں سکول اور کالج کے زمانہ میں ڈنڈا پکڑے خاموش رہنے کو کہا کرتی تھیں اور ہم شوخ لڑکیاں ان کی نظروں سے دور رہنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔ اور اب کیا ہوگا مجھے تو ہر وقت ہی ان کی نظروں کے سامنے رہنا ہوگا کافی رعب والی خالہ لگتی تھیں مگر کہتے ہیں نا کہ تالی بھی دو ہاتھوں سے بجتی ہے یہاں معاملہ الٹ رہا ہمیشہ پیار اور محبت اور اخوت کا سلوک ہی دیکھا تعاون اور ایک دوسرے کی ہمدردی کرتی تھیں اگر ایک بیمار ہوتی تو دوسری امی ان کی پوری پوری تیمارداری اور خدمت کرتیں۔ قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک واقعہ یاد آ گیا کہ میں نے اپنی امی جان کو تو ویسے بھی کبھی سونے کا زیور پہنے نہ دیکھا تھا۔ چونکہ ہسٹری میں پڑھ رکھا تھا کہ افریقہ میں سونے کی کانیں ہوتی ہیں اور ملک بھی سونے کی چڑیا کہلاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب ان کے گھر آئی اور کبھی دونوں ساسوں کو کوئی زیور پہنے نہ دیکھا حیران تو ضرور ہوئی مگر وجہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اسی دوران ایک جماعتی مالی تحریک ہوئی تو میں نے اپنے تمام زیورات دینے کی خواہش کی تو اماں جی نے مجھے روکا کہ بیٹا جی رقم اگر دے سکو تو دے دو زیور ایک بار کا دیا ہوا دوبارہ کبھی بنتا نہیں میں حیران بھی ہوئی اور سوالیہ پوچھا کہ آپ تو اس قدر جذبہ رکھتی ہیں مالی قربانی کا مجھے کیوں زیور دینے

سے روک رہی ہیں کہنے لگیں کہ تم اس گھر کی بڑی بہو ہو لوگ سمجھیں گے کہ ساسوں نے سارا زیور لے لیا ہے کسی کو کیا پتہ چلے گا کہ تم نے چندہ میں دے دیا ہے ہماری عزت اسی میں ہے کہ تم زیور پہن کر رکھا کرو ابھی تو اور بہوؤں نے بھی آنا ہے بُرا اثر پڑے گا۔ مگر مجھے اس بات سے تسلی نہ ہوئی طبیعت میں قلق ہی رہا کہ ایک دن چھوٹی امی مرحومہ مجھے خاموش بیٹھے دیکھ کر میرے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں کہ کیا بات ہے اپنی امی کے لئے اداس ہو گیا؟ میں نے بتایا کہ نہیں یہ بات نہیں ہے میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ بڑی امی نے مجھے ایسے کیوں کہا ہے اس پر انہوں نے بتایا کہ یہ گاؤں کی امیر ترین شخص کی بیٹی ہیں ان کے والدین نے انہیں زیور ترازو میں تول کر دیا تھا یعنی بے حساب تھا۔ ان میں یہ دستور ہے کہ زیور پہنو تو عزت دار سمجھتے ہیں بہر حال ان باتوں سے میں ان کا مطمعٔ نظر سمجھ گئی اور اس وقت رک گئی تا کہ خوش رہیں ۔مگر بعد میں وقت پڑنے پر اپنی مرضی بھی کر لی ۔ ایک اور واقعہ ان کے صبر و رضا کا انہوں نے خود اپنی زبانی بتایا کہ افریقہ کے ایک شہر ''ٹانگا'' جہاں اس وقت مسجد نہ بنی تھی مگر کافی احمدی گھرانے موجود تھے ابا جی میرے سسر نے ایک بڑا کمرہ نماز کے لئے وقف کر رکھا تھا اور تمام احمدی احباب باقاعدہ نمازوں کے لئے آتے ۔ جمعہ کی نماز بھی گھر پر ہوتی جن میں عورتیں بھی شامل ہوتیں اور ہم ایک بیڈروم اس روز خالی کر دیا کرتے تھے اور اس طرح سے عیدین پر بھی پورے پورے اہتمام سے گھر میں سب نمازیوں کے لئے ناشتہ اور چائے وغیرہ کا انتظام دونوں امیاں کیا کرتی تھیں ۔ ایک مرتبہ عید کا دن تھا مگر مرضیٔ مولیٰ دیکھئے کہ اسی رات کو ان کی ایک چھوٹی بیٹی مبارکہ اس کا نام تھا فوت ہوگئی (اگلے سال چھوٹی امی کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی تو اس کا نام بھی مبارکہ ہی رکھا زندہ کرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ مبارکہ کو لمبی زندگی دے ۔ ابا جی نے مبارکہ کی وفات پر اماں جی سے کہا کہ یہ بچی تو اللہ کو پیاری ہوگئی ہے

مگر ہمیں صبر و رضا کا نمونہ بننا چاہیئے۔کل صبح عید ہے سب احمدی احباب ہمارے گھر تشریف لائیں گے میں چاہتا ہوں کہ حسب معمول گھر میں سب نئے کپڑے پہنیں اور ناشتہ میں سیویاں اور مٹھائی ہو وغیرہ وغیرہ اور کسی بات سے پتہ نہ لگے کہ ہم غمزدہ ہیں اور تم کمرے کا دروازہ بند رکھنا اور اگر کوئی پوچھے کہ بچی کہاں ہے تو کہہ دینا آرام سے سو رہی ہے اس لئے دروازہ بند کر دیا گیا ہے بے آرام نہ ہو اور ہم نماز عید سے فارغ ہو کر سب کو خوشی خوشی گلے مل کر اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے دیں گے اور بعد میں بچی کو غسل دے کر اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے سپرد کرنے جائیں گے۔ یہ واقعہ بتاتے بتاتے اماں جی بے اختیار ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ وہ دن مجھے آج بھی نہیں بھولتا کہ میں سب کو ہنسی خوشی کھاتے پیتے دیکھ کر کیسے صبر کر رہی تھی حالانکہ اندر سے میرا کلیجہ پھٹ رہا تھا کہ میری خوبصورت بچی کا جنازہ اندر رکھا ہے مگر کہتی تھیں کہ میں نے بڑے صبر کئے ہیں۔

پوتے کی خواہش فطرتی امر ہے اوپر تلے دونوں پوتیوں کی پیدائش پر بھی بے حد خوش ہوئیں یہ احساس نہ ہونے دیا کہ پوتی ہے پوتا کیوں نہیں ہوا سب کو لڈو ہی کھلاتی رہیں۔اللہ تعالیٰ نے تیسرے سال میں ہی پوتے کی خوشی دکھائی جبکہ وہ میرے پاس نہ تھیں بلکہ ربوہ مستقل رہائش اختیار کر لی تھی اور چھوٹی امی میرے پاس تھیں مبارک باد کا تار حضور سے نام رکھوا کر دیا مگر چھوٹی امی اکثر پیار سے ان کو چڑایا کرتی تھیں کہ صالحہ جب تم بہو کے پاس ہوتی ہو تو پوتی ہوتی ہے اور جب میں تھی تو خدا نے پوتا دیا۔الحمدللہ یہ پیار سے جتلانا ہوا کرتا تھا اور فخر محسوس کرتی تھیں کہ سب ہمارے بچے پوتے پوتیاں کتنا پیار کرتے ہیں۔ میرے لئے دونوں برابر تھیں اس بات سے میں فخر سے کہہ سکتی ہوں کہ میں ان خوش قسمت بہوؤں میں سے ہوں جن کو ماں باپ کے پیار کے علاوہ بھی سسرال جا کر پیار ملا۔الحمدللہ علی ذالک۔اللہ

میاں سب کی بچیوں کو ایسے گھرانے عطا کرے۔ آمین۔

اماں جی کی خاص خوبیوں کے علاوہ ان کا خاص وصف یہ تھا کہ بہت زیادہ مہمان نواز تھیں، مہمان کی آمد سے بہت خوش ہوتیں اور ہر ممکن کوشش اور خواہش ہوتی کہ مہمان کی خوب جی بھر کر تواضع کریں اگر گھر میں کچھ خاص چیز موجود نہ ہوتی تو نوکر کو یا کسی بچے کو بازار بھجوا کر منگواتیں اور مہمان کو اصرار کر کے زیادہ دیر بٹھاتیں کھانے کا وقت ہوتا تو کھانا کھلاتیں وگرنہ موسم اور مہمان کے مطابق اس کی خاطر و مدارات کرتیں۔ لجنہ کی میٹنگز میں با قاعدہ جاتیں اور جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتیں اور صحت کے دنوں میں پیدل چل کر مسجد جاتیں چندہ کی بڑی پابندی کرتی تھیں۔ قادیان دارالامان میں ایک مرتبہ دارالیتمٰی کے لئے حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک پر کہ ہر عورت آٹا گوندھتے وقت اگر ایک مٹھی بھر آٹا الگ نکال کر رکھ لے تو ایک ہفتہ کے بعد اسے تو احساس بھی نہ ہوگا مگر جمع شدہ آٹا ایک خاندان کی کفالت کر سکے گا۔ اماں جی نے بتایا کہ میں کندھے پر آٹے کی گٹھری اٹھا کر جاتی اور گھر کی مالکن کو مخاطب کر کے کہتی لاؤ تم نے کیا جمع کیا ہے ہفتہ بھر میں ...... گویا خدمت کا جذبہ بھی بہت تھا۔ خاص طور پر غریب پروری ان کے اکثر ملنے والے غریب طبقہ کے لوگ تھے جن کا جمگھٹا ان کے گرد رہتا اور وہ اپنی آمد اور خرچ سے بچا کر بھی ان کی ان کے عزیزوں کی خدمت کرتیں۔ اللہ کے فضل سے موصیہ تھیں اور تمام حساب کتاب صاف تھا اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔ سلیقہ شعار اور کفایت شعار بھی بہت تھیں کم سے کم آمد سے بھی خرچ پورے کر لیا کرتی تھیں مگر اپنے نفس پر خرچ نہ کرنے کی عادی تھیں۔

میرے میاں ڈاکٹر افتخار احمد ایاز جو ان کے سب سے بڑے بیٹے ہیں ان کو اپنی والدہ کی وفات کی خبر اس دیارِ غیر میں ملی ہے جہاں ان کو پہنچے صرف چار دن ہوئے تھے۔ میں ان

کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں، وہاں ان کی زبان اور جذبات کو سمجھنے والا بھی کوئی نہیں تھا مگر وہ اللہ کا بندہ راضی برضا ہو گیا۔ بڑی ہمت سے سب کو خطوط لکھے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ:

''امتحان ضرور ہے مگر راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو۔ زندگی فانی ہے اماں جی کی خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔''

ہماری اماں جی کے کل 6 پوتے اور 6 پوتیاں 8 نواسیاں اور 7 نواسے اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھائے سب بچے اپنے اپنے گھروں میں خوش وخرم اور صاحب اولاد ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہم سب کو ان کی خواہش کے مطابق بنائے۔ آمین۔

میں اپنے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت سیدہ آپا جان سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ رحمھا اللہ کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے میرے گھر تشریف لا کر اظہار تعزیت فرمایا اور افتخار صاحب کو طوالو میں تسلی و ہمدردی کا پیارا تار بھی بجھوایا علاوہ ازیں میں ان سب عزیزوں اور بہنوں اور بھائیوں کے علاوہ لجنہ اماء اللہ یوکے کی تمام بہنوں کی ممنون ہوں اور شکریہ ادا کرتی ہوں جو اپنا قیمتی وقت لے کر میرے پاس آئیں اور کافی وقت میرے ساتھ گزارا اور تعزیت کی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزاء خیر عطا کرے اور سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔



فکر کی بات

کبھی کبھار ایسے بھی ہوتا ہے کہ صبح سے شام تک آپ کو ایسے دوست ایسے عزیز یا ایسی کتابیں پڑھنے کو ملتی ہیں جن سے آپ کو ایک ہی طرح کی کہانی قصہ یا واقعہ سننا یا پڑھنا پڑے۔ کچھ ایسی ہی میری آج کی بات ہے اور ہوسکتا ہے کہ آج آپ کو بھی ایسے ہی باتیں بتانے والے ملے ہوں اگر آپ ''النصرت'' کا باقاعدگی سے مطالعہ کریں تو ضرور ایسی دلچسپ اور معلوماتی باتیں پتہ چلیں گی تو آیئے کچھ ہماری بھی سنئے۔

آج میں کچھ اچھے موڈ میں تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کوئی مزیدار سا پروگرام بنا کر یا تو پکنک پر چلیں یا پھر کوئی اچھا پیار کرنے والا ہمارے گھر آجائے اور ہم خوب مزے مزے کی چیزیں پکا کر کھائیں اور خوش گپیاں ہوں۔ گھنٹی بجنے پر جو میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ نبیلہ اور ماسی عِلم بی بی کھڑی ہیں میں نے کہا کہ بس خدا نے میری آج کی تمام خواہشیں پوری کرنی ہیں۔ خوب آؤ بھگت کی خوش آمدید کہا اور سوچا کہ اب تو گھر میں ہی پکنک ہو جائے گی۔ دونوں کی مزے مزے کی زندہ دلی کی باتیں ہنسی مزاح اور پھر چٹ پٹے کھانے پکانے والی۔ بس میں آرام ہی کروں گی۔ مگر ادھر جو فون کی گھنٹی بجی تو بس دل دھک سے رہ گیا۔ انیسہ نے رو رو کر اپنے چہیتے خاوند سے علیحدگی کے قصے سنانے شروع کر دیئے اور گھنٹہ بھر مسلسل روتے ہوئے باتیں کرتی رہی کہ میں نے تو دھوکا کھایا مرد تو ہوتے ہی بے درد ہیں۔ میں دن رات کے ناز اٹھانے والے خاوند سے علیحدہ ہو کر تمہاری طرف آ رہی ہوں چند منٹوں میں۔

میں نے اس کی فریاد پر کہہ دیا کہ اچھا تم اکیلی نہ آؤ۔تم زیور کپڑے بھی ساتھ لا رہی ہو میں خود تمہیں لینے کار میں آجاتی ہوں ۔ یہ بات ماسی علم بی بی نے کاٹ کر کہا کہ پہلے اپنی ماسی کے رہنے کے لئے تو سامان کرلو جو پہلے ہی اپنے بوڑھے کھوسٹ میاں کو دوسری شادی کرنے پر خدا حافظ کہنے کے بعد تمہاری طرف آئی ہے کہ تمہارا گھر بڑا ہے اور میاں تمہارا اکثر سفر پر رہتا ہے میں ایک طرف پڑی رہوں گی گھر کے کام کاج بھی کروں گی ۔تم ملازمت تو کرتی ہی ہو ......میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور خاموشی کی وجہ سے انیسہ پوچھنے لگی ۔کیا بات ہے فون پکڑ کر کھڑی ہو بتاؤ کب آ رہی ہو ۔ وگرنہ میں گھر سے چلنے لگی ہوں میں نے کہا تم ذرا ٹھہرو میں دوبارہ فون کر کے بتاتی ہوں کوئی ملنے والا آ گیا ہے دراصل میں نے بات بدل کر ایسے کہا تھا کہ ماسی کو کیا ہوا اس بڑھاپے میں اپنے گھر سے نکلنے اور خاوند کو چھوڑنے کی وجہ تو معلوم کروں ۔ میرے اصرار پر ماسی نے بس یہ کہا کہ بوڑھا بہت تنگ کرتا ہے کہ تم اب بوڑھی ہو گئی ہو کوئی جوان بیاہ کرلاؤں گا ۔روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر جو میں نے کہہ دیا اچھا جا لے آ......بس کیا تھا نگوڑی جوان چار دن کے بعد ساتھ لیکر آ بنا اب میں کاہے کو اس کے پاس رہوں ٹھیک ہے نا ۔ بی بی میری بنو تیری ماسی کیا کرے ۔اب میں نے ذرا آنکھ اٹھا کر نبیلہ کی طرف دیکھا کہ اس کو ماسی پر رحم آ رہا ہے یا غصہ تو کیا دیکھتی ہوں کہ زار و قطار رو رہی ہے ۔ میں نے جھٹ اٹھ کر اس کو گلے سے لگایا کہ نبیلہ تجھے کیا ہوا کیا تو بھی کوئی ایسی ہی کہانی لیکر آئی ہے آج قسمت کی ماری !اس پر وہ تو جانے آبلا بنی بیٹھی تھی اور سارا ماحول اور گفتگو اس کے لئے روک بن رہا تھا جو وہ کہنا چاہتی تھی کہہ نہ پا رہی تھی ۔ میرے دلاسہ دینے پر سسکیاں لیتے ہوئے بولی میں اب کہاں جاؤں چھ بچوں کا ساتھ ہے ۔اگر میرے پاس ڈگری نہیں اور میں کوئی ملازمت نہیں کر سکتی تو کیا ہے گھر میں سو قسم کے بچت کے طریقے اور سلیقے سے گھر چلاتی

ہوں ۔ بچوں کے کپڑے خود سیتی سویٹر بن لیتی ہوں ۔کبھی بچوں نے فش اینڈ چپس کے لئے بھی ضد کی تو گھر میں بنا دیتی ہوں کہ باہر سے لاؤ گے تو خرچ زیادہ ہوگا مگر آج جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے اس کا تو کوئی حل ہی نہیں ہے کہ نعیم نے مجھے طلاق نامہ دے کر نکاح فارم پر دستخط کئے ہوئے دکھا کر کہا ہے کہ اب تم اپنا حق برٹش گورنمنٹ سے لو میں نے تو ایک گریجویٹ لڑکی سے شادی کر لی ہے جو میرے ساتھ ملکر برابر کام کرے گی اور ہم دونوں اب نئے ماحول میں سکون آرام کی زندگی گزاریں گے۔

دیر کافی ہو جانے پر انیسہ نے ہی دوبارہ فون کیا کہ خیریت تو ہے تم نہیں آ رہی نہ آؤ میں نے خودکشی کرنے کی ٹھان لی ہے کہ میاں نے مجھ پر چوری کا الزام لگا کر مجھے گھر سے نکل جانے کی دھمکی دی ہے جبکہ میں اپنا زیور لے کر تمہارے گھر پناہ لینے اور ہمدردی لینے آ رہی تھی۔ بھلا اچھی بھلی چنگی انیسہ کے خاوند نے کیوں شادی کی ابھی تو شادی کو صرف دو سال ہی ہوئے تھے بچہ ہو ہی جائے گا ایسی بھی کیا بات تھی کچھ زیادہ دیر بھی نہ ہوئی تھی۔

دوپہر کی ڈاک میں کافی خط تھے میں نے جو ایک لفافہ کھولا تو بس سر چکرا گیا کہ یا خدایا آج کا دن کیسا چڑھا ہے کہ ایسے ہی واقعات سننے اور پڑھنے میں آ رہے ہیں دل تھام کر رہ گئی اور وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ کر خط پڑھنے لگی جو کئی صفحوں پر مشتمل تھا۔ یہ میری ایک سہیلی نویدہ کا تھا جو کئی سالوں سے دوبئی گئی ہوئی تھی اور اکثر پوسٹ کارڈ بھجوایا کرتی تھی آج اتنا بھاری لفافہ پا کر میں بھی تو حیران ہو گئی تھی لکھا گیا تھا کہ تمہارے دولہا بھائی کی تو آزاد طبیعت سے تم بخوبی واقف تھیں اب تو آج کے واقعہ کے بعد تم کو کوئی اور دولہا بھائی ڈھونڈنا پڑے گا وجہ یہ لکھی تھی کہ ہم دونوں چھٹیاں گزارنے قطر گئے ہوئے تھے ندیم کی ایک ضد تھی کہ تم یہاں چھٹی گزارنے آئی ہو خوب مزے کرو اور آزاد پھرو پردہ بالکل نہ کرو خاص طور پر میرا برقعہ ان کی

دوسری شادی کی دھمکی بنا آج جبکہ وہ ایک دوشیزہ کے ساتھ بہت خوش ہیں اور میں اپنی علیحدگی کے کاغذات سامنے رکھ کر تمہیں یہ دکھیا کہانی لکھ کر سب کچھ بتانا چاہتی ہوں کہ میرا یہ حال ہے دنیا اندھیر ہوگئی ہے آخر مردوں کی عقل پر پردے کیوں پڑ گئے ہیں پردے تو عورتوں کی زینت اور حیا کی بنیاد ہوتے ہیں۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اپنے ماحول کا جائزہ لے ہی رہی تھی کہ میرے میاں وہ تصاویر لے کر آگئے جوان کے ایک پرانے دوست نے اپنی شادی کی بھجوائی تھیں اور اب تازہ تصاویر جو البم میں لگا رکھی تھیں دکھانے لگے کہ دیکھو انجم نے تو دوسری شادی صرف اس لئے کی تھی کہ اس بیوی سے بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوتی ہیں اور اب دیکھو اس تصویر میں مزید چار بیٹیوں کے ساتھ بیٹھا ہے......اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا مجھے کچھ شاپنگ کرنے جانا تھا میں سب سے اجازت لے کر بس کے انتظار میں کھڑی تھی کہ مسز حسین بھی لائن میں کھڑی نظر آئیں سلام کیا اور بات کرنے لگی کہ کبھی تو کوئی کام کر دیا کرو میں نے پوچھا کیا کام؟ کہنے لگیں کہ میرے بیٹے کے لئے کوئی رشتہ بتاؤ گزشتہ سال جس کی شادی کی تھی وہ بیوی بڑی ہی بداخلاق اور پھوہڑ نکلی ہے نہ خاوند کی عزت کرتی تھی نہ گھر کو سلیقے سے سنبھالنا آتا تھا بیٹا بے چارا تنگ آکر طلاق دے چکا ہے۔ یہ ساری باتیں وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئیں اور میں ان کا منہ تکتی رہ گئی اتنے میں بس آگئی اور میں نے اپنی راہ لی وہ رشتہ مانگتی رہ گئیں۔ واپسی پر شاپنگ سنٹر سے ہی ایک دور کی رشتہ دار کو دیکھا جو زیورات کی دوکان سے انگوٹھی خرید رہی تھیں میں حیران ہوئی کہ بھلا کس کیلئے انگوٹھی ہوگی حالانکہ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی کو تو ایک سال ہوگیا ہے شاید شادی کی سالگرہ منا رہے ہوں گے میں نے سوچا مگر گھر پہنچ کر ان کے فون سے منگنی پر آنے کی دعوت سے سارا علم ہوا کہ بیٹے نے بہو کو چھوڑ کر دوسری

لڑکی سے شادی کرنا ہے اور آج اس کی منگنی ہے وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ جھگڑے تو پہلے دن سے ہی چل رہے تھے کہ علیحدہ گھر خرید و ساز و سامان رکھنے کے لئے ایک کمرہ کافی نہیں ہے تمہارے پاس کار بھی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ آخر علیحدگی کروالی ہے میں نے کہا کہ تمہارے جیسے آدمی کے ساتھ تو میرا گزارا نہیں ہے بھلا قصوروار کون ہے یہ فیصلہ کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔

ایک نہیں بیسیوں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ دونوں فریقین اپنی اپنی جگہ برحق اور بے قصور ہیں اس لئے میں اس مضمون کو ایک واقعہ لکھ کر ختم کرتی ہوں کہ میاں بیوی 25 سال اکٹھے رہ رہے ہیں ان کے پیار سے بنائے ہوئے دو پھول بھی ہیں جواب اپنی جوانی کی اٹھارہ انیس بہاریں دیکھ رہے ہیں مگر عورت نے اپنے خاوند کی بدزبانی اور شکّی نگاہوں سے تنگ آ کر علیحدگی اختیار کرنا قبول کیا ہے جبکہ نوجوان بچے ماں کو طعنے دیتے ہیں کہ ماں کاش تم یہ فیصلہ نہ کرتیں ہم کسے اپنا باپ کہیں ہماری شادیاں ہوجانے تک تم نے انتظار کیا ہوتا اور اب بچوں کے رشتوں میں بھی یہ چیز روک بن گئی ہے کاش ایسے نہ ہوتا اب بتایئے قصور کس کا ہے۔ میں ایک عورت ہوں عورت کی طرفداری کرنا فطرتی امر ہے مگر آج کل ہماری عورتوں کی قوت برداشت سعادتمندی اور نیکی اور اطاعت مفقود ہو کر رہ گئی ہے اور یہ سب ہم سب کا باہمی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کا فیصلہ قارئین خود کریں کہ مرد کی دوسری شادی میں قصوروار عورت ہے یا مرد میرے خیال میں یہ بات دونوں طرف کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



”شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات“

17اپریل1989ء جمعۃ المبارک کا خطبہ بہت خاص تھا۔ اس لئے کہ اگلے روز رمضان شروع ہونے والا تھا۔ ویسے ہر جمعہ ہی خاص ہوتا ہے جو بھی حضور پڑھائیں۔ مگر آج جمعہ نہ پڑھ سکنے کا سُنبل کو کچھ زیادہ ہی افسوس تھا کیونکہ اس کا ایک بہت نیک خاندان سے تعلق تھا اور خود بھی وہ بہت نیک تھی اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتی تھی۔ سُنبل کی سہیلی حِنا بہت سست تھی۔ جمعہ کی نماز چھوڑ دوسری نمازوں کیطرف سے بھی بہت لاپرواہ تھی اور سُنبل کو ہمیشہ اس کی تربیت اور بہتری کی فکر رہتی تھی۔ جمعہ کے بعد سُنبل نے فوراً خطبہ کی ٹیپ حاصل کی اور اسے غور سے سنا تا کہ رمضان کے متعلق حضور کے ارشادات کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکے۔ اگلے دن جب حِنا سے ملاقات ہوئی تو حنا نے بھی خطبہ کے بارہ میں پوچھا جس سے سنبل کو بہت خوشی ہوئی شاید رمضان کی برکت تھی۔ اس پر سنبل نے کہا تو سنو! آج سے تو بس میں نے کبھی جھوٹ بھی نہیں بولنا۔ مذاق میں بھی اور نہ ہی کوئی چغلی یا چھیڑ چھاڑ کیا کروں گی۔ ویسے میری تو عادت ہی بن گئی تھی ہر ایک کا مذاق اڑانا۔ اب آج سے میں سنجیدہ ہو کر نمازیں پڑھوں گی اور عہد کر لیا ہے کہ پورے روزے بھی رکھوں گی۔ انشاء اللہ۔ اور ہاں سچ ہو سکا تو تراویح بھی ضرور پڑھنے جاؤں گی۔ اور قرآن پاک کا با ترجمہ دور بھی مکمل کر سکوں تو کتنا اچھا ہوتا کہ مجھے علم ہو کہ اس پیاری کتاب میں کیا لکھا ہے۔ اگر اللہ میاں مجھے توفیق دے تو میں نماز تہجد بھی پڑھا کروں۔ اس پر حنا، جو اتنی دیر سے چپ بیٹھی تھی سے رہا نہ گیا اور جھنجھلا کر بولی آخر تم کو ہو

کیا گیا ہے؟ جو آج بڑی عالمانہ اور فلسفیانہ باتیں کر رہی ہو۔ نیکیوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کیا بات ہے؟ سنبل نے یہ باتیں تو اپنے دل میں اسی وقت طے کر لی تھیں جب حضور اقدس نے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا کہ یہ اس صدی کا پہلا رمضان ہے ہر ایک کو رمضان کے روزے رکھنے چاہئیں اور کماحقہٗ عبادت کرنی چاہیئے۔ اور پوری کوشش کر کے خدا کو پانے کی خواہش ہی نہ کرو بلکہ یہ رمضان ختم نہ ہو جب تک کہ کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو خدا کو نہ پالے۔ اس پر حنا نے سنبل کو جھنجھوڑا اور کہا کہ اللہ کی بندی پہلے یہ تو بتاؤ کہ کیا رمضان کے روزے ہر ایک پر فرض ہیں؟ ہاں حنا تم نے قرآن تو پڑھا ہے اس میں لکھا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (سورۃ بقرہ آیت184)

یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزوں کا رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جسطرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تا کہ تم روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے بچو۔

اب تو تم سمجھیں کہ روزے ہمارے پہلوں نے بھی رکھے اور ہم نے بھی رکھنے ہیں۔ اچھا تو کل سحری کے وقت مجھے فون کر کے جگانا تمہارا کام ہوگا۔ اچھا اچھا یہ بھی اب میرا کام۔ بھلا تم الارم کیوں نہیں لگا لیتیں اور وقت مقررہ پر اٹھ کر پہلے نفل پڑھو پھر سحر کھانا۔ اور سنو میرے لئے تو سحر کیلئے اٹھنا ہی یہاں لندن جیسی جگہ پر جہاں سردی اور اندھیرا ہوتا ہے اور ہم مکانوں میں سنٹرل ہیٹڈ کمروں میں مزے سے سونے کے عادی ہیں کیسے اٹھوں گی۔ ہاں مجھے یہ بتاؤ کہ وقتِ سحری کیا ہوگا۔ سچ تم بھی ایک مصیبت ہو۔ ایک نیکی کیلئے کہو تو سب کچھ تیار لا کر بھی دو۔ خود کیوں نہیں جو لندن مشن سے تیار کردہ چھپا ہوا ٹائم ٹیبل سحر و افطار بمع روزہ رکھنے کی

دعا اور افطار کی دعا لے آتیں۔ پھر وہی بات کیسے جاؤں۔ نہ جاؤ بس مشن میں فون کر کے ذرا درخواست کر دو تو کوئی مہربان بھائی یا بہن آپکو پوسٹ کر دیں گے۔ بھلا کتنے گھنٹے کا روزہ ہوگا۔ یہ کوئی اٹھارہ گھنٹے کا بنے گا۔ سحر کا وقت تین بج کر 45 منٹ پر اور افطار کا 8 بجے ہوگا۔ ہائے اللہ کیسے رکھوں گی اتنا لمبا روزہ۔ کیوں گھبرا گئی حنا۔ تم تو امتحانوں کے دنوں میں دو دن کھانا بھی نہ کھایا کرتی تھیں اور نہ ہی پاس رکھی چائے یا کافی پینا تمہیں یاد رہتا تھا۔ روزے کے نام سے یوں گھبرا رہی ہو جیسے موت آ جائے گی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی تم مزا لے کر تو دیکھو۔

اگلی صبح دونوں کے کالج جانے کا وقت ایک ہی تھا۔ ٹرین پر سوار ہوتے ہوئے باتیں کرتی گئیں کہ تم نے روزہ رکھا، تم نے رکھا۔ دونوں روزے دار تھیں۔ سنبل بتاؤ تم نے سحری میں کیا کھایا۔ ارے اتنی تبلیغ کر رہی تھیں روحانی غذا کی مگر تم ہو کہ پھر کھانے وغیرہ کی بات کر رہی ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ نفل پڑھے اور دعائیں کیں، استغفار کیا یا نہیں۔ اس پر حنا بولی کہ آج تو صرف کھانا کھا کر ہی روزہ رکھا ہے وہ بھی مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ کیسے بھوک برداشت کروں گی۔ کل سے نفل بھی پڑھوں گی جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے ہماری امی ہمیں سکھایا کرتی تھیں نماز اور روزے کا پابند رہنا خدا کی رضا پر رضامند رہنا۔

ہمارے آقا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تفصیل سے رمضان المبارک کے روزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ روحانی ترقیات کے حصول کیلئے سب سے بڑی عبادت نماز اور روزہ ہیں اور نماز اور روزہ کا باہمی تعلق ایسا ہے کہ نماز کی حقیقت روزے کے بغیر تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی اور اس طرح نماز کے بغیر روزے سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ تعلیم جو ہے اس ملک کے حالات کے مطابق بہت اہم ہے کہ یہاں پر زندگی کا طریق اس قسم کا ہے کہ لوگ چھوٹی

چھوٹی باتوں کا سہارا لے کر روزہ رکھنے سے اعراض کرتے ہیں یعنی بچتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ روزہ نہ صرف انسان کی روحانی صحت کیلئے مفید ہے بلکہ آجکل کی تحقیقات کے مطابق روزہ انسان کی جسمانی صحت کیلئے بھی بہت مفید ہے۔آجکل کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بڑھاپا اور کمزوری انسان کے جسم میں زائد مواد جمع ہو جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔اور ان زائد مواد کے جمع ہو جانے کی وجہ سے بیماری پیدا ہوتی ہے روزہ اس کے لئے بہت مفید ہے صحت کی حالت میں جب روزے رکھے جائیں تو دورانِ رمضان بے شک کچھ کوفت محسوس ہوتی ہے مگر رمضان کے بعد جسم میں ایک نئی قوت اور تر و تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔یہ فائدہ تو صحت جسمانی کے لحاظ سے ہے۔مگر روحانی لحاظ سے اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ روزے رکھتے ہیں خدا تعالیٰ ان کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے اس لئے روزوں کے ذکر کے بعد خدا تعالیٰ نے دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں کے قریب ہوں اور ان کی دعاؤں کو سنتا ہوں۔پس روزے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی چیز ہیں اور روزے رکھنے والے کی خدا ڈھال بن جاتا ہے۔جو اس کو ہر قسم کے دکھوں اور شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

پھر روزے کے ذریعہ انسان اس طرح بھی بچتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کیلئے تکلیف میں ڈالتا ہے تو خدا اس کو گناہوں کی سزا سے بچا لیتا ہے۔پھر جب وہ فاقے رہ کر بھوک کی تکلیف محسوس کرتا ہے اور اپنے غریب بھائیوں کی خبر گیری کرتا ہے اور ان کا ہلاکت سے بچنا خود اسے بھی ہلاکت سے بچا لیتا ہے۔کیونکہ بعض افراد قوم کے بچنے سے آخر ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے دنوں میں بہت کثرت سے صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔احادیث میں آتا ہے کہ رمضان کے دنوں میں آپ تیز

چلنے والی آندھی کی طرح صدقہ کیا کرتے تھے۔اور درحقیقت یہ قومی ترقی کا بہت بڑا گُر ہے کہ انسان اپنی چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔تمام قسم کی تباہیاں اسی وقت آتی ہیں جب کسی قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہوجائے کہ ان کی چیزیں انہیں کی ہیں۔دوسروں کا ان میں کوئی حق نہیں اور اُن سے فائدہ اٹھانے کا حق انہیں کو ہے۔جن کو وہ چیزیں دی گئیں ہیں۔

دنیا کے نظام کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ میری چیز دوسرا استعمال کرے اور رمضان اسکی عادت ڈالتا ہے۔روپیہ ہمارا ہے، کھانے پینے کی چیزیں ہماری ہیں مگر حکم یہ ہے کہ دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچاؤ اور کھلاؤ کیونکہ اس سے دنیا کے تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ پھر روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں۔اور جو لوگ ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے انکا مقابلہ کرتے ہیں اور کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔پس اب جبکہ چند دنوں میں رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو رہا ہے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہنوں اور دلوں کو اس نہایت بابرکت دور سے پورا فائدہ اٹھانے کیلئے پوری طرح تیار کریں اور نہایت اہتمام سے اپنے گھروں میں رمضان المبارک کا ماحول پیدا کریں جس میں ہر فیملی کا ہر فرد شامل ہو اور اس سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکے مثال کے طور پر سحری کے وقت سب وہ بچے بھی جن پر روزہ فرض نہیں ہے سحری میں ماں باپ کے ساتھ شامل ہوں اور اس کے بعد سب اگر مسجد میں نہیں تو گھر میں ہی نماز با جماعت ادا کریں۔اور اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کریں اور اسی طرح دن کے باقی حصہ میں ذکر الٰہی کا ماحول دل میں اور گھر میں جاری رہے تو یہ نہ صرف ہماری اپنی روحانی ترقی کیلئے مفید ہو سکتا ہے بلکہ ہمارے بچوں کی تربیت کیلئے ایک سنہری موقع پیدا کرتا ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک انسان کی روحانی مشقتوں کا سرتاج ہے۔ سنبل کی تقریر ابھی جاری تھی کہ حنا کے کالج والا سٹیشن آ گیا اور اُس کو اترنا تھا لہٰذا اُس نے اس سے معذرت کی اور بیحد ممنون اور مشکور انداز میں یہ کہتی ہوئی پلیٹ فارم کی طرف چلدی آج تو تم نے مجھے روحانی غذا کھلا کر مسمور کر دیا گویا یوں لگنے لگا ہے کہ خدا میرے پاس آ رہا ہے۔ باقی باتیں کل کے سفر کے دوران کریں گے۔ ویک اینڈ تو گھر کے کاموں اور پڑھائی میں گزر جاتا ہے ایسی باتیں تو بڑی قیمتی باتیں ہیں۔تم ہر روز کوئی نہ کوئی نئ دین کی بات بتایا کرو۔ خدا حافظ کہہ کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

سنبل کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ میری تبلیغ کام کر رہی ہے اگلی صبح ہی دونوں آن ملیں کہ رات تہجد کے بعد میں سوبھی نہ سکی بلکہ تلاوت قرآن پاک میں سحری ہونے کا الارم بج گیا۔

''بس سنبل کچھ نہ پوچھو،تم نے تو میری زندگی بدل دی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کاش مسجد بھی جا سکوں۔ سچ کالج ہوم ورک اور شاپنگ سے کبھی وقت ہی نہیں ملتا۔ پھر نمازوں کیلئے مسجد تو صرف مرد ہی جا سکتے ہیں۔ہم عورتیں یا لڑکیاں تو بس گھر میں ہی پڑھ لیتی ہیں۔''

''نہیں نہیں! ایسی بات نہیں ہے حنا! تم بھی باقاعدہ تین وقت تو ضرور مسجد جا سکتی ہو۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ فجر کی نماز کے لئے مسجد آؤ۔ وہاں درس حدیث ہوتا ہے۔ حضور کی قیادت میں نماز پڑھنے کے بعد درس سنو۔''

''ہیں! کیا کہا تم نے؟''

''وہی کہ حیران نہ ہو صرف تیار ہوا کرو۔ یعنی میں خود اپنی کار میں تمہیں ساتھ لے جایا کروں گی۔''

''ہاں یہ خیال ضرور رکھنا کہ کار کا ہارن نہ بجانا مجھے بلانے کیلئے اور نہ ہی گھر کے دروازے کی گھنٹی بجانا۔ کیونکہ ہمارے گھر کے ارد گرد بوڑھے لوگ رہتے ہیں جو آواز سے بے آرام ہوں گے اور گھر میں چھوٹے بہن اور بھائی بھی اٹھ جائیں گے۔''

اس پر سنبل نے سٹپٹا کر پوچھا:

''تو کیا تمہارے بھائی بہن نماز کیلئے نہیں اٹھتے ہیں؟''

''نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ان کو جگا دو تو پھر دوبارہ سوتے ہیں۔ صبح اسکول سے لیٹ ہوتے ہیں۔''

'' یہاں ہو گئی نا تمہاری اور میری لڑائی.... تم مسلمان کیسی ہو جبکہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کو نماز کیلئے نہیں جگاتی۔ انہیں بھی جگایا کرو اور نماز کیلئے مسجد میں لایا کرو۔''

حنا تو دوستی سے کترانے لگی کہ میں اس کے گھر کے سیٹ پروگرام کو خراب کر دوں گی۔ مگر میں نے چپکے سے واپس گھر آنے میں خیر جانی اور صبح نماز کیلئے مسجد جاتے اس کے گھر نمبر 60 پر گھنٹی بجا کر واپس کار میں آن بیٹھی انتظار کرنے لگی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ چند سیکنڈ کے بعد حنا سمیت اس کی بہنیں ثمرہ اور فرحان چلے آرہے ہیں۔ گرم کوٹ اور ٹوپیاں لئے ہنستے ہوئے کار میں روانہ ہو گئے۔ مسجد سے واپسی پر ان سب کی حالت کچھ اور ہی تھی۔ اس قدر خوش نظر آرہے تھے اور بے حد ممنون تھے۔ میں نے زیادہ شکریہ ادا کروانے سے قبل ہی یہ پوچھنا

شروع کر دیا کہ آج کی حدیث کتنی عمدہ تھی۔ آپکو سمجھ آ گئی؟ ثمرہ اور فرحان یک زبان ہو کر بولے:

''باجی سنبل! یہ والی نا کہ اگر کسی کے گھر کے دروازے کے باہر نہر بہتی ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کے جسم پر میل رہ سکتی ہے؟ ہم روزانہ آپ کے ساتھ آیا کریں گے۔ باجی ہم نے بھی اللہ کو پانا ہے۔''

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دعاؤں کے ساتھ ان کو گھر چھوڑا اور آ کر تلاوت کی اور حضور کی خدمت میں دعائیہ خط لکھ کر سو گئی۔ قدرے دیر سے کالج پہنچی۔ حنا پریشان تھی کہ آج سنبل کو کیا ہوا۔ خود حال پوچھنے چلی آئی۔ یہ جان کر حیران ہوئی کہ

''تم حضور کی خدمت میں دعا کے خط بھی لکھتی ہو۔ مجھے تو کبھی کسی نے نہ کہا اور نہ ہی مجھے پتہ تھا۔ کیا حضور جواب بھی دیتے ہیں؟''

اس نے برجستہ سوال کیا۔

''ہاں! حضور پرنور ہمارے ہر خط کا جواب دیتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور جو حضور فرماتے ہیں ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ ضرورت صرف یقین اور دلی تعلق کی ہے۔ دیکھو میری امی کی معجزانہ شفا میرے پیارے حضور کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔ بلکہ خود حضور بنفس نفیس امی کا حال پوچھنے ہاسپٹل بھی تشریف لاتے تھے۔''

''سنبل میرا تو سر گھومنے لگا ہے تمہاری باتیں سن کر۔ تم کیا ہو۔ کتنی نیک اور ہمدرد ہو۔ کاش میں بھی تمہارے جیسی بن جاؤں۔ اچھا یہ تو بتاؤ آج شام کو کیا پروگرام ہے۔ میں کہتی ہوں چلو آسیہ کی سالگرہ کی پارٹی ہے! چلیں۔''

''ارے ارے کیا کہا؟ رمضان اور پارٹی.....؟''

''ہاں افطار پارٹی کے ساتھ برتھ ڈے پارٹی بھی ہوگی۔''

''تو اس پر میں تو نہ جاؤں گی''

سنبل نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں تو درس القرآن کیلئے جا رہی ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو میرے گھر آ جانا اکٹھے چلیں گے۔

اس جواب پر حنا کو دکھ بھی ہوا کہ اتنی اچھی سہیلی ہوتے ہوئے بھی میری بات نہ مانی اور چلی گئی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دل نے کہا حنا دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والی یہ سنبل ہی تو ہے۔تو میں بھی کیوں نہ اپنے جذبات کی قربانی کروں۔اور اس کے ساتھ درس القرآن جو شام کو افطار سے صرف ایک گھنٹہ قبل ہوتا ہے سنوں اور افطار کر کے نماز مغرب با جماعت حضور کی اقتداء میں پڑھ کر واپس آؤں۔کس قدر سکون اور اطمینان ہوگا۔اُس روز کی میٹنگ میں جو عہد نامہ دہرایا گیا تھا۔اس میں بھی تو یہی تھا۔جان، مال، وقت اور اولاد کی قربانی کرنے کو تیار رہوں گی۔بھلا میں کیا قربانی کروں گی۔وقت اور خواہش کی قربانی شاید یہی قبول ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ راضی ہو جائے۔

ہر روز کی دینی محفلوں اور گفتگو کے بعد دونوں میں اسقدر یکجہتی اور نیکی پیدا ہو گئی کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتی تھیں۔ایک روز باتوں ہی باتوں میں حنا پوچھنے لگی:

''بتاؤ! کیا میں بھی حضور سے ملاقات کیلئے جا سکتی ہوں۔رمضان کے دنوں میں حضور بس آرام کرتے ہوں گے، ملاقاتیں وغیرہ تو بند ہوں گی۔''

''اری پگلی کیا کہتی ہو۔ ہمارے حضور تو رمضان کے دنوں میں عام دنوں سے کئی گنا زیادہ کام کرتے ہیں۔ان کی ملاقاتیں ویسے ہی ہوتی ہیں۔تم آج ہی

وقت لے لو۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔حضور کی مصروفیت کے بارہ میں تم بس یہ شعر یاد رکھا کرو:

ہر شام تیری صبحوں پر فدا
ہر صبح تیری شاموں پر نثار

حضور تو اس قدر مصروف عمل ہوتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔

شام دونوں سہیلیاں ٹھیک سات بجے مشن میں آن موجود ہوئیں۔ وقت مقررہ پر حضور نے اندر بلایا اور چند لمحوں کی ملاقات میں گویا سب کچھ مل گیا۔ حنا تو بالکل گم سم۔ سنبل نے اپنی سہیلی کا اور اپنا تعارف کرایا۔ حضور نے دونوں کی تعلیم کے بارہ میں دلچسپی لی اور فرمایا خدا کرے تم دونوں دین کی خادمہ بنو۔ اپنے والدین کو میرا اسلام دینا اور پھر دونوں کو دو دو عدد پیکٹ چاکلیٹ دے کر خدا حافظ کہا۔

''سچ مزہ آ گیا! سنبل، تم کتنی اچھی سہیلی ہو۔ آج تم نے مجھے وہ وہ دکھایا جو کبھی نہ دیکھا اور سنا تھا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔''

''ہائے اللہ! کتنے پیارے ہیں ہمارے حضور! رمضان کا آخر اور حضور تو ماشاء اللہ ویسے ہی چودھویں کے چاند کی طرح پر رونق اور خوش باش نظر آ رہے تھے۔ یہی تو ہوتیں ہیں علامات خدا کے پیارے کی، خدا اُن سے جو پیار کرتا ہے کسی اور سے وہ ایسا نہیں کرتا۔ حضور نے اپنا سب کچھ اپنی جماعت کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ حضور مجھ سے ہی اتنا پیار کرتے ہیں۔''

یہ احساس ہر احمدی فرد، مرد، عورت، بوڑھے، جوان ہر بچے کو ہے۔ حضور اس سے ہی اتنا پیار کرتے ہیں اور ایسا پیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضور کو صحت و سلامتی کے ساتھ لمبی عمر

عطا کرے اور ہمیں حضور کے ہر حکم پر لبیک کہنے کی توفیق عطا کرے۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی دن دوگنی اور رات چوگنی ہو اور اس صدی کے پہلے رمضان المبارک کی تمام تر برکات سے مستفید ہونے کی توفیق دے اور ہماری دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازے آمین۔

اب دونوں سہیلیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ مگر جب بھی کبھی ملتی ہیں۔ اپنی پرانی باتیں تکرار اور انکار اور اصرار یاد کر کے خوب لطف اندوز ہوتی ہیں۔ دونوں بہت نیک مائیں ہیں اور اب اپنے بچوں کی صحیح اسلامی رنگ میں تربیت کر رہی ہیں۔ گویا نیک ماں قوم کا سرمایہ ہوتی ہے۔ اور نیکی ہر حال میں طاقتور ہوتی ہے۔ خدا مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ سنبل کیلئے اس کی سہیلی کو صحیح راستے پر لانا اس قدر ثواب کا موجب ہوا کہ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ:

''نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے''

خدا ہمیں بھی نیک تعلیم پھیلانے کی توفیق دے۔ آمین۔



پپیتا (Pawpaw)

پھلوں کے نام لیتے ہی سب کے منہ میں ان کی لذت اور خوشبو کے علاوہ اس کی شکل و صورت اور رنگت بھی سامنے آجاتی ہے اور پھر انسانوں کی طرح بڑے اور چھوٹے میٹھے اور کڑوے سفید اور سرخ رنگت کے پھل بھی ہوتے ہیں جس طرح جنگل کا بادشاہ شیر کہلاتا ہے پھلوں کا بادشاہ آم کہلاتا ہے مگر ہر ملک میں ایسا نہیں کہلاتا ہاں البتہ آم کی قسم ''لنگڑا'' لنگڑا ہی کہلاتا ہے اگر چہ وہ لندن پہنچ کر مارکیٹ میں بکے۔ مگر یہاں سبزی اور فروٹ خریدنے کا وہ مزا نہیں جو اپنے دیس میں مختلف قسم کی پر کشش تعریفی کلمات سے بھرپور آوازیں سن کر فروٹ خریدنے میں آتا ہے جبکہ کوئی آواز آپکو یہ کہہ کر اپنی طرف کھینچتی ہوئی سنائی دے گی:

''باجی آلو بخارے لے لیں بڑے وَڈیا میٹھے آلو بخارے سوا روپے کے سیر، سوا روپے کے سیر''

آپ ضرور مڑ کر دیکھیں گے اور سیاہ کالے آلو بخارے لے کر ہی گھر لوٹیں گے۔

ہاں تو بات بادشاہت سے چلی تو یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ اپنے دیس میں بعض غریب بچوں کو میں نے شلجم کو ایسے مزے لے کر کھاتے دیکھا جیسا کہ لندن میں سرخ سرخ سیب کھانے والے بچوں کو بھی اتنا مزا لیتے اور خوش ہوتے نہیں دیکھا شاید گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے سیبوں کی کثرت کی وجہ سے اس کی قدر و قیمت اور لذت کا احساس نہیں ہوتا بات پھلوں کی اور پھر پھل بھی جو میں نے آج کی معلوماتی تحریر کے لئے چنا ہے وہ ہے ''پپیتا'' اس کے نام

مزے اور رنگت اور خوشبو سے تو سبھی واقف تو ضرور ہوں گے مگر شاید پسند نہ ہوا کثر لوگ اس کو سستا یا بے فائدہ سمجھ کر کھانا پسند نہ کرتے ہوں آج میں اس کدُّو نما سبز اور زرد رنگ کے پھل کو اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کے فوائد اور استعمال کے طریقے بتانا چاہتی ہوں امید ہے پڑھنے والے بور نہ ہوں گے۔ ویسے تو یہ دنیا کے تقریباً بھی ممالک میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ آج کل میں بحرالکاہل کے جزیرہ طوالو سے یہ تحریر بھجوا رہی ہوں اور ان جزائر کی معلومات حاصل کرنے کے لئے مطالعہ بھی بہت کرتی ہوں اور جو ما حصل لکھنے پر قلم آمادہ ہوا لکھ ڈالتی ہوں اس سے قبل ایک مضمون ان جزائر کے متعلق ناموں کے بارے میں لکھ چکی ہوں۔

پپیتا بحرالکاہل کے تقریباً ہر جزیرہ پر اگتا ہے اور اس کو ''پلپپیا'' یا سیب کی ماں کہتے ہیں۔ دوسرے پھلوں میں سے یہ سب سے زیادہ صحت کے لئے مفید اور مزیدار پھل ہے جو ان جزائر میں پائے جاتے ہیں مگر بہت سے جزائر پر لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں مگر جن لوگوں کو پتہ ہے وہ روزانہ اس پھل کو کھاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی کم علمی یا ناواقفی کی وجہ سے اس کو گلنے سڑنے دیتے ہیں اور جانوروں اور پرندوں کے کھانے کے لئے اپنے استعمال میں نہیں لاتے۔ حقیقت میں وہ اس کی لذت اور فائدے سے محروم رہتے ہیں۔ میں ساری دنیا میں پپیتا کو نا پسند کرنے والوں کو اس کی اہمیت بتانا چاہتی ہوں۔ پپیتا کا مزاج گرم معتدل ہے۔ یہ قدرت نے انسانوں کے لئے ایک نہایت لذیذ پھل پیدا کیا ہے۔ یہ پھل کچّا بھی مختلف طریقوں سے کھایا اور پکایا جا سکتا ہے اور پکنے پر اور ہی زیادہ لذیذ اور خوشبودار ہو جاتا ہے۔ رنگت بھی دو تین طرح کی ہوتی ہے۔ سُرخ، زرد اور سفید۔ اس کا سائنسی نام Corica Pawpaiya ہے۔ اس کے درختوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں اس کے درخت نر اور مادہ الگ الگ پہچان رکھتے ہیں۔ مؤنث درخت کو پھول اور پھل لگتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کے

درمیانی فاصلے میں لگتے ہیں ۔اسکے پھول سفید رنگ کے ہوتے ہیں، اور نر درخت کی ٹہنیاں بہت لمبی لمبی ہوتی ہیں ان کو صرف پھول ہی لگتے ہیں مگر کبھی کبھار پھل بھی آ جاتا ہے مگر وہ کھانے کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔

تیسری قسم پپیتا کی جس کو انگلش میں "Herma Phrodite Pawpaw Tree" کہتے ہیں جس میں دونوں اقسام کی خصلت موجود ہوتی ہے اس قسم کے درخت کو پھل اور پھول دونوں لگتے ہیں۔ درخت اگانے کے بعد ایک سال بعد پھل آ جاتا ہے جب پھل کی رنگت سبز ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ پھل ابھی کچا ہے اور میٹھا نہیں ہے آپ اس کو سبزی کی طرح پکا لیں یہ بالکل کدو کا مزا دیگا۔ گوشت میں ملا کر پکائیں اور ساتھ میں ابلے ہوئے چاول کوئی بھولے سے بھی نہ پہچان سکے گا کہ یہ پپیتا کا سالن ہے۔ اچار بھی مصالحہ ڈال کر بنا رکھیں چھوٹے چھوٹے کتلے کاٹ کر یا Crush کر کے لیموں ڈالیں اور نمک مرچ ملا کر دوپہر کے کھانے کے ساتھ چٹنی بنا کر مزا لیں۔ مزید محنت اور لذت حاصل کرنا چاہیں تو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کچے پپیتے کے کاٹ کر ایک دو چمچ مکھن میں الائچی کا بگھار لگا کر یہ سبزی ڈال کر چینی ڈال دیں اور دم پر رکھ دیں جب تک یہ اپنے پانی میں گل کر نرم ہو جائے ڈھانک کر رکھیں اور پھر بھون کر پانی خشک کر لیں اور چار بجے چائے پر جب سموسوں میں مرچیں لگیں تو اس بظاہر سادہ مگر مفید اور مزیدار حلوے کے دو چمچ کھا کر تو دیکھئے، بہت لذت دے گا۔ (آزمودہ ہے زیادہ تکلف اور خوبصورتی بڑھانی ہو تو بادام رنگ اور ایسنس کا اضافہ کر لیں) کبھی کبھار گوشت گلانے کا مسئلہ بھی پیش آ جاتا ہے اس کا آسان حل یہ ہے کہ کچے پپیتے کے چند ٹکڑے کاٹ کر گوشت میں ڈالیں جھٹ گوشت نرم ہو جائے گا۔

B.B.Q کا رواج عام ہو رہا ہے اگر رات کو اس کے ٹکڑے کاٹ کر گوشت میں رکھ دیں یا

سبز پپیتا کا رس نکال کر گوشت میں ملا دیں یا ٹکڑے کاٹ کر ملا دیں تو آپ کا B.B.Q بہت اچھا مزیدار اور نرم اور رسیلا ہوگا۔ جب سب آپ سے پوچھیں تو یہ نسخہ بتا دیں۔

یہ پھل ان جزائر میں بسنے والوں نے اپنے گھروں کے ارد گرد اگا رکھے ہیں تقریباً ہر گھر ہی اس کے پھل اور پھول سے استفادہ کرتا ہے قدرت نے بھی تو اپنے بندوں کو اپنی قدرت نمائی سے بہت کچھ دیا اور سکھایا ہے جہاں علاج معالجے کی سہولتیں بھی کم ہوں وہاں زمین بھی سونا اگل دیتی ہے۔ اس درخت کو جب پھول لگتے ہیں تو ان پھولوں میں ایک خاص خوشبو بھی ہوتی ہے لڑکیاں بالیاں اس سے گلے میں اور سر پر پہننے کے لئے ہار اور گجرے بنا کر کِکِلی کَلیر دی اور اسی طرح کے کئی راگ رنگ کے لئے استعمال کرتی ہیں درخت کے پتے اور سبز پھل کو دوا کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ کسی کیڑے مکوڑے کے کاٹنے پر اس کے پتوں کا رس اور سبز پپیتا کا رس لگانے سے فوراً آرام آجاتا ہے۔ مچھر جو کہ جزائر پر بڑی ہی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں وہاں بچوں کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا ہے جلن، سوجن اور کھجلی کے لئے آرام آجاتا ہے۔ شہد کی مکھی کے کاٹنے پر یا بھڑ کے کاٹے پر فوراً لگانے سے آرام وسکون ملتا ہے یہ بھی اللہ میاں کا اپنے بندوں سے پیار ہے اور غریبوں کا آسان علاج اور ہر وقت میسر رہتا ہے۔ مگر یاد رہے اس کا رس استعمال کرتے وقت آنکھ کو نہ چھونے پائے اس سے نقصان اور تکلیف کا اندیشہ بھی ہے۔

اس درخت کو سال میں پندرہ سے بیس کے قریب پپیتے لگتے ہیں کچھ درخت اونچے قد کے ہوتے ہیں مگر پھل کم دیتے ہیں اور کچھ چھوٹے قد کے مگر پھل بکثرت اور میٹھا آتا ہے۔ یہ قدرت کی کاریگری ہے جناب! ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ پھل اگر ہم روزانہ مناسب مقدار میں کھائیں تو وٹامنس کی مزید کوئی گولی کھانے کی ضرورت نہ ہو کیونکہ قدرت نے اس

پھل کو وٹامنس سے بھر پور بنایا ہے۔

یہ قبض کا بھی علاج ہے۔ بھوک بڑھاتا اور خون صاف کرتا ہے فروٹ چاٹ بنا کر کیلے کے ساتھ ملا کر بھی کھائیں تو مفید ہے پکا ہوا پھل سُرخ اور زرد کچھ سرخ رنگ کا بھی ہوتا ہے صرف لیموں ڈال کر بھی کھائیں تو اچھا لگتا ہے جو لوگ اس پھل کی خوبیوں اور لذت سے واقف ہیں امید ہے کہ اس کا استعمال با قاعدہ کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدرت کی ہر پیدا کردہ نعمت سے استفادہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔



بدظنی اور چغلی

انسان کی دو بنیادی برائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیْراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُم بَعْضاً اَ یُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۔

(سورۃ حجرات –آیت نمبر 13)

یعنی اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں۔اور تجسس سے کام نہ لیا کرو اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کیا کریں۔کیا تم میں سے کوئی اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔اگر تمہاری طرف یہ بات منسوب کی جائے تو تم اس کو ناپسند کرو گے۔اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے ولا ہے۔

ہر مسلمان جب قرآن پاک کی یہ آیت ترجمے کے ساتھ پڑھے گا تو ضرور غور بھی کرے گا کہ کیا یہ گمان کی یعنی بدظنی کی عادت میرے اندر تو نہیں پائی جاتی کہیں یہ آیت میرے پر ہی تو نہیں چسپاں ہوتی کیونکہ میں نے تو کئی بار زندگی میں کسی کے متعلق بدظنی بھی کی ہے اور کبھی کسی کے سامنے موجود نہ ہوتے ہوئے اس کی برائی بھی کی ہے۔آپ ہی آپ انسان کو ڈر لگنے لگ جاتا ہے زندگی میں بعض دفعہ ایسے ہی مشکل مرحلے سے انسان گزر جاتا ہے لرز جاتا

ہے مگر پھر بھی اپنی اصلاح کی طرف یا اپنے میں تبدیلی پیدا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اس موضوع پر ایک ہی جگہ نہیں بلکہ بیسیوں جگہ ذکر آیا ہے کہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، کبھی بدگمان نہ ہوا کرو تمہیں کیا پتہ کہ فلاں شخص نے یہ بات کہی بھی تھی یا یہ مجبوری تھی کہ وہ اپنے کہے پر پورا نہ اتر سکا۔ بہرحال بدظنی اور چغلی دو بہت سخت الفاظ لگتے ہیں اور تمام برائیوں کی جڑ ہیں اگر ہم اپنی اصلاح قرآن اور حدیث کی رو سے نہ کر سکیں اور پھر امام الزمان حضرت مسیح موعود کی پاکیزہ یاددہانی سے بھی نہ کر سکیں تو کیا بعید ہے کہ ہم اپنے خلفاء کی پیاری تحریروں اور تقریروں سے استفادہ کر پائیں گے

میری عزیز بہنو! بحیثیت ایک عورت کے مجھے تو اپنی ہی فکر رہتی ہے بالخصوص اعلیٰ اخلاق کے بارے میں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، حضورؐ فرماتے ہیں:

عَنْ آبِی الدرداء عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ما من شیء فی المیزان اثقل من حسن الخلق

یعنی اخلاق سے بڑھ کر کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک وزن نہیں رکھتی۔

گویا اخلاق ہی انسان کو اللہ اور رسول کے محبوب بناتے ہیں اور اعلیٰ اخلاق میں حسن ظنی اور صاف گوئی یا معاملات میں صاف اور سیدھی سادی گفتگو ہے کسی کے دل کو ٹھیس پہنچا کر کبھی سکون نہیں مل سکتا۔ لوگوں میں یہ بیماری کثرت سے پائی جاتی ہے کہ حضرت رسول کریم نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

عن انس ابن مالك یحدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اکرموا اولادکم واحسنو ادبھم۔

یعنی اپنی اولاد کی عزت کرو اور انہیں اعلیٰ اخلاق سکھاؤ۔

کتنی بھاری ذمہ داری والدین پر عائد کر دی ہمارے آقا نے کیا کبھی ہم نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے بارے میں سوچا یا غور کیا ہے؟ سب سے پہلے تو ہمیں خود اپنے اندر یہ دونوں سخت بری عادتیں یا برائیاں کہہ لیں دور کر کے پاک وصاف اور اعلیٰ اخلاق سے مزین ہونا چاہیے یہ دونوں عادتیں بدظنی اور چغلی ساتھ ساتھ جاتی ہیں اور انسان نادانستہ طور پر اس عادت کو اپنا رہا ہوتا ہے مگر اسے احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی کے متعلق بدظنی کر رہا ہے یا یہ بات جو اس نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف کہی ہے چغلی ہے حالانکہ یہ دونوں برائیاں بڑی ہی بُری ہیں۔ اور انسان کو یعنی اس کے عمدہ اخلاق کو گھُن کی طرح کھا جاتی ہیں ہمیں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

بدظنی اور چغلی اچھے بھلے گھروں کو تباہ کر دیتی ہے۔ ذرا سی بات سے پہاڑ کھڑا ہو گیا اور مدتوں رنجش اور ناراضگی چلتی رہی۔ بات صرف یہ تھی کہ حلیمہ کے بیٹے کی شادی تھی اور سہیلہ نے اس کو بالکل معمولی تحفہ بھجوایا۔ کیا تھا کہ اگر خود آ جاتی کسی دوسری بہن نے بدظنی کی ملونی میں لپیٹ کر یہ فقرہ دے مارا کہ شرم آتی ہوگی خود دیتے ہوئے جبھی نہ خود آئی اور حقیر سا تحفہ دے بھیجا بھلا اس کی کیا ضرورت تھی برسوں کی سہیلیاں اکٹھی پڑھیں، دن رات کا اٹھنا بیٹھنا تھا مگر اس موقع پر دل میں ایسی بدظنی بیٹھی کہ بڑھتی بڑھتی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ رہیں۔ گھروں کے دروازوں کے رخ بدل لئے کہ نہ نظر پڑے اور نہ گزرا ہوا اچھا وقت یاد کر کے دل برداشتہ ہوں۔

ایک روز جو خالہ اماں کا ادھر سے گزر ہوا تو حلیمہ کے گھر کا پتہ ہی نہ چلے ارد گرد کے ہمسایوں سے پوچھ کر دوسری گلی سے اس کے گھر جو داخل ہوئیں اور تمام ماجرا معلوم ہوا تو پتہ چلا

کہ سہیلہ بے چاری کا تو خاوند اس روز فوت ہو گیا تھا جس روز حلیمہ کے بیٹے کی شادی تھی اب دیکھئے نا یہاں دو برائیوں نے جنم لیا اور پیار اور محبت کے رشتے ٹوٹ گئے۔ حالانکہ یہاں اگر خوشی سے سادہ سا تحفہ قبول کر لیا ہوتا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معمولی تحفہ پر بھی شکریہ ادا کرنے کو فرمایا ہے تو کیا تھا۔ جواباً شکریہ بھجواتی تو نہ غلط فہمی ہوتی نہ رائی کا پہاڑ بنتا بلکہ شرمندگی اٹھانا پڑتی کہ میں تو تعزیت کو بھی نہ گئی۔ شادیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں ان میں شامل ہونا کوئی ایسا ضروری نہ تھا۔ جس عورت کا سہاگ لٹ گیا وہ کیسے شادی میں شامل ہوتی۔ اس سے سبق حاصل ہوتا ہے کہ دونوں برائیاں کتنی خطرناک ہیں۔ عزیزوں، رشتوں، آباد گھروں کو اور قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ بے شمار نیکیوں سے محروم کرنے والی بیماری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملفوظات جلد اوّل میں تحریر فرماتے ہیں:

''بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بُری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے ایک تاریک کنوئیں میں گرا دیتی ہے۔ بدظنی ہی ہے جس نے ایک مردہ انسان کی پرستش کرائی۔ بدظنی ہی تو ہے جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی صفات خلق، رحم اور رزاقیت وغیرہ سے معطل کر کے نعوذ باللہ ایک فرد معطل اور شئ بیکار بنا دیتی ہے۔ الغرض اس بدظنی کے باعث جہنم ایک بہت بڑا حصہ اگر کہوں کہ سارا بھر جائے گا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ماموروں سے بدظنی کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کی کامیابی اور سچائی ایک خدائی نشان ہے۔ آپؑ نے دعویٰ نبوت کیا تو جھٹلانے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور نعوذ باللہ جھوٹا ثابت کرنا چاہا مگر مامور من اللہ کی سچائی تو روشن سورج کی طرح نمایاں اور صاف تھی۔ آج ہم

ساری جماعت اس کی مثال آپ ہیں۔مگر ہمیں حضور کی تعلیم پر بھی تو عمل کرنا چاہئے ۔آج ہمیں اس مشن کو بڑھانے اور مضبوط سے مضبوط تر کرنے کیلئے اپنے نوجوانوں اور بچوں کو اعلیٰ اخلاق سے سجا کر پیش کرنا چاہئے۔داعیان الی اللہ کیلئے ان میں وہ تمام خوبیاں ہونا ضروری ہیں جن کا ہمیں قرآن اور احادیث اور حضور اقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کی خواہشات کی طرح بنانا ہے۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بارہا اپنے خطبات اور نصائح میں اعلیٰ اخلاق کو اپنانے اور ان انتہائی گندی برائیوں یعنی بدظنی اور چغلی کو چھوڑ دینے پر زور دیا ہے۔

آپ نے 22 جون 1990 کے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ دنیا بھر میں جماعت کیلئے نت نئے راستے کھل رہے ہیں لیکن جماعت کی بھاری اکثریت ابھی ایسی ہے جو ان بدلتے ہوئے حالات میں بدلے ہوئے کردار کے ذریعہ استفادہ نہیں کر رہی۔ بہت سے گم سم بیٹھے ہیں۔ بعض صرف اپنے درد کا اظہار کرتے ہیں کہ ہماری خواہش تو بہت ہے مگر کیا کریں کچھ کر نہیں سکتے۔حضورؒ نے ایسے تمام لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ ہر احمدی کے اردگرد اس کی دعوت الی اللہ کے مواقع موجود ہیں صرف آنکھیں کھولنے اور دعوت الی اللہ کی تڑپ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔حضورؒ نے فرمایا کہ:

''دعوت الی اللہ کیلئے بہت اہم کام یہ ہے کہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کریں۔تاکہ آپکی ذات دنیا بھر کیلئے مجسم نمونہ بن جائے۔آج دنیا کو جب بھی دین کی بات بتائی جاتی ہے تو وہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں کیا دیں گے۔اس لئے بہت ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ آپ اخلاق حسنہ سے مزین ہوں۔''

اس ضمن میں حضورؒ نے عورتوں اور ماؤں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضورؒ نے فرمایا کہ عورتوں کو اخلاق حسنہ کے قیام میں بہت اہم کردار ادا کرنا ہے۔ کیونکہ جب حساب فہمی ہوگی تو بداخلاقیوں کی وجہ سے ایک بڑی ذمہ داری عورتوں پر ڈالی جائے گی۔

اکثر بداخلاقیاں جاہل ماؤں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ جاہل ماؤں کے گھروں میں بداخلاقیاں پرورش پاتی ہیں۔ جاہل مائیں اپنی اولاد کی محبت میں شرک تک پہنچ جاتی ہیں اور اُن کے ہر عیب پر پردہ ڈال کر اُن کے بُرے اخلاق کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد سے اتنا جائز ناجائز پیار کر رہی ہوتی ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ساری جماعت کو دعوت الی اللہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کام کی دُھن اور سلیقہ پیدا کریں۔ حسن اخلاق سے ہر ایک بات کریں۔

آخر میں حضور نے دعاؤں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اخلاق حسنہ سے مزین ہو کر خدا کی خاطر دعوت الی اللہ میں مگن ہوں گے تو آپکی دعاؤں میں غیر معمولی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اور دعاؤں کے ذریعہ آپ کے کام دس گنا سے بھی زیادہ گنا برکت حاصل کر لیں گے۔ پس با اخلاق انسان کے لئے با خدا انسان بننا ایک آسان اور اگلا قدم ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ساتھ ہی ساتھ با خدا انسان بنتا چلا جاتا ہے۔

کتنا پیارا اور آسان سبق حضور انور نے ہمیں اپنے خطبہ میں دے دیا ہے کہ ماؤں کی اصلاح ہوگی اور آگے اُن کی اولادوں کی تربیت اچھی ہوگی اور پھر جو کام بھی ہم سے ہماری قوم، جماعت اور سوسائٹی کروائے گی ہم اپنے عمدہ اخلاق سے سب کو اپنا بنا لینے میں کامیاب ہوں گے۔ بدظنی اور چغلی سے ہزاروں برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتے بڑھتے یہی برائیاں قوموں کو لے ڈوبتی ہیں۔ اس لئے ان کے اندیشے سے ہی بچنا چاہئے جونہی یہ خیال پیدا ہو کہ

اس بات سے دوسرے کی بدظنی ہوسکتی ہے تو فوراً وہیں اس کا تدارک کر دینا چاہئے۔ اس کی ایک عمدہ مثال ہمارے آقا سرور کائنات نے پیش کی ہے جو رسول پاک کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ کی زبانی سنئے۔ فرمایا کہ:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ اعتکاف میں تھے۔ رات کیوقت میں ان سے ملنے آئی۔ کچھ دیر باتیں کرتی رہی جب واپس جانے کیلئے اٹھی تو حضورؐ بھی مجھے کچھ دور چھوڑنے کیلئے میرے ساتھ آ گئے۔ ہم دونوں جا رہے تھے کہ پاس سے دو انصاری گزرے۔ جب انہوں نے حضور کو دیکھا تو تیزی سے آگے نکل گئے۔ حضورؐ نے انکو فرمایا ٹھہرو! یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ اس پر ان انصاری نوجوانوں نے کہا سبحان اللہ، معاذ اللہ کیا ہم آپ پر بدگمانی کر سکتے ہیں۔ فرمایا شیطان انسان میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے خون رگوں میں چلتا ہے۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو اور تم ہلاک نہ ہو جاؤ۔''

اللہ اللہ کیسی اعلیٰ اور عمدہ مثال ہے۔ شر اور شیطانی اثر سے دور رہنے کی۔ ہر دم حضورؐ کو تربیت کا خیال رہتا تھا کہ ذرا بھی شائبہ باقی نہ رہے اور گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔

ثابت یہ ہوا کہ ہمیں ان دونوں برائیوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ والدین کو خود ایسی باتوں سے دور رہ کر اپنے بچوں کی صحیح تربیت کرنا چاہئے۔ اس مضمون کے شروع ہی میں آپ نے پڑھا ہے کہ کیا کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا! کس قدر مکروہ معلوم ہوتا ہے جب یہ کہا بھی جائے اور عملاً کوئی ایسا کرتا ہے تو گویا بدظنی اور چغلی کا مرتکب ہوتا ہے۔

ہمیں اپنے معاشرہ کو، اپنے گھر کو، اپنی نہایت ہی پیاری جماعت کو عمدہ اخلاق کے پھولوں سے یعنی صاف گوئی حسن ظنی اور سچائی اور امانت و دیانت کے رنگ برنگے پھولوں

سے سجانا ہے تاکہ ہم گلشن احمد کے گلدستے میں رہنے کے قابل ہوسکیں اور ہماری گود میں پلنے والے ننھے پھول بھی اپنی مثال آپ ہوں۔اے خداتو ہمیں اپنے آسمانی آقا اور روحانی آقا کوخوش کرنے کی توفیق دے اور تمام برائیوں سے پاک کر کے حسنات دارین کا وارث بنا۔ آمین۔



ڈرائی کلیننگ

دراصل بات کپڑوں کی ڈرائی کلیننگ کی نہیں بلکہ ایک ایسے واقعہ سے متعلق ہے جو میرے ساتھ پیش آیا۔مگر اس کا عنوان یہی اچھا لگا کہ یہ اچھوتا ساعنوان ہوگا۔واقعہ بالکل سچا اور اگر اس کو آپ بیتی بھی کہہ لیں تو مناسب رہے گا خیر ناموں میں کیا رکھا ہے چلیں بات کرتے ہیں۔

ہوا یوں کہ یہاں لندن میں رہتے ہوئے ہم عورتوں کو سبھی کام اکثر و بیشتر خود ہی کرنا پڑتے ہیں۔ ہمارے مرد حضرات تو ویسے ہی آفس کے اور جماعتی کاموں میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ ان بے چاروں پر رحم آتا ہے کہ مزید کوئی گھر کا کام ان کو نہ کرنا پڑے۔یہی حال میرا ہوتا ہے ایک مرتبہ ان کے چار پانچ سوٹ اور اچکن اکٹھی ہوگئیں جو کہ ڈرائی کلیننگ کروانا مقصود تھیں مگر ان کا اصرار ہے کہ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں میں خود فرصت نکال کر ڈرائی کلیننگ کے لئے دے آؤں گا۔ یہ کہتے کہتے کافی وقت گزر گیا اور کوئی جماعتی فنکشن بھی قریب آ گیا۔ایک روز میں نے کار میں سب کوٹ اور سوٹ رکھے اور خود ہی جا کر قریب والے ڈرائی کلینر صاحب کو دے آئی اور جلدی کام کرنے کی بھی تاکید کر دی۔ اگلے ہی روز حسبِ وعدہ جب واپس لینے گئی تو جو کام انہوں نے اتنی جلدی بھی کیا اور وقت مقررہ سے بھی قبل نہایت عمدہ کر کے مجھے پیکنگز پکڑائے اور میں نے انہیں بھی ان کی اجرت کا چیک تھمایا ہی تھا کہ انہوں نے مجھے پچیس پونڈز تھما دیئے کہ لیجئے باجی یہ رقم آپ کی امانت تھی

جو ڈاکٹر صاحب کے کوٹ کی جیب سے مجھے ملی ہے اور آپ براہ مہربانی آئندہ سے کوٹوں اور اچکنوں کی جیبیں چیک کر کے ڈرائی کلیننگ کے لئے لایا کریں۔ یہ بات انہوں نے ایک ہی سانس میں کہہ دی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ صرف ہمارے احمدی بھائی ہی ایسا کرتے ہوں گے۔ اور مجھے بہت ہی خوشی ہوئی اور دل میں آیا کہ آج کا یہ واقعہ لکھ رکھوں اور دوسروں کو بھی اس خوشی میں شامل کروں امانت و دیانت کی مثال ہے نا۔ رقم کچھ بڑی نہ تھی مگر خوشی اس قدر ہے کہ اس واقعہ کا دل پر آج تک اثر ہے کہ اگر آج کل کی دنیا میں سبھی ایسے بن جائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔



طوالو کی سیر و سیاحت

چلیں آج آپ کو یہ ایسے چھوٹے ملک کی کہانی سناتے ہیں جو دُور بہت دُور بحرالکاہل کے وسط میں واقع ہے۔اس کا نام طوالو ہے یہ دنیا کے ممالک صغائر میں آبادی کے لحاظ سے چوتھا ہے۔طوالو 9 جزیروں پر مشتمل ہے اور آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا جزیرہ فونا فوٹی ہے۔باقی جزیروں کے نام یہ ہیں:

۱۔وائی ٹوپو۔ ۲۔نوکو لائے لائے ۳۔نوکو فے ٹاؤ۔ ۴۔نانومے آ۔ ۵۔نانو مانگا۔ ۶۔نیوٹاؤ۔ ۷۔نوئی۔ ۸۔نیولاکیٹا۔

آبادی سارے ملک کی دس ہزار ہے۔لوگوں کی اپنی زبان تو طوالوعن ہے مگر اکثر انگریزی سمجھتے اور بولتے ہیں۔ مجھے اپنے میاں کے ساتھ 1985 میں یہاں پہلی بار آنے کا اتفاق ہوا۔جب ہمارا جہاز فجی سے پرواز کر کے طوالو کی سمت روانہ ہوا تو سوائے سمندر کے دُور دُور تک کچھ نظر نہ آتا تھا۔چار گھنٹے مسلسل کوئی کنارہ کوئی جزیرہ نظر نہ آ رہا تھا کہ اچانک پائلٹ نے اعلان کیا کہ اگر کسی نے تصویر لینی ہو تو یہ خوبصورت ملک طوالو جزیرہ آ رہا ہے لے لو۔ہم بھی کیمرہ لے کر کھڑکی کے پاس ہو لئے اور دیکھتے کیا ہیں کہ سطح سمندر میں ایک لائن جو S کی شکل میں نظر آ رہی ہے اور زیادہ نیچے ہوتے ہوئے دیکھا تو سوائے ناریل کے گھنے درختوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آ رہا تھا بلکہ مزید اعلان فار لینڈنگ سن کر تو دل دہل گیا کہ کیا یہ ایمرجنسی لینڈنگ تو نہیں کرنے لگے کہ یہاں تو زمین کا کوئی کنارہ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔

بہر حال دعائیں جس قدر ہو سکتی تھیں کرتے رہے اور چند لمحوں میں یہ لگا کہ ہم سمندر میں گر رہے ہیں مگر یہ صرف ہمارا خیال تھا اصل میں ایک پگڈنڈی نما ایئر پورٹ تھا جس پر ہم اتر رہے تھے اور پتہ چلا کہ یہ جو سائرن کی آواز آرہی ہے یہ ساتھ والے سکول کے بچوں کے لئے تھا جو ایر پورٹ کے میدان کو کھیلوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ تھی ہماری طوالو آمد۔

ہم چونکہ سرکاری ملازم تھے۔ آفس کی طرف سے ایک کار لینے ہمیں آئی ہوئی تھی اور کافی تماشائی بھی تھے کہ آج انگلستان سے غیر ملکی اس جزیرہ پر کام کرنے کے لئے آرہا ہے۔ بڑی خندہ پیشانی سے لوگوں نے ہمارا استقبال کیا جس کا علم ہمیں جہاز میں ہی طوالو کے بارے میں انفرمیشن سے پتہ چل گیا تھا کہ طوالو کی ایک خصوصیت ہے کہ یہاں کے لوگ بہت ملنسار اور مسکراتے چہروں سے آپ کا استقبال کرتے ہیں اور دوسری بات جو خدا نے خاص اس جزیرہ کے لئے رکھی ہے جو کہ قسما قسم کی جھاڑیوں، جنگلی درختوں اور گھاس پھوس سے اَٹا ہوا ہے اور سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہریں اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہاں پر کوئی ایسا زہریلا کیڑا سانپ بچھو یا مکھی نہیں ہے راتوں کے اندھیرے میں یہاں کے لوگ ننگے پاؤں چلتے چلے جاتے ہیں پتھریلی زمین ہے۔

نہایت محدود سہولتیں ہیں مثلاً ڈاک، تار، ٹیلیفون، ڈاکٹر، سکول اور شاپنگ بھی نہایت مختصر اشیاءِ خوردنی مل جاتی ہیں مگر لوگ بڑے مطمئن اور پرسکون ہیں۔ ان کو کسی قسم کا کوئی خطرہ یا فکر درپیش نہیں۔ کامن ویلتھ ملک ہونے کی وجہ سے اکثر غیر ملکی آن کر ان کی مدد کرتے ہیں مثلاً یہاں آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ پانی ہم صرف بارش کا ہی استعمال کرتے ہیں جس کے لئے قدرت ہر روز نہیں تو دوسرے تیسرے روز بارش کر دیتی ہے اور گھروں کے باہر بنے ہوئے پانی کے حوض بھر لئے جاتے ہیں ہم پانی کو ابال کر پیتے ہیں مگر باقی سب کاموں

کے لئے ایسے ہی استعمال کرتے ہیں۔آب و ہوا سخت گرم ہے شکر ہے کہ ہمیں رہنے کے لئے مناسب بنگلہ لبِ سمندر بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سمندر کے اندر ہی بنا ہوا ہے تو زیادہ مناسب لفظ ہے کیونکہ سمندر کی لہریں ہمارے گھر کے Fence سے ٹکراتی ہیں۔اکثر شام کی چائے ہم یہیں بیٹھ کر پیتے ہیں یعنی ٹیرس پر بچے بھی Seaside پر خوب Shells اور Sand Castles بناتے رہتے ہیں اس جزیرہ کی چوڑائی زیادہ سے زیادہ ایک کلومیٹر ہے اور لمبائی زیادہ سے زیادہ پانچ کلومیٹر ہے۔مگر کہیں کہیں سے چوڑائی اس قدر کم ہے کہ صرف چند گز ہے۔کبھی کبھی سوچ کر ڈر سا بھی لگتا ہے کہ اگر طوفان خدانخواستہ آجائے تو کہاں جائیں گے کیونکہ آج سے دس سال قبل سائیکلون کی زد میں یہ ملک بھی آگیا تھا اور بالکل تباہ و برباد ہو گیا تھا لوگ بتاتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں میں تحس نحس ہو گیا تھا اور چند لوگ بچے تھے انہوں نے رات ناریل کے درختوں پر گزاری تھی اور اگلے روز ہیلی کاپٹر کی مدد سے ان کو دوسری محفوظ جگہ پہنچایا گیا تھا۔ان لوگوں کی بہادری کی باتیں سن سن کر ڈر لگتا ہے اور باہر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھ کر جس کی آواز سے اب ہمارے کان مانوس ہو چکے ہیں خوف آنے لگتا ہے۔شروع شروع میں تو میں کہا کرتی تھی کہ یہ شور بند ہو تو میں سوؤں رات کو سو نہ سکتی تھی مگر اب تو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

ہماری خوراک چونکہ ان لوگوں سے مختلف ہے اس لئے جہاز کا انتظار رہتا ہے جو مہینہ میں ایک بار آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کا چکر لگا کر یہاں آتا ہے اور تمام خورد و نوش کا سامان لے کر آتا ہے اور ہم دو ہفتے کے لئے فرج اور فریزر کو بھر لیتے ہیں۔پھر اگلا جہاز فجی سے آتا ہے اس طرح ہوائی جہاز ہفتے میں صرف تین دفعہ آتا ہے اگر کوئی خط لکھے تو آجاتا ہے ورنہ پوسٹ باکس خالی دیکھ کر لوٹ آتے ہیں اور پھر اگلے جہاز کے آنے کے دن کا انتظار لگ جاتا ہے۔

کبھی کبھی یہ فلائٹس کینسل بھی ہوجاتی ہیں کہ موسم کی خرابی ہے اب کوئی پرواز نہ آئے گی اور نہ جائے گی۔

چلیں اب ذرا یہاں کے لوگوں کے مشغلے اور مصروفیات کا ذکر کریں۔ یہاں پر آٹھ جزیروں سے آکرآباد ہوئے ہوئے مختلف لوگ ہیں جن کے اپنے اپنے الگ الگ میٹنگ ہال ہیں جن کو Maneapa کہتے ہیں۔ ہر جزیرے کے لوگ اپنے اپنے Maneapa میں جمع ہوکر میٹنگ کرتے ہیں اور ساتھ Entertainment بھی ہوتی ہے جس کو Fatele کہتے ہیں۔شام کو تمام لوگ جو اس جزیرہ کے ہوں تیار ہوکر یعنی کمر پر کیلوں کے پتے کے سکرٹ بنا کر پہن کر اور بازؤں میں پھول کے گجرے اور سر پر بھی گول دائرے میں کراؤن کی شکل میں خوشبودار پھولوں سے رِنگ بنا کر پہن کر آئیں گے۔ چونکہ ایک ترتیب سے اور نہایت سلیقے سے ہال کو سجایا گیا ہوتا ہے اور تمام عورتیں اور مرد علیحدہ علیحدہ بیٹھتے ہیں اور پھر سٹیج پر کوئی نوجوان آکر ڈانس کریگا اور ڈھولک وغیرہ بجا کر کچھ عورتوں اور مردوں کو ساتھ شامل کر کے مل کر ناچیں گے یہ سلسلہ رات کے گیارہ بارہ بجے تک چلتا ہے۔ جب ان کی میٹنگ ہوتی ہے تو کھانا سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے پکا کر Maneapa میں لے جاتے ہیں اور مل کر کھاتے ہیں۔ چونکہ ان کے کلچر میں ہے کہ کوئی بستر پر نہیں سوتا بلکہ چٹائی پر ہی بیٹھتے ہیں کھانا کھاتے اور اس چٹائی کو ہی سونے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور پھر قدرت نے بھی اس جزیرہ کے لئے Pandanoos جیسا مفید درخت ان کے لئے بکثرت اگا رکھا ہے جس کے نرم اور صاف لمبے لمبے پتوں سے عورتیں خوبصورت رنگوں میں پھول بنا بنا کر چٹائیاں بنالیتی ہیں اور بس ناریل کی فراوانی ان کی خوراک کا بڑا حصہ ہے اس کے علاوہ کچا ناریل اور مختلف پھل ہوتے ہیں مچھلی تو قدرت نے بے بہا اور عمدہ قسم کی مہیا فرمائی ہے۔ باوجود سخت گرمی ہونے کے ہر روز نہیں تو

دوسرے تیسرے روز تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ بارش کر دیتا ہے جس سے پانی مہیا ہو جاتا ہے۔لوگ صفائی پسند ہیں چونکہ غریب ملک ہے یعنی ان کی اپنی کوئی صنعت نہیں صرف عورتیں Handicraft بنا کر آمد پیدا کرتی ہیں Sea Shell کی خوبصورت ٹوکریاں، گلدان، ہار اور بروچ وغیرہ بناتی ہیں۔مرد صرف اپنی فیملی کے لئے Fishing کرتے ہیں یا پھر صبح سویرے ناریل کے درخت پر چڑھ کر اس کی ننھی شاخوں کے درمیان لگے ناریل کو پنچ کر کے رس نکالتے ہیں جو کہ صحت کے لئے بڑا مفید ہے اور مفرح ہوتا ہے اسے Todi کہتے ہیں۔یہ Drink جمع کرنے کے لئے ایک بوتل کو پنچ کئے ہوئے ناریل کے ساتھ باندھ دیتے ہیں یہ کام اکثر شام کو کرتے ہیں اور صبح بوتل ٹوڈی سے بھری ہوئی اتار لیتے ہیں۔

علاج معالجہ مفت ہے۔پرنسس مارگریٹ 1981 میں یہاں آئی تھی اور ایک اچھے ہاسپٹل کا افتتاح کیا تھا جو بڑی عمدگی سے چل رہا ہے۔بیماری کوئی خاص یہاں نہیں ہے اکثر لوگ صحت مند سرخ وسفید اور قدآور اور گھنے بالوں والے ہیں۔تعلیم صرف پرائمری تک ہے البتہ سیکنڈری سکول ایک جزیرے پر ہے جہاں طلباء اور طالبات جا کر مزید تعلیم جاری رکھتے ہیں جن کے لئے انگلش اساتذہ یورپ اور کینیڈا سے آتے ہیں طلباء بذریعہ بحری جہاز آتے ہیں اور جاتے ہیں اسی وجہ سے اکثریت انگلش بولتی اور سمجھتی ہے اب تو بہت نوجوان مزید تعلیم اور ٹریننگ کے لئے فجی اور نیوزی لینڈ جاتے ہیں۔Sea Men's کی ٹریننگ یہاں سے سامنے نظر آنے والے جزیرہ پر ہی ہے جہاں نوجوانوں کو چند ماہ کی بحری ٹریننگ دے کر دوسرے ملکوں میں بھجوایا جاتا ہے۔اور اب تعلیم کا رواج دن بدن بڑھتا جا رہا ہے طوالو ریڈیو پر مذہبی آزادی کی وجہ سے اسلام کو بھی موقع ملتا ہے۔

یہاں یاد رہے کہ سب سے پہلا پروگرام حضور انور کا طوالو کے نام جو پیغام تھا اس سے

ہی ہمارے پروگراموں کے نشر ہونے کا آغاز تھا۔

ٹرانسپورٹ کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ سائیکل اور سکوٹر ہے چند ایک سرکاری ٹرک اور کاریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ پبلک کے لئے ایک منی بس کا بھی انتظام ہے جس کے لئے صرف ایک ہی پتھریلی سڑک بنائی گئی ہے جو جزیرہ کے ایک کونے سے دوسرے تک دن بھر چکر لگاتی رہتی ہے کرایہ معمولی سا ہے اور ہر مسافر کو اس کے گھر کے دروازے پر اتارنا ان کا اخلاقی فرض ہوتا ہے تقریباً آدھے گھنٹے میں سارے جزیرہ کی سیر ہو جاتی ہے قدرتی مناظر اور قدرت کی اپنی مخلوق پر مہربانیاں اور عنایات دیکھ دیکھ کر ایمان کو تقویت ملتی ہے جب میں پہلی بار یہاں آئی تو گھبراہٹ سی تھی کہ ایک جزیرے پر ہم کیسے رہیں گے جہاں کوئی ایک بھی نہ تو ہماری زبان بولنے اور سمجھنے والا اور نہ ہی مسلمان ہے جبکہ کل آبادی دس ہزار ہے۔

انسان کو ہمیشہ ہر چیز میں اور ہر جگہ اچھا پہلو دیکھنا چاہیئے ایک تو یہاں پر اس قدر سکون اور آرام اس لحاظ سے ہے کہ چوری ڈاکے کا کوئی خطرہ نہیں گھروں کے دروازے کھڑکیاں بھی بند نہیں کرتے ویسے لوکل لوگوں کے مکانوں کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ صرف چھت اور چند ستون ہوتے ہیں جو سطح زمین سے قدرے اونچے بناتے ہیں تاکہ بارش اور نمی سے دور رہیں اور چیونٹیوں وغیرہ سے محفوظ رہیں چونکہ زمین پر ہی تو سونا ہوتا ہے جبھی بے خوف خطر پڑے سوتے ہیں البتہ موجودہ دور کے لوگوں نے بہت سارے پکے اور خوبصورت مکان بنا لئے ہیں۔ Expatriates کے لئے تو گویا شاندار کوٹھیاں بنا کر دی ہوئی ہیں۔ اپنے معمولی گھروں کو بھی Shells کے پردے خوبصورت پھولوں والی چٹائیوں اور مکرامے سے سجا کر صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ علی الصبح اپنے گھر کی صفائی کے بعد سڑک پر بھی جھاڑو کرتی ہوئی عورتیں نظر آتی ہیں جو بہت ہی خندہ پیشانی سے اب السلام علیکم کہتی ہیں حالانکہ اکثر ان میں سے

مسلمان نہیں ہوتیں مگر یہ ضرور جانتی ہیں کہ یہ مسلمان ہیں ان کی گریٹنگ السلام علیکم ہی کہا جائے چھوٹے چھوٹے بچے بھی سلام کہتے اور مسکراتے ہوئے بات کرتے ہیں ۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتے ہیں۔

یہاں پر تین مذاہب یہودی ،عیسائی اور بہائی ہیں ۔ اسلام کا نام ونشان نہ تھا۔ 1985 میں جب ہم نے یہاں آکر دیکھا تو بڑا دکھ بھی ہوا اور دعائیں بھی کیں کہ اے خدا دنیا کا یہ کونہ کیوں اسلام اوراحمدیت کے نام سے محروم ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو کس طرح یاد کروں اور انعاموں کو کہ خدا نے میرے میاں ڈاکٹر افتخار احمد صاحب کو یہ توفیق دی جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور ہمارے پیارے آقا کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ داعیان الی اللہ کے دل میں ایک ایسی لگن اور تڑپ لگا دیتا ہے کہ ان کو باقی سب کچھ ہیچ نظر آنے لگتا ہے ان کا مقصد صرف اور صرف تبلیغ اسلام بن کر رہ جاتا ہے کچھ ایسا حال ہی میرے میاں صاحب کا ہو گیا ہے۔ انہوں نے بھی دن رات محنت کی اور اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ پر احمدیت کا ننھا پودا لگا دیا اور پہلا احمدی ہونے والا شخص جس کا نام حضور انور نے عطاء الاوّل رکھا احمدیت میں داخل ہو کر اور اب تین سالوں میں اللہ کے فضل سے یہاں تین صد کے قریب احمدی ہیں ۔ مشن ہاؤس خرید لیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا ترجمہ طوالو زبان میں مکمل ہو گیا ہے مزید دعاؤں کا ترجمہ ہو چکا ہے نماز کی کتاب تیار ہے لجنہ قائم ہے اور جامعہ میں طلباء کی ٹریننگ نہایت اعلیٰ رنگ میں کر کے ان کو دوسرے جزیروں پر بھجوایا گیا ہے۔ بس مختصراً یہ کہ دعاؤں کی درخواست کے ساتھ یہ مضمون یہیں ختم کرتی ہوں کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بڑھ چڑھ کر خدمت دین کی توفیق عطا کرے جس سے خدا تعالیٰ اور خدا کا خلیفہ راضی ہو آمین ۔ یہ تھی مختصر کہانی ہمارے پیارے طوالو آئی لینڈ کی ۔ کہئے پسند آئی ؟ ○○

رمضان المبارک اور روحانی ترقیات

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ آیت 184)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر بھی روزوں کا رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تا کہ تم روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے بچو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مومنو تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزے رکھنے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ دنیا میں بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں جو منفرد ہوتی ہیں۔ اکیلے انسان پر آتی ہیں اور وہ ان سے گھبراتا ہے، شکوہ کرتا ہے کہ میں ان تکالیف کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں جن میں سارے لوگ شریک ہوتے ہیں ان تکالیف پر جب کوئی انسان گھبراتا ہے یا شکوہ کا اظہار کرتا ہے تو لوگ اسے یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے ہیں کہ یہ دن سب پر آتے ہیں اور کوئی شخص یہ امید نہیں کرسکتا کہ وہ ان تکلیفوں سے بچ جائے گا۔ مثلاً موت ہے، موت ہر انسان پر آنی ہے۔ دنیا میں کوئی احمق سے احمق انسان بھی ایسا نہیں مل سکتا جو کہے کہ میں کوشش کررہا ہوں کہ مجھ پر موت نہ آئے۔

موت اُس پر ضرور آئے گی۔ چاہے جلدی آ جائے اور چاہے دیر میں ۔ پس کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُم کہہ کر خدا تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ روزے ایسی نیکی، ثواب اور قربانی ہیں جن میں سارے ادیان شریک ہیں۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا ہے۔ پھر کتنے افسوس کی بات ہے۔ نیکی اور تقویٰ جس کے حصول کیلئے ساری قومیں کوشش کرتی رہی ہیں تم اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ اگر کوئی یہ نیا حکم ہوتا۔ اگر روزے صرف مسلمانوں پر ہی فرض ہوتے۔ تو ہم دوسرے لوگوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم اسے کیا جانو؟ تم نے تو اس کا مزہ ہی نہیں چکھا۔ یعنی اسلام سے پہلے مذاہب کے لوگ بھی اس دروازہ میں سے گزر چکے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! تم ہوشیار ہو جاؤ اور ہم تم پر روزے فرض کرتے ہیں اور ساتھ ہی تمہیں بتا دیتے ہیں کہ روزے پہلی قوموں پر بھی فرض کئے گئے تھے۔ اور پہلی قوموں نے اس حکم کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا تھا۔ اگر تم اس حکم کو پورا کرنے میں سستی دکھاؤ گے تو تم دوسری قوموں کو روحانی ترقی کا راستہ کیسے دکھا سکو گے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں غیرت اور ہمت کا سبق سکھایا ہے۔ پہلے زمانے میں روزوں کی شکل اور قسم کی ہوا کرتی تھی۔ روزوں میں لوگ صرف شام کے وقت روزہ کشائی کرتے تھے۔ اور سحری نہ کھا کر متواتر آٹھ پہر روزہ رکھتے تھے۔

کہیں ایسے روزے ہوتے تھے کہ روزہ کشائی بھی نہ ہوتی تھی۔ تین تین، چار چار، پانچ پانچ دن متواتر روزہ رکھا جاتا تھا ایسے روزے بھی پائے جاتے تھے جن میں لوگوں کو ہلکی غذا کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ٹھوس غذاؤں سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے روزے ہوتے ہیں۔ ہندو مذہب کے روزوں میں آگ کی پکی ہوئی چیز نہیں کھانی۔ اس کے علاوہ دودھ، سیب، کیلے وغیرہ کھا جائیں تو ان کے روزہ میں فرق نہیں آتا۔

روٹی اور سالن کو چھوڑ کر جو چیز چاہیں کھالیں۔ پھر اس سے بھی آسان روزے رومن کیتھولک عیسائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ان کا روزہ یہ ہوتا ہے کہ گوشت نہیں کھانا اس کے علاوہ جو جی چاہے کھالیں۔

پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا بے نظیر پیغمبر عطا فرمایا ہے اور قرآن کریم جیسی بے نظیر کتاب عطا فرمائی ہے اور رمضان کے روزے اس تعلیم کا ایک بنیادی مینار ہیں۔



آہ ہماری آپا سارہ مرحومہ

افریقہ اور پھر لندن میں رہنے والوں میں آپا سارہ مرحومہ کا نام بہت معروف نام ہے اور اب آپ کے نام کے ساتھ مرحومہ لکھتے ہوئے دل کو ایک عجیب سا غم محسوس ہو رہا ہے کہ آج ہماری آپا سارہ ہم میں موجود نہیں بلکہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سو رہی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپا سارہ بہت ساری خوبیوں کی مالک تھیں۔ میری تو بڑی بہن اور دوست بھی تھیں، ہم دونوں کی دودو ساسوں کے ناطے بھی کچھ مشابہت تھی۔ ان کے ساتھ مجھے کئی سال حضور ایدہ اللہ کی ڈاک کا کام کرنے کا موقع ملا۔ بہت دعا گو خود بھی تھیں اور اگر کوئی درد بھرا خط ڈاک میں ہوتا تو بغرض دعا مجھے دکھا کر دعا کی بھی تلقین کرتیں اور تھوڑی دیر رک کر اس کے لئے دعائیہ الفاظ کہتے ہوئے یہ شکر کرتیں کہ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو جھٹ حضور کے پاس دعا کے لئے جا پہنچتے ہیں مگر یہ دیکھو نا باسط اس بے چاری نے اس قدر بے قراری اور تکلیف میں خط لکھا ہے جبکہ اس خط کو لکھے اور یہاں پہنچے دس روز ہو گئے ہیں اور اب جواب اگر جلد سے جلد بھی جائے گا تو ضرور دس روز اور لگ ہی جائیں گے۔ نہ معلوم ادھر اس کا کیا حال ہوگا مگر یہ جو یقین ہے کہ خط لکھتے ہی دعا شروع ہو جاتی ہے مجھے اور ہمیں یہ امید ہوتی ہے کہ ضرور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گویا اس طرح شکر گزاری کا مضمون خطوں میں ڈھال دیا کرتی تھیں۔

خود بھی اچھی لکھاری تھیں مگر ایک دفعہ دو سال قبل بیمار ہوئیں اور ہاسپٹل میں داخل

ہوئیں۔ میں ان سے ملنے ہاسپٹل گئی طبیعت پر بہت اثر ہوا کبھی آپا سارہ کو بیمار دیکھا نہ تھا ہر طرف دوائیں اور نالیاں لگی تھیں دل پر دعا کی خاص تحریک نے اتنا اثر کیا کہ میں نے الفضل میں ایک مضمون مَنْ لاَ یَشْکُرُ النَّاسَ لاَ یَشْکُرُ اللّٰہَ کے تحت ان کے احسان کا بھی ذکر کر ڈالا اور دعا کی درخواست کر دی۔ کسی بہن نے پڑھ کر ان کو بتایا تو میرے گھر فون کیا کہ مجھے فوراً وہ الفضل لا کر دو تم نے ایسے کیوں کیا وغیرہ وغیرہ اور خوشی کا اظہار بھی کیا۔ گویا ان کے لئے یہ بھی بڑی بات تھی۔

آپا سارہ مرحومہ کے پانچ بچے ہیں دو بیٹیاں اور تین بیٹے۔ سب کی اچھی نیک تربیت کی اور اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ مسجد کے قریب میں رہائش کی وجہ سے پیدل ہی آیا جایا کرتی تھیں۔ سادہ طبیعت اور ملنسار تھیں۔ دعا گو بہت تھیں کسی کی تکلیف کا سن کر خود بھی پریشان ہو جاتیں اور اگر ممکن ہوتا تو نیک مشورہ بھی دیتیں۔ اللہ ان کی روح کو کروٹ کروٹ ٹھنڈا رکھے۔ لواحقین کا حامی و ناصر ہو۔ مصباح کی مستقل خریدار ہی نہ تھیں اچھی مضمون نگار بھی تھیں۔ ''عورت کے مختلف روپ'' مستقل عنوان لے رکھا تھا۔ اچھا لکھا کرتی تھیں جب بھی ان کا خیال آتا ہے ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور دل سے ان کے لئے بلندیٔ درجات کی دعا نکلتی ہے۔



دُعائے مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق جنوں پیدا تو کٹ جاتیں ہیں زنجیریں

دراصل دعا ہی ایک مسلمان کا سرمایہ ہے، ایک مومن کا ہتھیار ہے، مومن کی معراج ہے۔ ہر وقت خدا سے دعا کر کے اس سے اپنی ضرورت اور خواہش مانگ سکتا ہے۔ دعا کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کے ''ملفوظات'' پڑھے جو بہت اچھے لگے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''یاد رکھو دعا ایک موت ہے۔ اور جیسے موت کے وقت اضطراب اور بےقراری ہوتی ہے اسی طرح دعا کیلئے بھی ویسا اضطراب اور جوش ہونا ضروری ہے۔ اس لئے دعا کے واسطے پورا پورا اضطراب اور گدازش جب تک نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ پس چاہئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نہایت تضرع اور زاری وابتہال کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی مشکلات کو پیش کرے اور اس دعا کو اس حد تک پہنچا دے کہ ایک موت کی سی صورت واقع ہو جائے۔ اس وقت دعا قبولیت کے درجہ تک پہنچتی ہے۔''

گویا دعا ایک جہاد ہے اور دردِ دل سے نکلی ہوئی دعا ہی قبولیت کا مقام پاتی ہے۔ دعا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کیلئے سب سے زیادہ مجرب ہے اور یہ بات ہر مذہب میں پائی جاتی ہے، سب مذاہب میں یہ مشابہت ہے۔ صدیاں گزر گئی ہیں کہ انسان نے یہ معلوم کیا کہ خدا تک پہنچنے کیلئے جو دروازہ کھلا ہے اس کا نام دعا ہے اگر عاجزی کے ساتھ دعا کی جائے تو دل کو

طمانیت حاصل ہوتی ہے۔اور یہ پریشانیوں کو دور کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔اسی طرح انسان کو نچلے درجہ سے اٹھا کر بہت اوپر لے جاتی ہے۔ایسے خطّوں میں جہاں کوئی دوسرا شخص پہنچ نہیں پاتا۔قرآن مجید میں دعا کا اس رنگ میں ذکر ہے کہ ایمان لانے والوں کی یہ ایک صفت ہے۔ لکھا ہے:

''یہ ایک مکمل کتاب ہے۔اس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔نیکوں کاروں کیلئے یہ ایک ہدایت ہے۔وہ نیکوکار جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

(سورۃ البقرہ آیت 4,3)

اگر یقین کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔اور انسان کی روح اور اس کے قلب کے تزکیہ کا باعث بنا دیتا ہے۔اگر نماز باقاعدگی کے ساتھ اور عجز وانکسار کے ساتھ ادا کی جائے تو ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچا سکتے ہیں۔اور اپنے دلوں کو پاک صاف بنا سکتے ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ نے بار بار اپنی تحریرات میں فرمایا ہے کہ نماز کیا ہے؟

فرمایا:

نماز خدا کا حق ہے۔اسے خوب ادا کرو۔

نماز گناہوں سے بچنے کا ایک آلہ ہے۔

نماز ایک معراج ہے۔

نماز تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

نماز مشکلات کی کنجی ہے۔

نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے۔

نماز بڑے بھاری درجہ کی دعا ہے۔

نماز اصل میں رب العزت سے دعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

نماز کیا ہے؟ ایک دعا جو درد، سوزش اور معرفت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے قریب لے جانے والی کوئی چیز نماز سے زیادہ نہیں ہے۔ نماز ایک سوال ہے جو کہ انسان جدائی کے وقت درد اور رقت کے ساتھ اپنے خدا کے حضور میں کرتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ایک ایمان لانے والے کو اپنے خالق کے قریب لے آتی ہے۔ اور یہ بات پوری طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ کوئی مخلصانہ دعا ضائع نہیں جاتی۔ کیونکہ ہمارا علم محدود ہے اور ہماری نظر دور رس نہیں۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ ہمارے لئے کیا کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ کون سی بات ہمارے لئے بالآخر تکلیف کا باعث بنے گی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر مکمل طور پر بھروسہ رکھیں۔ اور جب ہم نے کوئی دعا کی ہو تو اپنی مشکلات کے اوقات میں اسی کی طرف توجہ رکھیں۔ جو کچھ بھی ہمارے لئے مفید ہوگا عطا کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ انفرادی تعلق بھی ہے۔ اور انسان کی دعاؤں کی مقبولیت کا ایک ذریعہ اس کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔ انسانی ذہن اور جسم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور دونوں ایک دوسرے کا ردِّعمل ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ہمارے تجربہ کی بات ہے کہ جب ہم خاموش ہوتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور جب ہم خوش ہوتے ہیں تو بلا تکلف ہمارے چہرے پر رونق پھیل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی ذہن کو اس کے جسم سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایمان لانے والوں کو اپنی دعا کے وقت یعنی نماز ادا کرتے ہوئے مختلف حالتوں

میں سے گزرنا چاہئے تاکہ جسم کی حرکات ذہن کے ساتھ ساتھ ہم آہنگ ہوتی رہیں۔ اوراس طرح ہم اپنے عجز وانکسار اوراطاعت کا اظہار کریں اوراسلام میں نماز کے دوران تمام قسم کی عبادت گزاری کے عوامل شامل کردئے گئے ہیں۔ بعض لوگ کھڑے ہوکراپنے انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔ بعض گھٹنوں کے بل ہوکر یا بعض سجدے کی کیفیت کی حالت میں۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کے ذریعہ وہ اپنے انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ جان لینے کی بات ہے کہ جو دعا یا نماز پوری طرح جسم اورروح کی ہم آہنگی کے ساتھ ادا کی جائے وہی اپنے اندر حقیقت رکھتی ہے۔ ہماری کوئی ایسی دعا جس میں خلوص اورانکسار نہ ہوقابل قبول نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جولوگ اپنی نمازوں میں عجز وانکسار کا اظہار کرتے ہیں وہی حقیقی طورپر کامیاب ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بندہ بھی انکسار کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندیوں پر سرفراز کردیتا ہے۔ جب ہم تخلیق عالم پرغور کرتے ہیں اور ان قوانین پر جن کے ذریعہ یہ سب کچھ ہورہا ہے اورہم دنیا کے مختلف مناظر بھی دیکھتے ہیں جو ہماری روح کو اور ہمارے دل کو اور ہماری آنکھوں کو خوش کردیتے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ احساس ہے جو ہمارے اندر عجز وانکسار پیدا کردیتا ہے۔ ہم نماز کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہیں جس میں وہ مہربان ہے، رحم کرنے والا ہے اورقیامت کے دن کا مالک ہے۔ اگران باتوں کو ہم اپنی کمزوری کے پہلو بہ پہلو رکھیں تو ہمیں اپنی کمزوری کا احساس ہونے لگتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ ایک دن میں پانچ نمازیں پڑھنا ضرورت سے زیادہ ہے۔ لیکن جب ہم نماز کی افادیت پرغور کرتے ہیں تو اس کے ذریعہ ہمیں تزکیہ حاصل ہوتا ہے تو ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ وقت جو ہم نے نماز کے دوران گزارا ہے ہمارے لئے انتہائی مفید ہے۔ اگرنماز کے

اوقات پر غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دن کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور انجام بھی اسی سے۔ گویا کہ جاگتے ہی اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کی کوشش کی جاتی ہے اور سونے سے معاً پہلے بھی یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص دن میں پانچ مرتبہ نہائے تو اس کے جسم پر کوئی گندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دن میں پانچ مرتبہ خلوص، انکسار اور عجز کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کی روحانی صفائی اور پاکیزگی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

دعا بہت قیمتی ہنر ہے ہمارے بچوں کی اصلاح اور تربیت کیلئے۔ دیگر آداب اور طور طریقے سکھانے کے ساتھ ساتھ اگر بچوں کی تربیت کیلئے دعائیں کی جائیں تو تربیت زیادہ کارگر اور آسان ہوجاتی ہے۔ بچوں کی تربیت کے ضمن میں حضورؒ نے فرمایا:

’’جس طرح اور جس قدر بچوں کو سزا دینے کی کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کیلئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کرلیں اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبولیت بخشی گئی ہے۔ میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں:

☆ اپنے نفس کیلئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت اور جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق دے۔

☆ اپنے گھر والوں کیلئے دعا مانگتا ہوں کہ اُن سے قرۃ العین اولاد عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلیں۔

☆ اور پھر اپنے بچوں کیلئے مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خادم بنیں۔

☆ پھر اپنے مخلص دوستوں کے نام بنام

☆ اور پھر ان سب کیلئے جو اس سلسلے سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں۔

گویا یہ ثابت ہوا کہ آخری اور سب سے اہم شے بچوں کی تربیت کیلئے دعا ہے۔ آپ جتنی بھی پرورش کرلیں، جتنی بھی دنیاوی لحاظ سے بچے کی تربیت کرلیں کچھ نہ بن سکے گا اگر دعا کا خانہ خالی ہوگا۔ آسمانی برکت پڑے گی تو بچہ اصل انسان بنے گا۔ پس اپنی اولاد کیلئے درد دل سے دعائیں کریں۔ کیونکہ والدین کی دعائیں اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہیں۔ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ حضور کی خدمت میں بھی دعا کی درخواست کریں۔ جب ہماری حقیر کوششیں اور آسمانی پیاری نظر دونوں ملیں گی تو ہمارے سامنے عظیم الشان مستقبل پرورش پا رہا ہوگا۔ ایک پھلدار درخت ہمارے گھروں میں پل رہا ہوگا اور مستقبل میں میٹھے پھل کھانے کے ہم حقدار ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اولاد کے خراب ہونے کا کیا ڈر ہونا چاہئے تھا آپکی اولاد تو خدائی بشارت سے پیدا ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے موعود وعدے بھی پورے کئے۔ پھر بھی حضورؑ اپنی تحریر، نظموں اور دعاؤں میں فرماتے ہیں:

میری اولاد سب تیری عطا ہے
ہر اِک تیری بشارت سے ہوا ہے
نجات ان کو عطا کر گندگی سے
برات ان کو عطا کر بندگی سے
رہیں خوشحال اور فرخندگی سے
بچانا اے خدا بد زندگی سے

گویا دعا بہت ہی اہم چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کے حق میں ہماری دعائیں

قبول کرے۔ آمین۔ آخر میں مَیں آپ سب سے ایک خاص مقصد کیلئے دعا کی اہمیت اور کارگر ہونے کی بات بتا کر اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں۔ جیسا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ سے مسلسل تبلیغ کے میدان میں کوشش کیلئے ہمیں مختلف طریقے اور نمونے بتا رہے ہیں۔ ہم سب کو مل کر اس میدان میں کام کرنا چاہئے۔ حضور کے خطبہ سے وقفِ عارضی کی تحریک پر بھی ہمیں جانا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ پیاری مہم میں کامیابی عطا کرے۔ حضور نے فرمایا ہے:

’’دعوت الی اللہ کا مشکل کام دعا کے ہتھیار سے آسان ہو جائے گا۔ یہ وہ آزمودہ نسخہ ہے کہ ازل سے آج تک جب بھی استعمال ہوا ہے، ہمیشہ کارگر ثابت ہوا۔‘‘

تبلیغ کیلئے دعا کا سہارا لیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اس میدان میں کود جائیں اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔

بالآخر دعا، اس کی اہمیت اور ضرورت تو سبھی جانتے ہیں۔ اس کے کرنے سے ہم خدا تعالیٰ کا قرب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اپنی مشکلات اور مسائل کا حل بھی نکال سکتے ہیں۔ اور اسیروں کی رہائی میں بھی مددگار ہو سکتی ہیں ہماری دعائیں۔ دکھوں اور بیماروں کیلئے بھی راحت اور صحت کا پیغام لا سکتی ہیں۔ مگر اصل چیز التزام ہے۔ درد اور سوز سے کی ہوئی دعائیں عرش معلّٰی سے سیدھی جا ٹکراتی ہیں اور باعث رحمت بھی بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مقبول دعاؤں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



تربیت کا آسان اور مؤثر ذریعہ

ایم ٹی اے انٹرنیشنل

(M.T.A International)

جیسے جیسے دنیا ترقی کر رہی ہے نئی نئی ایجادات اور سہولیات سے ہمیں روزمرہ کے کاموں میں سفر میں اور ملازمتوں میں آسانیاں اور مفید تجربات ہونے لگے ہیں۔ کم وقت میں زیادہ کام ہونے لگا ہے، زمانے کی تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ چلنے میں مدد ملنے لگی ہے۔ مگر پھر بھی ہر شخص سکون قلب کا متلاشی نظر آتا ہے۔ مانا کہ سکول جانے میں پیدل نہ چلے کار موجود ہے، کپڑے ہاتھ سے نہ دھوئے مشین دھو دے گی، برتن بھی دھلے دھلائے مل جائیں گے، ہوم ورک کرنے کیلئے بچوں کی میز پر کمپیوٹر تو ہونا ہی چاہئے، پرنٹر بھی اور فوٹو کا پیپر بھی لے لیں گے...... لیکن کیا کبھی ہم نے سوچا ہے کہ ان نونہالوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کون اور کیسے کرے گا۔ پچھلے وقتوں میں تو فیملی سسٹم بھی تھا۔ نانی، دادی ساتھ رہا کرتی تھیں۔ اور اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے بہت کچھ سکھا دیتی تھیں۔ پریوں اور علی بابا کی کہانیوں کے علاوہ بہادری اور مہمان نوازی کی کہانی سنا کر حاتم طائی اور شہنشاہوں کے قصے سنایا کرتی تھیں۔ اور بہت سی بزرگ خواتین خاص توجہ سے نبیوں اور ولیوں کی کہانیاں سنا سنا کر گویا بچوں کو پورا اسلام کی تاریخ کا ابتدائی سبق دیا کرتی تھیں۔

میں آج بھی اپنی نانی اماں کو یاد کرتی ہوں، جنہوں نے مجھے قاعدہ یسرنا القرآن تو پڑھا

دیا، پہلا سپارہ بھی پڑھا دیا مگر مجھے ترجمہ پڑھنے کا بڑا شوق تھا وہ کچھ زیادہ نہ بتا سکیں تو کہنے لگیں جاؤ اب اپنے ابا جان (حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم) سے جا کر پڑھو..... میں جس نے کبھی ابا جان کو ترجمہ پڑھتے یا پڑھاتے نہ دیکھا تھا جھٹ کہہ دیا کہ کیا ان کو آتا ہے.......اس پر وہ بہت ہنسیں اور میرے ابا جان کو کہا کہ دیکھیں آپ کس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ آپ کی بیٹی کو پتہ ہی نہیں کہ آپ کو قرآن کریم کا ترجمہ بھی آتا ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی یا میری معصومیت کہہ لیجئے۔ گویا مصروفیت اس زمانے میں بھی اور اب بھی والدین کی مصروفیت کچھ کم تو نہیں۔ مگر میں آپ سب بہنوں کو بچوں کی تربیت کا آسان اور مؤثر طریقہ اور ذریعہ بتاتی ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ اپنے اخراجات سے رقم بچا کر یا بغیر بچائے قسطوں پر ایم ٹی اے لگا لیجئے۔ یہ احسان عظیم ہے کہ خدا نے ہمیں اپنا ٹی وی چینل دے دیا ہے۔ آپ کو صرف اپنے بچوں کی ہی تعلیم و تربیت کیلئے نہیں بلکہ خود اپنے لئے ایک خزانہ بہت سستے داموں مل جائے گا۔ جس سے آپ اپنے گھر میں برکت اور سکون پائیں گے۔ جونہی تلاوت قرآن کریم کا آغاز ہو آپ خود بھی سب کام چھوڑ کر بلکہ اپنے کاموں کو اس طرح ترتیب دے لیں کہ تلاوت کا وقت ہو تو فارغ ہوں، اپنے بچوں کو ساتھ بٹھا کر سر پر ٹوپی یا دوپٹہ لینے کی تلقین کریں، خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ پھر احادیث بھی ضرور سنیں اور درود شریف پڑھتی رہیں۔ اس روحانی ماحول میں آپ دیکھیں گی کہ کس طرح آپ کے بچوں پر اچھا اثر پڑے گا اور وہ اس سے بہت اچھے اور نیک بچے بن جائیں گے۔ ان کے دل میں قرآن اور حدیث کا احترام، پیار اور لگن پیدا ہو جائے گی، آداب سیکھیں گے اور سکون پائیں گے۔ نہ صرف یہی بلکہ اور بہت کچھ آپ گھر بیٹھے اپنے جگر گوشوں کو سکھا سکتی ہیں۔ ملک ملک کی سیر، معلومات اور رنگا رنگ پروگرام مختلف زبانوں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ روحانی اور جسمانی بیماریوں کے علاج کیلئے پروگرام قرآنِ کریم کی تفسیر

اور تشریح درس القرآن کے عنوان سے ہوتا ہے۔ جو بنفس نفیس ہمارے پیارے آقا ارشاد فرماتے ہیں۔ اسی طرح حضور نے ''ہومیوپیتھی'' علاج روحانی کا بیش بہا خزانہ ساری دنیا کو مہیا فرما دیا ہے۔ کوئز پروگرام مختلف ٹیموں اور مختلف شہروں سے آئے ہوئے بچوں کے ساتھ اور اسی طرح کھیلوں اور سلائی کڑھائی اور پینٹنگ کے علاوہ درس وتدریس زبانیں سکھانے اور درثمین کا صحیح تلفظ بھی سیکھ لیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ سب سے بڑا اہم اور عظیم کام جو اس سیٹیلائٹ کے ذریعہ ہو رہا ہے وہ تبلیغ اور مختلف لوگوں کے سوالات اور ان کے تسلی بخش جوابات حضور ایدہ اللہ تعالیٰ براہ راست دیتے ہیں جو بیک وقت ساری دنیا میں سنے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح خطبہ جمعہ کا مختلف سات زبانوں میں رواں ترجمہ بھی آپ سن سکتی ہیں۔ گویا کوئی بھی عقدہ اب نہیں رہا جو وا نہ ہوا ہو۔

المختصر یہ تحریر ختم کرنے سے قبل ایک بات کہتی چلوں کہ تربیت کیلئے آپ نے بہت سے طریقے سوچے ہوں گے اور عمل پیرا ہوئی ہوں گی مگر ۔

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے پاکیزہ ماحول میں بہت کچھ خود بھی سیکھ جائیں گی اور اپنے بچوں کو بھی سکھائیں گی۔ انشاء اللہ۔ پروگرام کی تفاصیل کیلئے الفضل انٹرنیشنل خریدنا نہ بھولئے گا اور دعا تو ہمارا اصل سہارا ہے، اسی سے مدد مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حقیر کوششیں قبول فرمالے اور اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب کرے اور ہم احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے نونہالوں کی صحیح تربیت کر کے سُرخرو ہو سکیں۔ آمین۔

ہم کیوں پیچھے رہیں آئیں اور جلدی اس مؤثر ذریعہ تربیت کو اپنے نونہالوں کی تربیت کیلئے آزمائیں۔

(اخبار احمدیہ برطانیہ شمارہ 6 جون 1997ء میں شائع ہوا)

پیکرِ مہر و الفت

شاید یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے جب کوئی بہت پیارا محبت کرنے والا ہم سے روٹھ کر چلا جائے اور کوئی اس جانے والے کے بارے میں کچھ لکھنے کو بھی کہے تو لکھ نہیں پاتے مگر کہتے ہیں نا کہ ''وقت زخم کا مرہم ہے'' دن گزرنے کے ساتھ ساتھ بھول تو نہیں جاتے مگر حوصلہ کر کے سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔

آج میں جس پیاری ہستی کے بارہ میں چند یادیں اکٹھی کر رہی ہوں آپ کا بابرکت وجود ہر کس و ناکس کے لئے ایک خوشبودار پھول اور رنگین مزاج اور محبت کا گہوارہ تھا۔ ہر وہ مجلس جس میں پیاری ''مہر آپا'' موجود ہوتیں اپنی رونق خود بخود بڑھا دیتی۔ آپ کا اس قدر ہنستا مسکراتا چہرہ دل موہ لیتا اس قدر میٹھی زبان سے بات کرتیں حال واحوال پوچھتیں اور پیار کرتیں اور گھر پر مدعو کرتیں کہ میں اکثر سوچتی ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مہر آپا کو کس قدر عظیم المرتبت بنایا مگر طبیعت اس قدر سادہ اور نفیس اور پیار و محبت سے بھرپور گویا اسم بامسما تھیں۔ ربوہ میں سکول اور کالج کے زمانہ سے ہی آپ سے ملنے اکثر اپنی آپا اچھی امۃ اللہ خورشید کے ساتھ جایا کرتی تھی مگر کبھی زیادہ بات وغیرہ نہ ہوتی تھی چونکہ بڑوں سے ہی باتیں ہوتی تھیں بس آپا اچھی کے ساتھ جاتی تھی اور اس خوبصورت اور مہکتی ہوئی مہر آپا کو چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے لمبے دوپٹے کو مخصوص انداز سے اوڑھے دیکھ کر اور خوش رنگ لباس میں ملبوس ایک نئی نویلی دلہن ہی تو لگا کرتی تھیں میں اکثر محظوظ ہوتی اور اپنی سہیلیوں سے بھی ذکر کرتی کہ مہر آپا

جان سے ملنے کبھی گئی ہو۔آپ پرفیوم بھی بہت اعلیٰ استعمال کرتی تھیں کہ دور سے آنے سے پہلے ہی خوشبو آجایا کرتی تھی جو بے حد بھینی بھینی ہوتی تھی اور پھر آپ کا پیار سے بٹھانا، خاطر و مدارات کرنا خوب یاد رہا۔

کالج میں یعنی جامعہ نصرت میں اس ہستی کو خاص مقام خدا نے آپ کی خوش مزاجی اور کھیلوں اور علم و ادب میں دلچسپی نے عطا کیا آپ کے انتظار میں ایک مزا اور پیار ہوتا تھا ہم چشم براہ کئی گھنٹوں بیٹھا کئے مگر کبھی گھبرائے نہیں مگر جونہی آمد آمد ہوئی خوشی کی لہر دوڑ گئی دراصل آپ بے حد مصروف اور اپنی ازدواجی ذمہ داری کو بھی احسن رنگ میں ادا کرتی تھیں اور اجتماعی اور تعلیمی سرگرمیوں میں بھی ذوق وشوق سے حصہ لیتی تھیں تو رنگین اور خوش لباس پہنتی تھیں مگر جب جامعہ نصرت کی کھیلیں ہوتیں تو سب طالبات کی طرح نہایت نفیس سفید رنگ میں یونیفارم پہن کر آتیں۔اس لباس میں آپ بہت ہی سندر دکھائی دیتیں۔ مینا بازار میں بھی کبھی جلوہ افروز ہوتیں تو ہماری رونق میں اضافہ کر دیتیں۔

ہمارے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر امی جان ضرور خواتین مبارکہ کو مدعو کرتیں مہر آپا جان اگر حضور کی باری آپ کے ہاں نہ ہوتی تو ضرور تشریف لاتیں وگرنہ معذرت کے ساتھ تحائف بھجواتیں اور پھر کسی اور موقع پر ملاقات ہوتی تو مبارک اور معذرت پیش کرتیں اور پوچھتیں کہ آپ کا بیٹا یا بیٹی جس کی شادی پر بلایا تھا خوش ہے نا!

جامعہ نصرت کے مشاعرہ میں بھی آپ دلچسپی لیتیں اور شعر و شاعری سے محظوظ ہوتیں باجی قدیر صاحبہ کی بڑی مداح تھیں۔

چونکہ میری شادی بھی ایسے گھر میں ہوئی جن سے پہلے سے سیدہ مہر آپا کے بہت اچھے مراسم اور بہت محبت و خلوص کا سلوک تھا آپ سے سب کو بہت پیار تھا میرا رشتہ یہاں طے

ہونے پر بہت ہی خوش ہوئیں اور شادی کے موقع پر ہر طرح سے میری باجی ممتاز اور میری ساس محترمہ صالحہ صاحبہ کی ہر طرح سے مدد کی مشورہ سے اور خوشی میں شامل ہوئیں اور جب بیاہ کر میں ربوہ آئی تو قصر خلافت ساتھ میں تھا آپ تشریف لائیں پیار کیا اور اگلے روز خود بنفس نفیس دلہن بنا کر گئیں اور پھر چند روز کے بعد الوداعی دعوت کے لئے اپنے گھر بلایا اور بے شمار دعاؤں سے رخصت کر کے فرمایا باسط افریقہ جا کر بھول نہ جانا۔ یہ مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کہا کہ اکثر لڑکیاں بھول جاتی ہیں نا اس لئے کہہ رہی ہوں خط و کتابت ہوتی رہی اور جب تین سال کے بعد میں واپس وطن لوٹی تو میرے پاس خطوط جو دعاؤں کے علاوہ نصائح سے بھرے ہوئے تھے خاصے جمع تھے اور میں اب ان کو یاد کرتی ہوں تو آپ کی بے نظیر ہستی کی دوبارہ ملاقات نہ ہو سکنے پر کفِ افسوس تو ضرور ملتی ہوں مگر آپ کی خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کرتی ہوں۔

اسی دوران ایک دن میں نے اور میری ساس صاحبہ نے آپ سے ملنے کا پروگرام بنایا اماں جی کسی اور مہمان کے گھر آ جانے کی وجہ سے نہ جا سکیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ تم اکیلی ہی ہو آؤ وگرنہ مہر آپا ضرور انتظار کر رہی ہوں گی۔ اور اگر ہم میں سے کوئی بھی نہ گیا تو ان کو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔ اور وہ پریشان بھی ہو جایا کرتی ہیں چونکہ اماں جی کی طبیعت اکثر ان دنوں خراب رہا کرتی تھی خیر میں اکیلی ہی چلی گئی آپ صحن میں شروع سردیوں کی ہلکی دھوپ میں تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں مجھے آتے دیکھ کر کہا آؤ آؤ بیٹھو تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں اچھا کیا کہ آج تم اکیلی آئی ہو جب میں نے بتایا کہ اماں جی بھی ساتھ آنے والی تھیں مگر کوئی مہمان گھر پر آ گئے تھے اس لئے وہ معذرت کر رہی تھیں اس پر قدرے ہلکا قہقہہ لگا کر کہنے لگیں یہ تو بہت اچھا ہوا اور انہیں کیا معلوم کہ یہ انتظام اللہ نے میرے لئے کیا آؤ

میرے اور قریب ہو کر بیٹھو اور بتاؤ کہ اب تمہاری امی خوش ہیں اور مطمئن بھی ہوں گی تم سے مل کر جب تمہیں افریقہ روانہ کیا تھا تو تمہاری امی بہت بیمار ہو گئی تھیں ایک تو پردیس دوسرے تمہارا دوہرا سسرال یعنی دو دو ساسیں۔ الامان!! یہ کہہ کر کہا کہ اچھا یہ تو بتاؤ تمہاری ساسیں آپس میں لڑتی بھی ہیں؟ میں قدرے جھینپ گئی اس پر کہنے لگیں گھبراؤ نہیں غلط مت کہنا سچ سچ بتاؤ! جہاں بھی دو سوتنیں ہوں کبھی کبھی جھگڑا یا تکرار ہو ہی جاتا ہے اور ہونا بھی چاہئے اور یہ میٹھا میٹھا تکرار یا اختلاف کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہوتی نا اور یہ ممکن ہی نہیں کہ دو بیویوں میں اختلاف رائے نہ ہو اور خاص طور پر جب کہ دونوں ساتھ میں رہتی ہوں اور دونوں کے بچے بھی ہوں اس پر میں نے کوشش سے یہ بتایا کہ جی ہاں ایسی باتیں تو ہو ہی جاتی ہیں مگر جلد ہی صلح صفائی ہو جاتی ہے مگر یہ اللہ کا فضل عظیم مجھ پر ہے کہ مجھے تو دو طرفہ پیار و محبت ملتا ہے دونوں ساسیں مجھ سے بہت پیار کرتی اور قدر کرتی ہیں۔ اس پر فرمایا کہ اللہ کرے تمہیں ہمیشہ ہی پیار ملے اور پھر میری خوب خوب خاطر و مدارات کی۔ کس قدر شفیق مائیں تھیں ہماری اللہ تعالیٰ ہماری پیاری مہر آپا کو کروٹ کروٹ پیار دے۔ آمین۔

پھر لندن آکر بھی جب جب آپ تشریف لائیں آپ سے ملنے کے لئے پہلے سے ہی پروگرام بنا لیتی اور اپنے بچوں کو ملوانے بھی لے جاتی رہی۔ بہت ہی پیار کرنے والی تھیں میں نے ایک بار آپ سے پوچھا کہ مہر آپا آپ کسقدر خوش قسمت ہیں کہ آپ کو خدا نے پلا پلایا بیٹا دیا اور اس کی پرورش بھی آپ نے اتنی عمدگی سے کی اور آج خدا نے اسی بیٹے کو خلافت کے مسند پر متمکن فرمایا ہے تو آپ کو یہ دیکھ کر خوشی تو ہوتی ہوگی فرمایا ہاں میں بھی اب ایک خلیفہ کی بیوی اور دو خلیفہ کی ماں کہلاتی ہوں مگر حضرت صاحب سے (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ) مجھے خاص ہی پیار ہے ان کی تو ادائیں ہی سب بچوں سے الگ ہیں مجھ سے بہت

پیار کرتے اور میرا بہت ہی زیادہ خیال رکھتے ہیں جب سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فوت ہوئے ہیں مجھے انہوں نے کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں آنے دی اور میرے بھائیوں سے بھی بہت اچھا سلوک کیا اور خیال رکھتے ہیں۔نسیم شاہ سے تو اس قدر دوستی ہے کہ کچھ نہ پوچھو پھر ساتھ ہی آپا آصفہ بیگم مرحومہ کی بے حد تعریف کرتی رہیں کہ ’آچھی‘ بھی بہت ہی اچھی ہے میرے آنے کے لئے پہلے سے ہی تیاری شروع کر دیتی ہے کمرہ الگ، ہر چیز میری پسند کی اور قرینے کا بہت ہی خیال رکھتی ہے حتیٰ کہ کھانے، آرام اور سیر وشاپنگ کا خود دھیان رکھتی ہے کہ مہر آپا آپکو یہاں آکر کوئی تکلیف نہ ہو بلکہ ہر طرح سے آرام اور علاج بھی کرواتی ہے۔

ایک مرتبہ میری دعوت پر مہر آپا جان دیگر خواتین مبارکہ کے ہمراہ کھانے پر میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور بہت دیر تک تشریف فرما رہیں اور خوب اچھی اچھی باتیں کرتی رہیں میری ملنے والی بہنیں جو ساتھ مدعو تھیں کہنے لگیں کہ تم واقعی خوش قسمت ہو کہ آج اتنی مبارک ہستیاں تمہارے گھر تشریف لائی ہیں ان میں آپا جان آصفہ بھی اور سیدہ مہر آپا جان بھی موجود تھیں اب واقعی اس کمی کا بہت احساس ہوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی ہی سمجھتی ہوں کہ میں ان کو مدعو کرسکی اور برکت حاصل کرسکی الحمدللہ کاش وہ زندہ ہوتے !!

سیدہ مہر آپا جان کی طبیعت میں مزاح بھی خوب تھا۔میری دوسری بیٹی پیدا ہوئی میں اس کو لے کر آپ کے پاس گئی اور اندر داخل ہوتے ہی اس کو گود میں لے لیا اور کہا یہ گوری میم کہاں سے آگئی ہے کتنی پیاری ہے، ماشاء اللہ۔نام پوچھا تو بتایا کہ ابھی تو بڑی بہن رافع نے بشریٰ ہی کہنا شروع کر دیا ہے آپ حضور سے رکھوا دیں۔جھٹ اندر حضورؓ جہاں آرام فرما رہے تھے لے گئیں اور واپس آکر بتایا کہ حضورؓ نے تمہارا نام پوچھا اور بڑی بیٹی کا اور اس کا نام امۃ الحلیم بشریٰ رکھا ہے اور ہاں سنو! مسکراتے ہوئے کہنے لگیں کہ خبردار آئندہ جو بیٹی

پیدا کی کیا بیٹیوں پر بیٹیاں چلی آتی ہیں۔

اللہ اپنے پیاروں کے منہ کی بات کی کیسے لاج رکھتا ہے اگلے ہی سال ہمارا بیٹا پیدا ہوا الحمدللہ۔ یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہوئیں اتنا پیار کرے گا کون! جلسہ سالانہ ربوہ کی مہر آپا کی تقاریر بھی بڑی ہی محنت سے تیار کی ہوئی اور بولنے کا انداز بھی بڑا اچھوتا ہوتا تھا اگر چہ مَیں تب چھوٹی ہی تھی تاہم آپ کی تقریر سننے کا اس قدر شوق ہوتا تھا کہ جلسہ گاہ جانے کے لئے سب کام جلدی جلدی پورے کر کے آگے جگہ لینے کی کوشش ہوتی اگر ڈیوٹی بھی ہوتی جلسہ گاہ میں تو اگلی صفوں میں ہی لگواتی تاکہ ان قیمتی پھول برسانے والوں کی آواز بخوبی سن سکوں اور گھر واپس آکر ہمارے ابا جان بھی ہم سے پوچھا کرتے تھے کہ پھر سنی تم نے مہر آپا کی تقریر اور بتاؤ مضمون کیا تھا گویا ہمارا امتحان ہی ہو جاتا تھا۔ وہ دن بھی کیا دن تھے۔

لندن میں جب آخری بار مہر آپا جان تشریف لائیں تو اکثر گھر پر ہی آرام کیا طبیعت کچھ انکی اتنی اچھی نہ تھی مدعو کرنے پر بھی معذرت ہی کر دی اور کہا کہ بس یوں ہی میرے پاس آکر مل جایا کرو یہی میری دعوت ہوگی۔ لہٰذا میں اکثر جاتی اور کئی کئی گھنٹے آپ کے پاس بیٹھی رہتی اور اچھی اچھی باتیں سنتی اور سیکھتی الوداعی سلام اور خدا حافظ کہتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ایک بیگ میں ایک تحفہ لئے میرے لئے آ رہی تھیں اور کہا سنو یہ چھوٹی سی چیز ہے یاد رکھنا اور دعا کرنا۔

اسی ملاقات کی بات ہے کہ میں نے جاتے ہی آپ کو دیکھا کہ آپ پیسے گن رہی ہیں اور کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں میں نے پوچھا مہر آپا کیا بات ہے فرمایا میں نے کسی سے پاکستان ساتھ لے جانے کے لئے کوئی چیز منگوائی ہے اور اب مجھے اس کو رقم دینا ہے اور حضور مجھے خرچ نہیں کرنے دیتے یعنی سبھی خرچ خود کرتے ہیں مگر یہ تو میں نے تحفہ دینے کے لئے کسی

سے منگوائی ہے اس کی ادائیگی تو مجھے خود کرنا چاہئے اور تم گنو یہ کتنے پونڈ ہیں میں نے گن کر بتایا تو کہنے لگیں کہ یہ تو کم ہیں مگر جھٹ کہنے لگیں یہ جو لفافہ تم نے دیا ہے اس میں کیا ہے جھٹ کھول کر کہا لو خدا نے کام کر دیا اور مجھے کہا کہ گنو کتنے کم ہیں دیکھا تو پورے کے پورے جو کمی تھی اس لفافے والے پونڈز سے اللہ نے پوری کر دی الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے



صاف گوئی اور اطاعت تنظیم کی ضرورت

آج مجھے جس موضوع پر کچھ لکھنا ہے وہ بہت ہی اہم اور وقت اور حالات کا تقاضا ہے۔یعنی کسی بھی تنظیم کو احسن طور پر چلانے کیلئے صاف گوئی اور تنظیم کی ضرورت ہے۔اس موضوع پر کچھ لکھنا میرے لئے بہت ہی مشکل تھا۔تاہم کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔دل تو بہت ہی پیارا ہوتا ہے معصوم ہوتا ہے۔ہم خود ہی اس کو بدلتے رہتے ہیں۔حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے:

اِنِّی اَعْلَمُ غیبَ السموٰتِ وا لْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ-آیت34)

یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے مجھے اس کا علم ہے اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو۔گویا اللہ تعالیٰ تو ہر دل کی چھپی بات کو بھی جانتا ہے۔وہ تو ہمارے احساسات اور جذبات کو بھی جانتا ہے۔ہم کون ہوتے ہیں جو دل میں کسی کے خلاف کینہ رکھیں یا بغض رکھیں۔جبکہ ہمارے پیدا کرنے والے کو تو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔یہ انسانی دل کی کئی حالتیں ہیں۔جس میں کبھی خوشی و مسرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو ہم ایک گونا خوش ہو ہو کر اس کی خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔کبھی یہ بے چارا دل درد و دکھ سے بھر آتا ہے تو ہم رو دیتے ہیں جبھی شاعر نے بھی کہہ دیا:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

رونا اپنی کسی وجہ سے ہوتو ہومگر کوئی دوسرا ستائے تو زیادہ ہی رونا آ جاتا ہے۔دل کی کیفیت کی بات چلی تواس پر مجھے اپنے آقا و مولیٰ فخر موجودات ﷺ کی یہ پیاری حدیث یاد آ گئی۔حضور ﷺ فرماتے ہیں:

عَنِ النعمان ابن بشیر قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْل الله ﷺ یقوُل اِنَّ فی الجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلحَتْ صَلحَ الجَسَدُ کُلُّهُ وَ اِذَ فَسَدَتَ فَسَدَ الجَسَدُ کُلُّهُ آلَا وَ هِیَ الْقَلْبُ۔

یعنی نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جسم میں ایک حصہ یا ٹکڑا ایسا ہے، جو اگر اچھا ہوتا ہے تو تمام جسم اچھا ہوتا ہے اور جب وہ گندہ یا خراب ہوتا ہے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے،اور وہ دل ہے۔

کیسی عمدہ تعلیم ہے کیسی سادہ تشریح ہے۔ ہماری اصلاحی اور تعلیمی تربیت کی اور مثال بھی تو بے مثال ہے۔اللہ اللہ کیا پیاری ہستی تھی جس نے ہمیں آ گاہ فرمایا اور آج سے چودہ سوسال قبل ہی فرمادیا تھا کہ اپنے دل صاف رکھوتا کہ سارا ماحول صاف اور ستھرا رہ سکے۔اور کبھی دوسرا رُخ اختیار کر کے اپنے ماحول کو، اپنے گھروں کو اپنی تمام تنظیموں کو گندہ اور بدامن نہ کرو۔ ہماری سب سے بڑی تنظیم لجنہ اماء اللہ ہی ہے جس کی ہم سب ممبر ہیں۔اس کی تمام تر ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہی ہے۔اگر ہم صحیح معنوں میں اطاعت نہ کریں گی تو یہ ہمارے عہدنامہ کی توہین ہوگی۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ عہدیداروں کے متعلق اعتراض کرتے رہتے ہیں

خامی تو ہر انسان میں ہوتی ہے۔ ہمیں ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں کی طرف توجہ دینی چاہئے اور اپنی خامیوں کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی میں کوئی خامی ہے تو چاہئے کہ علیحدگی میں اچھے طریقے سے صرف اس کو اس خامی کی طرف توجہ دلا دی جائے۔ نہ کہ ادھر ادھر باتیں کر کے اس کی تشہیر کی جائے۔ البتہ اگر کوئی دینی خرابی دیکھیں تو اس کی اطلاع صرف متعلقہ انتظامیہ کو ہی دی جائے اور تشہیر سے بہر حال گریز کرنا چاہئے۔ اسی طرح آپس میں محبت بڑھے گی اور اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ ورنہ جھگڑے اور شکر نجیاں بڑھیں گی اور جماعت کے وقار کو ٹھیس پہنچے گی جو بہر حال خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگا اور یہ بات مسلّم ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ہماری زندگیاں ناپائیدار ہیں اور موت برحق ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کا ہر ایک لمحہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے صرف کریں اور یہ دعا کرتے رہیں کہ ہم سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو اور ہم خدا تعالیٰ کے احکامات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور جنہیں اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دوبارہ اس دنیا میں قائم کیا گیا اور آج امام وقت کے نظام کے تحت دوبارہ ہمارے کانوں تک پہنچائے جا رہے ہیں، کسی عہدیدار کی اطاعت نہ کرتے ہوئے اس سے محروم نہ کر دئے جائیں۔ بلکہ ہمیشہ اس فرمان کو مدنظر رکھیں کہ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا یعنی ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا۔

تنظیم کو قائم کرنے کیلئے چند مثالیں پیش کرتی ہوں:

مثلاً جنگ میں وہی فوج کامیاب ہوگی جس کی تنظیم اچھی ہوگی۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات اظہر من الشمّس ہو جاتی ہے۔

اگر لائبریری میں کتب کو کسی لحاظ سے ترتیب نہ دیا گیا ہوتو بڑے بڑے کتب خانوں میں ایک ایک کتاب کو تلاش کرنے میں کئی کئی گھنٹے درکار ہوں گے۔اگر آپ گھر کی ہر چیز کو قرینے سے ایک ترتیب کے لحاظ سے اُس کی جگہ پر نہیں رکھتے تو آپ کو ہر چیز تلاش کرنے سے ذہنی کوفت ہوگی اور وقت کا ضیاع بھی۔

اگر ایک طالب علم نظام اوقات کے ماتحت پڑھائی نہیں کرتا وہ کبھی بھی اعلیٰ اور شاندار کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتا۔وہی طلباء قابل رشک کامیابی حاصل کر لیتے ہیں جو اپنی پڑھائی کے نظام اوقات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔اس لئے ہمیں وقت کی پابندی کرنی چاہئے۔

کائنات میں تمام حسن و جمال جو ہمیں نظر آتا ہے وہ بھی نظم کا مرہون منت ہے۔پلاٹ میں ترتیب سے لگائے ہوئے پودے خوبصورت نظر آتے ہیں۔بچے قطار میں چلتے ہوئے اور ترتیب سے بیٹھے بہت اچھے لگتے ہیں۔مارچ پاسٹ میں ایک ہی وردی میں فوجیوں کو دیکھ کر دل پر خاص اثر ہوتا ہے۔جس گھر میں ہر چیز قرینے سے رکھی ہوگی وہ گھر خوبصورت نظر آئے گا۔

اس لئے احمدی بچے اور بچیوں کیلئے دینی اور دنیاوی ترقی حاصل کرنے کیلئے ہر کام میں نظم وضبط اور تنظیم کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ہماری ہر تنظیم تبھی ترقی کر سکے گی جب ایک تنظیم کے ماتحت سب مل کر کام کریں گے۔جس طرح ایک لڑی میں موتی پروئے ہوتے ہیں۔ہم اپنے مقصد کو تبھی حاصل کر سکیں گے جب ایک ہی لڑی میں منسلک ہو جائیں۔ایک ایک موتی اکٹھا ہو کر ہار بن جاتا ہے جو گلے کی زینت کا باعث ہوتا ہے۔اسی طرح ہم بھی اکٹھے ہو کر وہ کام کریں جس سے دُنیا کو ہمارے وجود سے دینِ حق کا حسن اور خوبی نظر آجائے۔

میری عزیز بہنو! کسی گلدستے کو سجانے کیلئے خوش رنگ پھولوں کی اور گھر کو سجانے کیلئے اچھے آرٹسٹ اور خوبصورت سجاوٹی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ یہی مثال ہماری زندگی میں کسی بھی ادارے میں یا تنظیم میں صاف گوئی، اطاعت اور اتحاد کی ضرورت ہوتی ہے۔قدرت بھی ہمیں اس کا سبق دیتی ہے۔موسم اپنے وقتوں پر آتے اور بدلتے ہیں۔کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی خزاں تو کبھی بہار۔گویا ہمیں کائنات کی ہر چیز میں نظم وضبط وترتیب ملتی ہے۔زمین اپنے محور کے گرد ایک مقررہ راستہ میں مقررہ وقت کے اندر چکر لگاتی ہے۔اگر زمین اپنے مقررہ راستہ یعنی محور سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر ہو جائے تو تمام کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

سورج ہر روز اپنے مقررہ وقت پر طلوع ہوتا ہے اور مقررہ وقت پر غروب ہوتا ہے۔کبھی بھی سورج اپنے صحیح وقت سے ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔سیارے اپنے اپنے محور میں ثوابت کے گرد چکر لگا رہے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام پر غور کرنے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا کے تمام کام ایک نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں۔جس کام میں نظم و ترتیب نہ ہوگی وہ کام کبھی صحیح نہ ہوگا۔یا جس امر میں تنظیم کے لحاظ سے معمولی کوتاہی بھی ہوگی تو اس کا انجام نہایت خطرناک نتائج کا حامل ہوگا۔

دنیا میں ہر کام کو انجام دینے کیلئے نظم وضبط انتہائی ضروری ہے اس کے بغیر ہم کوئی بھی کام نہیں کر سکتے۔اگر ہم دنیا کے معمول اور روزمرہ کے کاموں میں بھی اس کا خیال نہ رکھیں تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔روزانہ کا تجربہ ہے اگر بس میں سوار ہونے کیلئے بھیڑ ہو اور لائین نہ بنائی جائے تو دھکا پیل میں جانی نقصان کا بھی خطرہ ہے اور سوار ہونے میں دقّت بھی پیش آئے گی۔اور اکثر سوار بھی نہ ہو سکیں گے۔اس قسم کی ہزاروں مثالیں زندگی کے چھوٹے

چھوٹے کاموں میں بھی نظر آئیں گی کہ ہم بغیر انتظام کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ جب نہایت ہی معمولی کاموں میں انتظام کا ہونا ضروری ہے تو بڑے بڑے اہم کاموں میں اس کی بدرجہ اولیٰ ضرورت ہے۔

بالآخر وقت کی کمی کے باعث اپنے مضمون کو ختم کرنے سے قبل صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آیئے ہم سب مل کر یہ دعا کریں کہ ہمارا خدا ہم سب کو ہماری تعلیم اور تبلیغ کو کامیاب بنانے کیلئے اپنی ایسے رنگ میں تبدیلی پیدا کرنے کی توفیق دے کہ ہمارا خدا بھی ہم سے راضی ہو اور ہمارے پیارے آقا و مولیٰ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح جو باغ احمدیت کے مالی ہیں اپنے خادموں کو احسن رنگ میں کام کرتے دیکھ کر خوش ہوں۔ اور اے خدا تو ہم سب بہنوں کو اپنے آقا کی خوشنودی عطا فرما۔ خاص طور پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ بہت اہم سال ہے یعنی جوبلی کا سال ہے۔ ہم اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں، انکو صاف کریں اور حسن خلق سے مزّین کرنے کے بعد ساری دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اے خدا تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔



مدّت کے بعد

(مدت کے بعد کچھ بھی ہوسکتا ہے، کہا جاسکتا ہے، لکھا جاسکتا ہے، دیکھا جاسکتا ہے، کیا جاسکتا ہے، جایا جاسکتا ہے، آخر ہوا کیا ہے مدت کے بعد؟؟ یہ جاننے کے لئے آپ کو یہ چند سطریں پڑھنا ہی پڑیں گی۔)

آج گھر میں عجیب رونق، گہما گہمی اور خوشی کا سا سماں تھا بڑی اماں خود کچن میں مصروف نوکروں کے ساتھ مل کر کھانا پکانے اور بہنیں جو کبھی کسی بھی کام کو ہاتھ تک نہ لگاتی تھیں میز پر پلیٹیں سجا رہی ہیں اور وہ بھی خالی نہیں بلکہ انواع واقسام کی کھانے کی چیزوں کی جو دن بھر میں تیار ہوتی رہی ہیں اور آج شام کو گویا گھر میں کوئی آنے والا ہے بڑا خاص مہمان یا کسی کی سگائی، منگنی یا رشتہ کی بات طے کرنا ہے یا شاید کسی کے ہاں کوئی نومولود آ گیا ہے یا شاید کسی کی سالگرہ، یا آمین ہو وغیرہ وغیرہ۔ طرح طرح کے خیالات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر لیا سوچا کہ کسی سے پوچھ ہی لوں آخر گھر تو میں روزانہ ہی آتا ہوں کام کے بعد مگر کبھی بھی ایسا نہ دیکھا تھا سبھی گھر والے اپنے اپنے کمروں میں پڑے ہوتے ہیں صرف دالان میں اماں بی اپنے تخت پر بیٹھی پاندان میں سے سپاری نکال کر سروتے سے مسلسل کاٹتی ہوئی نظر آیا کرتی ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں وعلیکم السلام کہہ کر پان سے بھرے منہ سے گال پر ضرور چوم دیا کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ یہ دعا کہ بیٹا ''دودھوں نہاؤ اور پوتوں پھلو' جُگ جُگ جیو، کہو کیسا گزرا سارا دن؟ اور میں ٹھیک اچھا تھا، کہہ کر اپنے کمرہ میں چلا جایا کرتا ہوں اور رات کے کھانے پر ہی

باقی سب کی شکلیں نظر آیا کرتی ہیں ۔مگر آج پوچھوں تو کس سے پوچھوں؟ سبھی اپنے اپنے کاموں کو اس قدر تیزی اور عمدگی سے کرنے کا جذبہ لئے اِدھر سے اُدھر پھُرتی سے بھاگتے نظر آرہے ہیں ۔آخر آپی جو قدرے میرے قریب سے گزر رہی تھیں اور ان کے ہاتھ میں پھلوں کے جوس کا جگ بھرا ہوا تھا جو وہ میز پر رکھنے جارہی تھیں کہ مجھ سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا سارا جوس اِدھر اُدھر گر گیا اور ان کے نئے جوڑے پر بھی لال رنگ کے جوس کے داغ نظر آنے لگے ۔میں نے جو جھٹ سے بڑھ کر آپی کو روکنا چاہا کہ آپ آگے قدم نہ اٹھانا کہیں شیشہ آپ کے پاؤں میں نہ لگ جائے مگر وَائے قسمت ہوا کیا کہ انہوں نے جھٹ سے گرا ہوا دوپٹہ جو اوپر کرنا چاہا تو ٹوٹے ہوئے جگ کا ایک بڑا ٹکڑا ان کے ہاتھ میں چُبھ گیا اور آپی کا ہاتھ لہولہان ہو گیا۔ گھر میں شور مچ گیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ آج مدت کے بعد اس گھر میں خوشی آنے والی تھی آپی کے سسرال والے اس کے لئے منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی لانے والے تھے یہ کیا سے کیا ہو گیا آپی کی تو وہی انگلی زخمی ہو گئی ہے دولہا بھائی انگوٹھی کیسے پہنائیں گے اور آپی بھی تو درد سے نڈھال اور کمزور نظر آرہی ہیں اس کی ساری خوشی ایک دم سے ختم ہو گئی ہے ۔ادھر یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی سنا تو پتہ چلا کہ دولھے میاں کی فلائٹ کینسل ہو گئی ہے اور اب نہ جانے کب چھٹی ملے ۔ یہ صاحب دوبارہ فلائٹ بُک کر کے آنے کا پروگرام بنائیں گے گویا مدت کی بات مدت پر پڑ گئی ۔گویا خوشیاں آئیں تو مل کر بانٹو اور دعا اور صدقہ دو پھر سفر اختیار کرو اور جلد بازی سے کبھی کام نہ لو۔ خدا کرے کہ کسی کے ساتھ بھی کبھی ایسا نہ ہو، خدا سب کے ساتھ ہو۔ آمین ۔

○○

اسلام کی ترقی میں جدید ایجادات کا کردار

ابتدائے آفرنیش سے لے کر آج تک قدرت کا یہ قانون چلا آ رہا ہے کہ ہر چیز زمانے کے حالات کے مطابق بدلتی، گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور اس طرح ترقی کے ساتھ ساتھ زوال بھی حالات اور قوموں پر جو آیا نظر آتا ہے۔ اس وقت مجھے اپنے پیارے جان سے پیارے مذہب اسلام کے بارے میں کچھ لکھنا ہے۔ مگر وہ حالات اور زمانہ کے حوادث اور تبلیغ اسلام کے پہنچانے کے ذرائع وسیلہ جات اور پیغامبرز کی کمی، کم مائیگی کی وجہ کہہ لیجئے مگر ساتھ ساتھ ان سب مراحل سے گزر کر آج جو اسلام کی گونا گوں ترقی ہم سب کو دکھائی دیتی ہے اس میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی عظیم کتاب کے فرمان کے مطابق ایسا ہونا ہی نظر آتا ہے۔ بلکہ جدید ایجادات کا کردار بھی نمایاں ہے۔ مگر پہلے میں یہ ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں اور کیسے یہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن پاک میں جہاں اور مذاہب کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْض وَمَنْ عَلَيْهَا و اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (سورۃ مریم۔آیت 41)

ترجمہ: اور اُن کی اکثریت بھی اُن سے چھین لی جائے گی اور زمین خدا کی ہو جائے گی۔

یعنی اُن لوگوں کی ہو جائے گی جو خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی موحدین کے ماتحت آجائیں گے۔ گویا اس میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ احمدیت دُنیا کے اکثر افراد کو اپنے اندر جذب کر لے گی اور عیسائیت اس کے مقابلہ میں شکست کھا

جائے گی۔

اسلام اور عیسائیت کی مذہبی جنگ چلتی آ رہی ہے اور روز بروز ترقی بھی نظر آ رہی ہے۔اس کے تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے پیغام پہنچانے اور تھوڑے افراد کے ذریعہ تبلیغ کی تشہیر کے مواقع پیدا فرمائے۔اطاعت کا پہلو مدنظر رکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں رہ کر چند صحابہ بھی مختلف قبائل، اقوام اور شہروں اور گاؤں میں جا جا کر تبلیغ کرتے رہے اور بعض اوقات ایک ہی فرد کے ذریعہ جو بہت اعلیٰ ایمان اور مذہب کا علم رکھنے والا ہوتا کئی کئی قبیلے اسلام قبول کر لیتے اور ایسے پختہ ایمان کے مالک بن جاتے کہ مکہ اور مدینہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر دھونی رما کر بیٹھ رہتے اور وہی صحابہ پھر حضور کی سیرت اور صحبت کا اثر لے کر نسل در نسل دنیا میں اسلام کا پرچار کرنے والے بن گئے۔آج جو مبلغین ہیں یہ اُن ہی صحابہ کی پشت در پشت سے جا ملتے ہیں جن کو اللہ نے خلوص اور اخلاص والے دل اور مضبوط ایمان عطا کئے تھے۔اگرچہ وسائل نہ تھے مگر دعائیں اور صحبتِ صالحین میسر آ جانے سے بھی اسلام کی ترقی اس بات کی ضامن ہو جاتی ہے۔پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْ اَنَّا نَا تِی الْاَرْض نَنْقُصهَا مِنْ اَطْرَا فِهَا والله یحکم لا معقب لحکمہٖ ط وھو سریع الحساب۔ (الرَّعد-آیت42)

یعنی کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ملک کو اس کے تمام اطراف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔اور فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے کوئی اس کے فیصلہ کو تبدیل کرنے والا نہیں۔اور جلد حساب لینے والا ہے۔

اس کی تفسیر حضرت مصلح موعودؓ نے یوں تحریر فرمائی ہے کہ یعنی ایک طرف تو ملک کے کنارے مسلمانوں کے ہاتھ آ رہے ہیں اور دوسری طرف صاحب اقتدار خاندان کے نوجوان

اسلام لا رہے ہیں۔یعنی عمر بن عاصؓ ، خالد بن ولیدؓ ، حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ وغیرہ۔گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' موجودہ زمانے میں زبردست دلیل ہے اسلام کی ترقی کی اور عظیم الشان اسلامی فتوحات کی۔بظاہر نامساعد حالات،مخالفت اور مشکلات تو ہمیشہ ہی اسلام کی ترقی میں حائل رہے مگر خدا کے فرستادہ بندوں نے اپنی جانیں خطرات میں ڈال کر بھی پیغام حق پہنچایا اور قدم ترقی کی طرف ہی گامزن رہا۔مگر موجودہ دور میں جو نمایاں ترقی ہو رہی ہے اس میں نہ صرف ہمارے بزرگوں اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی اور خلفاء کرام کی کوششوں اور دعاؤں کا ہاتھ ہے بلکہ بہت حد تک موجودہ ایجادات نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہیں۔اور ان سب ایجادات کی بھی ہمیں قدر دانی کرنی چاہیئے مثلاً کہاں خطوں اور تاروں سے رابطہ ہوتا تھا یا قاصد بھجوائے جاتے تھے۔مہینوں، دنوں اور سالوں میں بات بنتی تھی۔مگر اس زمانہ میں جو آغاز اسلام کا زمانہ تھا روکاوٹوں پر روکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں۔دعاؤں اور التجاؤں پر زیادہ زور تھا۔

آج کل دن مہینے تو کیا چند منٹوں میں آپ اور ہم گھر بیٹھے انٹرنیٹ پر رابطہ کر کے اور ویب سائٹ سے تمام تر معلومات حاصل کر کے اپنے زیر تبلیغ افراد کو بہم پہنچا سکتے ہیں۔جواباً Fax کر کے جواب طلبی ہو سکتی ہے۔گویا ایک خاموش زبان مل گئی ہے E-mail اس سے بھی بڑھ کر آسان اور سستا کام ہے پیغام رسانی کا۔مگر بات تو جب ہے کہ بات بن جائے۔دل تو یہی چاہتا ہے کہ اگر کوئی اور کام نہ ہو تو دن رات ایک کر کے ساری دنیا میں اسلام کا پیغام دوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصاویر کی فوٹو سٹیٹ کا پیاں بنوا کر S.M.S پر سب دلچسپی رکھنے والوں اور مطالبہ کرنے والوں کو بھجواؤں اور اس عظیم مسیح ومہدی کا پرچار کروں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو پھیلانے میں آجکل کے زمانہ میں جو سہولتیں میسر ہیں ان کیلئے بھی ہمیں خدا کا

شکر گزار ہونا چاہیئے۔

من لّا یشکر الناس لا یشکر اللّٰہ کے مطابق ان ایجادات کرنے والوں کیلئے بھی دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ انکو بھی راہِ ہدایت دکھائے اور روحانی زندگی کی طرف آئیں۔ اسلام دن بدن ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ہمیں اپنے اخلاق اور کردار سے اس کے پرچار کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانا ہے۔خدا تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا کرے۔آمین۔

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں فونوگراف تک بھی میسر نہ تھا اور وہ آواز جو ایک گمنام بستی کی مسجد کی چار دیواری کے باہر بھی سنائی نہ دیتی تھی آج ہمہ وقت دنیا کے گوشے گوشے میں سنائی دے رہی ہے۔

اسْمَعُوْا صَوْتَ السَّمَاء جَائَ الْمَسِیح جَائَ الْمَسِیح

نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار

یہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اس M.T.A کی برکت سے گزشتہ چند سالوں میں کروڑوں انسان حلقۂ بگوش احمدیت ہوئے ہیں اور اب وہ دن دور نظر نہیں آرہا کہ جب ساری زمین احمدیت کی زمین ہو جائے گی اور دوسرے مذاہب کیلئے اس زمین پر کچھ باقی نہیں رہے گا۔اس زمانہ کی ایجادات میں ریڈیو ایک ایسی ایجاد ہے جو ملک میں قریباً قریباً ہر گھر میں موجود ہے اور اس کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر کی سہوت بھی میسر ہے۔ان دو ایجادات کے ذریعہ وہ لوگ جو ٹی وی خرید سکنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ آڈیو ٹیپ کے ذریعہ امام وقت اور علماء کرام کے ذریعہ پیغام حق کو سن سکتے ہیں۔پھر ایسے علاقوں میں جماعت کی طرف سے مراکز موجود ہیں جہاں تبلیغ کیلئے ویڈیو دکھائے جاتے ہیں اور اب M.T.A کے پروگرام بنانے کیلئے دنیا کے ہر علاقہ میں جماعت کے سٹوڈیوز ہیں جہاں مقامی زبانوں میں

تبلیغی اور تربیتی پروگرام تیار ہوتے ہیں اور پھر M.T.A کے ذریعہ با قاعدہ دکھائے جاتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کو حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام ان کی اپنی زبان میں پہنچایا جا رہا ہے۔مختلف بڑی بڑی زبانوں میں ترجمہ کرنے والوں کی M.T.A کی اپنی ٹیم ہے جو خلیفہ وقت کے خطابات اور ارشادات کا ساتھ ساتھ رواں ترجمہ نشر کرتی چلی جاتی ہے۔ان کے علاوہ موجودہ زمانہ میں انٹرنیٹ کی ایجاد دن بدن عام ہوتی چلی جارہی ہے اوراس کے ذریعہ نہ صرف احمدیت کے علوم کا خزانہ ہر ایک تک پہنچایا جا سکتا ہے بلکہ E-mail جیسی ایجاد کے ذریعہ فوری سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہ سکتا ہے۔اس کے علاوہ اب CD کا زمانہ آ گیا ہے اور Disc ہیں جو چھوٹے سے سائز کی ہوتی ہیں لیکن ایک ہی ڈسک پر کئی ضخیم کتابیں ریکارڈ ہوسکتی ہیں۔

المختصر اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کیلئے ایسی ایجادات بہم پہنچائی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان سمعی بصری قویٰ کے ذریعہ نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کے پیغام سے روشناس ہوسکتا ہے بلکہ اپنے آپکو اس عالمگیر جماعت کا ایک اٹوٹ انگ محسوس کرتا ہے۔ اسلام کی ترقی کیلئے سارے عالم کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تربیت کے ذریعہ امت میں اخوت، محبت اور اتفاق کے جذبہ کو پروان چڑھایا جائے۔ ان ایجادات کے ذریعہ جماعت عالمگیر کے آپس میں رابطوں کے ذریعہ ساری جماعت اپنے آپ کو ایک خاندان کی طرح محسوس کرتی ہے اور الدّار کی فصیلوں میں امن و امان اور سکون و اطمینان سے سرشار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان عظیم ایجادات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے اور اسلام کی ترقی میں بھرپور حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ○○

اُذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ

حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہؓ (چھوٹی آپا جان)

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

ہماری نہایت مہربان و مشفق ہستی جن کا ذکر خیر میں آج چند بوجھل الفاظ میں کرنے لگی ہوں ان کا پیارا نام تھا حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہؓ جن کو ساری جماعت میں چھوٹی آپا جان کے نام سے یا پھر ام متین کے نام سے جانتے ہیں۔آپ کی خوبیوں اور حسنِ اخلاق اور سیرت وصورت کے حسن کو یا پھر علم اور تقریر وتحریر کا ذکر کرنا کچھ معمولی سی تحریر یا الفاظ میں ممکن ہی نہیں آپ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی حرم محترمہ تھیں۔آپ کا وجود لجنہ اماء اللہ انٹرنیشنل اور لجنہ اماء اللہ پاکستان اور ربوہ کے لئے ایک انمول اور نایاب ہستی تھا آپ کا وجود ہماری محفلوں کی رونق ہوتا تھا بڑا ہی پیارا اور انوکھا انداز تھا۔آپ کا بات کرنے کا نصائح کرنے کا جو دل پر گہرا اثر کرتا تھا۔

تربیتی کلاس کی بچیاں جن کو حضرت چھوٹی آپا جان کے دور میں اس کلاس میں شامل ہونے اور استفادہ کرنے کی توفیق ملی ہے وہ بڑی ہی خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے اس سنہری

دور سے بہت کچھ سیکھا۔آپ کا لہجہ اس قدر نرم اور الفاظ میں اس قدر قدرتی ٹھہراؤ اور انداز بیان سلجھا ہوا تھا کہ آپ کوئی بھی بات جو کہتیں دل پر گہرا اثر کرتی جبھی تو آپ کے بچھڑنے کا غم بھی بہت بھاری ہے اور ان کی یاد میں کچھ لکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔

مجھے حضرت چھوٹی آپا جان سے تعارف اپنی ''اچھی آپا'' محترمہ امۃ اللہ خورشید مرحومہ جو مدیرہ مصباح ہوا کرتی تھیں سے ہوا۔اکثر اچھی آپا مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں اور گھنٹوں قصر خلافت میں حضرت چھوٹی آپا جان کا گھر تھا ان کے پاس مصباح کی ادارت کے سلسلہ میں مشورے اور مضامین کی ترتیب اور آپا جان سے تصدیق اور تحریر وغیرہ کے لئے بیٹھتیں۔ اور پھر مجھے سکول ہی کے زمانہ سے حضرت مصلح موعودؓ کے درسِ قرآن سننے کا موقع ملا جو حضور اپنے ہی گھر کے صحن میں ہم عورتوں کے لئے اہتمام فرماتے اور ان دنوں ہم سکول کی تمام لڑکیاں ایک دو گھنٹہ کیلئے حضرت چھوٹی آپا جان کے صحن میں جمع ہوا کرتی تھیں تب وہیں مہر آپا جان سے بھی اور حضرت چھوٹی آپا جان سے بھی متعارف ہوئی اور پھر یہ سلسلہ حضرت ابا جان کے گھر دعوتوں اور شادیوں کے مواقع پر مدعو ہونے پر بھی مجھے کئی بار آپ سے بات کرنے اور خاطر مدارات کرنے میں خوشی محسوس ہوئی۔

شادی سے قبل اجتماعات میں انعامات بھی آپ کے ہاتھ سے لینے کی سعادت پائی اور شادی کی انگوٹھی بھی حضرت چھوٹی آپا جان نے بنفسِ نفیس خود احمد نگر ہمارے گھر تشریف لا کر مجھے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ میرے ہاتھ میں پہنائی۔کیا سادہ تقریب تھی وہ نہ صوفہ نہ کرسی سادہ سی دری نیلے رنگ کی اور سفید بارڈر والی کمرے کے سخت فرش پر بچھی تھی گاؤ تکیہ ہماری امی جان نے بنا رکھا تھا نہ معلوم پاندان کا کیسے اور کہاں سے انتظام کیا گیا تھا یہ ضرور یاد ہے کہ حضرت چھوٹی آپا جان چائے اور لوازمات کے بعد چند منٹ کے لئے تشریف فرما رہیں اور اسی

دوران میں جب میری امی جان نے چمکتا ہوا پاندان اور ایک پلیٹ میں گہرے سبز رنگ کے تازہ بتازہ پان کے پتے آپ کے سامنے پیش کئے تو آپ ذرا ٹھیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور بہت خوشی اور حیرت کا اظہار فرمایا کہ یہاں گاؤں میں آپ نے کہاں سے ایسا انتظام کر لیا مجھے تو پان کی بڑی خواہش ہو رہی تھی چلو تھوڑی دیر اور ٹھہروں گی۔ اور آپ نے خود اپنے ہاتھ سے سپاری کاٹی اور پان لگا کر کھایا۔ یہ تھی آپ کی شفقت اور پیار جو مجھے ہمیشہ آپ سے ملتا رہا شادی میں بھی شامل ہوئیں اور بیش قیمت تحفہ بھجوایا اور افریقہ جاتے ہوئے الوداعی دعوت بھی کی اور چند قیمتی نصائح بھی فرمائیں۔ وہاں یعنی ایسٹ افریقہ سسرال جا کر میں اکثر آپ کی خدمت میں خط لکھتی رہی اور کافی اداسی کا بھی ذکر کر جاتی تو اس پر مجھے بڑی تسلی کے خطوط لکھتیں اور ساتھ ہی یہ بھی نصیحت فرماتیں کہ تمہارا تو سسرال بہت بڑا ہے ان سے دل لگاؤ اور پھر لجنہ کے کاموں میں دلچسپی لو، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ باسط بیٹی کا والدین کیلئے اور اپنے بہن بھائیوں کے لئے اداس ہونا طبعی امر ہے تم ایک بار پاکستان آن کران سے مل جاؤ تو پھر واپس جانے پر اداس نہ ہوا کرو گی۔ آپ کی ان سب نصیحتوں کے علاوہ ایک بات جو ہمیشہ مجھے یاد رہی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا یہ ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو سسرال جا کر اپنے والدین کو کوئی پریشانی والی بات نہ لکھنا اور نہ بتانا۔ میں نے بھی یہ بات پلے باندھ لی اور کبھی خدا کے فضل سے ایسا نہ کیا الحمدللہ۔ آپ کے خطوط میری فائل میں محفوظ ہیں۔ لکھائی کے علاوہ ان الفاظ اور جذبات کی دل و جان سے قدر کرتی ہوں۔ حضرت مصلح موعود کی وفات کے بعد جب میں پہلی بار پاکستان گئی اور آپ سے مل کر درخواست کی کہ آپا جان حضرت صاحب کا کوئی تبرک آپ مجھے مرحمت فرمائیں تو ممنون ہونگی اس پر آپ نے مجھے ایک بڑا تولیہ لا کر دیا جو پیک کیا ہوا تھا اور بتایا کہ یہ وہ تولیہ ہے جب زیادہ نقاہت کی وجہ سے حضور خود کھانا نہ کھا سکتے تھے تو ہم

Apron کی طرح یہ تولیہ آگے رکھ کر سوپ یا ہلکی غذا کھلاتی تھیں تم یہ یاد رکھنا اور سنبھال کر رکھنا چونکہ ملک سے باہر جا رہی ہو لہٰذا میں صرف تمہیں ہی یہ دے رہی ہوں ۔ اللہ اللہ کس قدر شفقت اور مہربان تھیں ہماری آپا جان اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ ان کو جنت نصیب کرے اور ان کے درجات بلند سے بلندتر کرتا چلا جائے ۔اور ہمیں ان کی تمام خوبیوں کو اپنانے کی توفیق عطا کرے ۔آمین ۔

لکھنے کو تو میرے پاس بہت سی باتیں اور یادیں اور آپ کا نمونہ ہے مگر مضمون میں اختصار کے پیش نظر صرف ایک دو باتیں جو ہماری آئندہ نسلوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں میں اس ذکر کو ختم کروں گی ۔ ایک مرتبہ جب آپ پہلی بار لندن تشریف لائیں ہم سب ملکر بہت خوش ہوئیں اور میری خوش قسمتی تھی کہ میری دعوت پر آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لے آئیں ۔ مجھے اس روز کی دعوت اور خوشی کا لطف آج بھی یاد ہے اور آپ کے پیارے الفاظ جو آپ نے محبت اور خلوص سے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے اور الوداع کہتے ہوئے کہے آپ نے پتہ ہے کیا کہا تھا کہ میں صرف اس لئے تمہاری دعوت قبول کرتی ہوں کہ تم ایک واقف زندگی باپ کی بیٹی ہو اور واقف زندگی بھائیوں کی بہن ہو اور واقف زندگی خاوند کی بیوی ہو۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک اور تامل نہ ہوا کہ چھوٹی آپا جان میرے میاں تو واقف زندگی نہیں ہیں ۔اس پر آپ نے جو فرمایا وہ بھی میرے لئے کسی قدر سکون اور خوشی سے کم نہ تھا فرمایا وہ کون سا واقفِ زندگیوں سے کم ہیں واقفِ زندگی کے سر پر کیا سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں وہ اتنا کام تبلیغ اور جماعت کا کر رہے ہیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ تم دونوں کو دیگا ۔ یاد رہے ان دنوں افتخار احمد صاحب طوالو میں تھے اور تقریباً بارہ سال کا عرصہ وہاں رہے اور خدا تعالیٰ نے ملازمت کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت کی بھی توفیق دی ۔ الحمد للہ ۔ دعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔

کس قدر قدردان تھیں ہماری چھوٹی آپا جان دین کے خادموں کی اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو دن دوگنے اور رات چوگنے خادم عطا کرے تا کہ اسلام واحمدیت کی ترقی ہو آمین۔

آخری بات اس ذکر پر کہ ایک مرتبہ اور میرے ہاں دعوت پر آئیں اور گھر کی سجاوٹ کو بغور دیکھتے ہوئے ایک جگہ رک کر پوچھنے لگیں باسط یہ اتنے بہت جھنڈے جو سائز میں چھوٹے چھوٹے تھے اور کافی تعداد میں تھے اور ساتھ ساتھ سجا رکھے تھے اور مختلف ملکوں کے تھے استفسار فرمایا کہ کیا تمہارے میاں کوئی خاص ممالک کے ساتھ کام کرتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ آپا جان میرے میاں کامن ویلتھ کے ساتھ منسلک ہیں اور ان کی طرف سے ان کو ملے ہیں یہ سارے کامن ویلتھ ممالک کے جھنڈے ہیں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان میں احمدیت کا جھنڈا بنا کر بھی لگا دو......اس پر میں نے اگلے ہی روز ان جھنڈوں کے سائز کا جھنڈا بنا کر ساتھ ہی رکھ دیا دوبارہ آئیں تو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس کوشش کو سراہا۔الحمدللہ۔جزاکم اللہ۔

حضرت چھوٹی آپا جان کے بارہ میں بہت کچھ لکھ سکتی ہوں مگر آپ کی سیرت اور ہم سب کیلئے نیک نمونہ مشعلِ راہ کی طرح ہے جس کا مطلب ہے کہ ہم کبھی بھی آپ کو بھلا نہیں سکتے مگر اب پا بھی نہیں سکتے البتہ آپ کی تربیت اور تعلیم کے سنہری گر جو آپ ہمیں بتا اور سمجھا گئی ہیں وہ اپنے گھروں میں جاری وساری رکھیں اپنے بچوں کی نیک تربیت اور خاوندوں کی خدمت کو اپنا شعار اور اولین فرض جانیں اور گھروں کو جنت بنانے کی کوشش کریں تا کہ چھوٹی آپا جان کی روح کو بھی خوشی ملے خدا ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔آپ کی لکھی ہوئی کتاب ’’الازھار لذوات الخمار‘‘ اوڑھنی والیوں کے لئے پھول ایک بیش بہا خزانہ ہے اور پھر آپ کی جلسہ

سالانہ کی تقاریر جو اس قدر علمی اور روحانی معرفت سے پُر ہوتی تھیں ان کا مجموعہ پڑھیں اور عمل کریں آپ سب بہنوں کو یاد ہوگا کہ چھوٹی آپا جان کس قدر درد سے فرمایا کرتی تھیں ’’میری بہنو‘‘ ’’میری عزیز بچیو‘‘ آنے والی نسل کی تم مائیں ہوگی اور قوم کی ترقی ماؤں کی صحیح تربیت سے ہی ایسے جیالے نوجوان ایسے بہادر سپوت تیار کیا کرتی ہیں جو اپنی قوم کو شاندار لیڈر اور سربراہ دیتی ہیں اس لئے اپنی اصلاح کرو اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کیلئے تیار ہو جاؤ آپ نے جامعہ نصرت کے قیام اور اس کی شاندار ترقی کے لئے انتہائی کوشش کی جو آج ایک عالی سطح پر بڑا ادارہ مانا جانے لگا ہے یہ سب آپ کی محنت کوشش اور خواہش کا مرہون منت ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند کرتا چلا جائے۔ آمین۔



پھولوں کی ٹوکری

دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی پھولوں کی ٹوکری ہے جو میرے سامنے پڑی ہے۔ بہت سی بڑی بڑی اور بہت ہی خوبصورت پھولوں سے سجی اور لدی خوبصورت ترین ٹوکریاں جن کے پھولوں سے خوشبو بھی بہت بھینی بھینی اور دلگداز آتی ہے دیکھی ہیں۔ مگر نہ جانے کیوں ان سب بڑی ٹوکریوں سے زیادہ مجھے آج والی ننھی منی ٹوکری اچھی لگ رہی ہے۔ یہ سوال میں نے اپنے دِل سے انجانے میں کیا اور پھر جو دِل نے کہا میں صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے پر مجبور ہوگئی۔

ہُوا یوں کہ چند روز قبل میری بیٹی مجھے اپنی ایک IRISH (آئرش) سہیلی سے ملوانے لے گئی جو اس کی پرانی سہیلی ہے اور اس کے عمدہ اخلاق سے غائبانہ طور پر میں بہت متأثر ہو چکی تھی اس کے گھر میں قدرت نے ابھی چار ہفتے قبل ایک ننھی کلی Naomy نام کی بیٹی سے گھر کو اس قدر رونق عطا کی کہ اس نے سب جاننے والوں کی دعوت کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا کہ بیٹے کے بعد بیٹی ہو جانے سے گویا ان کے نزدیک اب فیملی مکمل ہوگئی ہے قصہ مختصر کہ ہمارے جاتے ہی کیا دیکھتی ہوں کہ اس کی بے قراری اور بے چینی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنی بیٹی جسے وہ گود میں لئے دو راتوں سے اسی طرح پھر رہی تھی جھٹ میری بیٹی کو تھما دیا اور کہنے لگی لو سنبھالو اس کو تم ڈاکٹر ہو بتاؤ میں کیا کروں اسکے پیٹ میں بھوک ہے مگر جو پیتی ہے پانی یا دودھ ایک منٹ میں الٹ دیتی ہے اور دیکھو اب تو نڈھال ہوئے جا رہی ہے اور میں

بھی تھک کر چور ہوگئی ہوں ۔میری بیٹی نے اس کو Examine کیا اور ادویہ تجویز کیں مگر چونکہ یہاں Weekend کی وجہ سے صرف اِکّا دُکّا کیمسٹ کھلا ہوتا ہے جہاں سے مجوزہ ادویہ مل سکتی ہیں وگرنہ سوموار صبح تک انتظار کرنا ہوتا ہے۔کچھ دوائیں میری بیٹی کے بیگ میں تھیں جو اسنے فی الفور پلا دیں۔اب وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ تمہاری امی جو ایک تجربہ کار ماں ہے چلو اس کا مشورہ لیتی ہوں یہ کیا کہتی ہیں اور بے بی کو میری گود میں ڈال دیا اور لگی سوال پوچھنے کہ کتنے بچے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں کہاں کہاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔اسی دوران میں نے بے بی کا تالو نوٹ کیا کہ کافی گہرا ہو رہا ہے اور رنگ بھی بدل گئی ہے یعنی کافی پانی کی کمی ہو رہی ہے اسہال یا ڈائریا کی وجہ سے میں نے اسے کہا کہ اگر تم برا نہ مانو تو فوراً اسے ایمرجنسی ہاسپٹل لے جاؤ اس نے اسی طرح کیا اور یہاں ڈاکٹروں نے جیسا کہ یہاں طریق ہے چھوٹے بچوں کی Care زیادہ جلدی اور توجہ سے کرتے ہیں۔ڈاکٹروں نے فوری توجہ دی اور کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ اسے ابھی لے آئی ہو وگرنہ لیٹ ہو جاتا تو جان کا خطرہ تھا۔مگر جسے اللہ رکھے اسے کچھ نہیں ہو سکتا نا!

خیر اس کی ماں تین دن رات ہاسپٹل اپنی بے بی کے ساتھ ہی رہی اور جب گھر واپس آئی تو مجھے یہ پھولوں کی ٹوکری ننھی Naomy کی طرف سے جو اب پانچ ہفتے کی ہوئی ہے میرے نام بھجوائی اور ساتھ نوٹ لکھا:

To Dear Mrs AYAZ Life Saver!
Thank you for making my tummy better.
Naomy

یعنی پیاری مسز ایاز! لائف سیور۔آپ کا بہت بہت شکریہ۔آپ نے میری پیٹ درد ٹھیک کر دی۔ناؤمی۔

تو یہ تھی اس ٹوکری کی داستان جو چند دن میں پھول مرجھانے کے بعد ردّی کی ٹوکری میں چلے جائیں گے مگر اس معصوم بچی کے لئے دعا کر کے اور مشورہ دے کر جو خوشی مجھے ملی ہے میں یاد رکھوں گی۔ اس عورت کو جب میں نے یہ بتایا کہ تم مشورہ کی اس قدر قدر کر رہی ہو، میں نے تو تمہاری بیٹی کے لئے دعائیں کی تھیں مجھے تو لگتا ہے کہ خدا نے میری دعا سن لی تھی۔ اس کے بعد سے وہ میری زیر تبلیغ بہن بن گئی ہے اور بہت سی باتیں دعا کے بارہ میں کرتی ہے اور جماعت کے متعلق جاننا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے خدا سے ایک تعلق بنانے کی توفیق دے وہ تو سب کی سنتا اور قبول کرتا ہے۔



د ال - الف - لام

دال یا 'ڈ'

اُمّی بیٹی کو آواز دے رہی ہیں کہ چلو بیٹا مل کر کچھ دال دلیا کر لیں ۔ رات کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور میں ابھی تک سلائی کئے جا رہی ہوں ذرا آنا تو یہ کام ختم کر لیں اور پھر فارغ ہو کر دوسرے کام کریں گے ۔

بھلا رات کا کھانا اور دال دلیا کا کیا مطلب یہی کہ کچھ آلو کی بھجیا وغیرہ بنا لیتے ہیں ۔ دوپہر کے بنے ہوئے کوفتے اور شامی کباب تو رکھّے ہی ہیں ۔غرضیکہ دال بے چاری کا تو نام ہی بدنام ہے حالانکہ دال کے بھی مختلف روپ ہیں ۔مختلف قسم کے لوگوں کا اس دال نامی چیز کو کھانے کا انداز بھی انوکھا ہوتا ہے ۔ بے شمار انواع و اقسام کی ڈشوں کے ساتھ ایک ڈش مسُور کی دال کی پکا لیتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم تو آپ کو دال روٹی پر بلا رہے ہیں ۔اور دال کو شوقیہ چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں ڈال کر کھاتے ہیں ۔ اور مزید لطف اندوز ہونے کے لئے یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ یہی وہ دال ہے جس کے متعلق قرآن مجید کے پہلے پارہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے ۔آپ مہمان حضرات بھی ضرور چکھیں اب مہمان بے چاروں کو چاروناچار چکھنا کیا کٹوری بھر کھانی (یا پینی کہہ لیجئے) پڑتی ہے (کیونکہ وہ خاص طور پر پتلی یعنی شوربے والی پکاتے ہیں) جسے پینا ہی پڑتا ہے ۔ یہ تو تھی امیروں کے گھر کی دال ان سے ذرا کم امیر جنہیں آپ درمیانے درجے کے امیر کہہ لیں دال کی خاص فرمائش کر کے پکواتے ہیں ۔اماں

بی سے صبح سویرے کہہ دیا جاتا ہے کہ آج مچھلی، مُرغ یا سیخ کباب نہ بنانا صرف ماش کی بھنی دال ہو مگر ساتھ میں سلاد، اچار، چٹنی اور آلو بخارے کا مربّہ ضرور بنانا اور ہاں کلیجی بھی بھُون لینا اور دھنیا چھڑک دینا دہی میں۔

یہ تو بات ہوئی نا! دال کی قسمت جاگی جو مہینوں ڈبّوں میں بند پڑی رہی تھی۔ آج سب ہاتھوں ہاتھ چٹخارے لے کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں ایک مہمان نے دروازے پر دستک دی گھر والے دروازہ کھولنے سے پہلے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ ہائے کیا کریں گے۔ عین کھانے کا وقت ہے۔ مہمان کو کیا کھلائیں گے۔ آج تو صرف دال پکی ہے۔ آنے والی محترمہ کیا خیال کریں گی۔ اتنے میں ایک بچے نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا اور بڑی بی جو ہمسائے میں رہتی ہیں چلی آتی دکھائی دیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا کہ کوئی بات نہیں اس کو تو دال بھی بڑی بات لگے گی۔ ضرور کھانا کھلاتی ہوں۔ بڑی بی واپس جانا چاہتی تھیں مگر بیگم ابدال نے اس کو اصرار کر کے کھانے کی میز پر بلا ہی لیا بے چاری اپنے کپڑوں کو ایک نظر دیکھتی اور دوسری کھانے کی سجی ہوئی میز کو۔ جس کے متعلق مالکن صاحبہ یہ کہے جا رہی ہیں کہ آج تو دال ہی پکی ہے۔ آپ بھی کھالیں۔ بے چاری نذیراں سے رہا نہ گیا تو بول اٹھی کہ آپ کے گھر کی دال بھی ہمارے لئے پلاؤ اور بریانی سے کم نہیں یہ سن کر ان کو حیرت بھی ہوئی مگر دل میں شکر گزاری کے جذبات بھی ابھرے کہ آج اس غریب کو کتنا مزا آیا ہے۔ اور ہم لوگ دال کو شوقیہ پکاتے ہیں۔ بے چاری کہہ رہی ہے کہ ہم تو روز ہی دال پکاتے ہیں۔

روزمرہ کا محاورہ یہ منہ اور مسور کی دال بھی آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ ایک طنزیہ فقرہ ہے کہ بھلا یہ چیز تمہیں مل سکتی ہے۔ یا تم بھی یہ کام کر سکتے ہو؟ دال ہو مسور کی یا ماش کی یا چنے کی آخر تو دال ہی ہوتی ہے مگر بے چاری مسور کو بدنامی ہی حصہ میں ملی ہے۔ دال کو سستی چیز بھی

سمجھا جاتا ہے۔یعنی ایک پاؤ دال پکالوتو ایک وقت کا غریب کا کھانا پورا ہوگیا۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ لوازمات نہ شامل ہوں۔ایک دفعہ کی بات یاد آگئی اُمّی جان بچوں کو حدیث کا سبق دے رہی تھیں۔پہلی پانچ حدیثیں زبانی یاد کرنے کو دیں اگلے دن سبق سُن رہی تھیں کہ ایک بچے نے اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کی بجائے کفاعتہٖ سنایا تو ہم سب کو ہنسی آگئی کہ اب اس کا ترجمہ بھی سناؤ۔تو واقعی اس نے اپنی طرف سے آسان زبان میں یہ کہہ دیا کہ دال پکانا بہترین کفایت ہے۔

یہ تو مزاق اور کم علمی کی بات تھی ویسے اصل حدیث بھی یہی سکھاتی ہے کہ کفایت کرو۔ اسراف نہ کرو اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کو کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ہمیں ایک دوسرے کو گھر کے سلیقے اور کفایت کی باتیں ضرور بتانی چاہئیں۔بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔اتفاق کی بات ہے کہ ایک روز میں انیسہ کے ہاں گئی اور اس کے گھر سے گرم گرم مچھلی کے تلنے کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے پوچھا بہن کیا کسی کی دعوت ہے جو اس قدر اہتمام ہو رہا ہے۔میرے یہ کہنے کی دیر تھی کہ اس نے بتانا شروع کردیا کہ تم مچھلی کی بات کرتی ہو ہم نے تو یہ پورا ہفتہ گھر میں نہ گوشت نہ مچھلی اور نہ مُرغ پکایا بلکہ صرف دال یا اس سے بنی ہوئی مختلف ڈشیں پکا کر نیا تجربہ کیا ہے۔اور آج جو تم یہ مچھلی کی خوشبو کہہ رہی ہو، یہ دال کے کٹلس تل رہی ہوں آؤ آؤ تم بھی چکھو۔دراصل میں نے اپنے نفلی روزے رکھے ہیں اور افطار کے لئے طرح طرح کی چیزیں بنالیتی ہوں۔جس کے دو فائدے ہوجاتے ہیں۔بچیوں کو کم خرچ میں مختلف مزے کی چیزیں بھی بنانا سکھا دیتی ہوں۔ دوسرے تم تو جانتی ہی ہو کہ دال کے کس قدر فائدے ہیں یہ ہماری صحت کے لئے کس قدر ضروری ہے۔اس میں سے جو پروٹین ہمیں ملتی ہیں وہ ہماری صحت اور تندرستی کے لئے بہت ضروری ہیں۔اور ہر دال کے خواص بھی تو الگ

الگ ہیں گو یا سبھی دالیں پکانی اور کھانی چاہئیں ۔ مجھے موقع مل گیا کہ اچھا بھلا بتاؤ تو تم کون کون سی دال اور کیسے کیسے پکاتی ہو؟...... یہ بھی کوئی مشکل بات ہے بس تم یہ ٹھان لو کہ تم نے گھر کے کھانے میں دال کا استعمال ضرور کرنا ہے خواہ روزانہ ایک وقت یا کم از کم ہفتہ میں ایک بار۔تم دیکھو گی کہ کیسے خود بخود کئی ترکیبیں تمہارے ذہن میں آ جائیں گی ۔ میں نے کہا کہ میرے بچے تو دالوں کے نام بھی نہیں جانتے صرف کالی دال (ثابت مسور) یا پیلی دال (مونگ کی دھلی ہوئی) دال کو کہہ کر فرمائش کرتے ہیں ۔ کہنے لگیں تم سب سے پہلے ایسے کرو کہ ایک دن ساری دالیں ملا کر اور ان کو چاولوں کے ساتھ پکاؤ۔تھوڑا سا گوشت بھی ڈال دو وہی بن جائے گا جسے تم حلیم کہتی ہو مزے کی چیز ہوتی ہے ۔ اور لڑکیاں بالیاں تو اس پر املی کی چٹنی ڈال کٹوریاں بھر بھر کھاتی ہیں ۔ آسان اور مفید کھانا ہوگا اور اگر چاہو تو اور بھی مختلف قسم کے کھانے بدل بدل کر بنا سکتی ہو مثلاً پلاؤ کی بجائے کھچڑی جو مختلف دالوں سے بنتی ہے مونگ کی دال سے جو چھلکوں سمیت ہو اگر بھگار لگا کر چاول اور دال کو بھون لو تو زیادہ مزے دے گی چنے کی دال کی کھچڑی کے تو کیا کہنے کبھی بنا کر تو دیکھو! اس پر میں نے کہا کہ چاولوں میں جیسے مٹر ڈالے اور مٹر پلاؤ کہہ دیتے ہیں ۔ ایسے ہی دوسری دالیں ٹھہریں نا۔نہیں ایسا نہیں انیسہ نے کہا مگر میرے میاں تو مٹروں کو بھی تازہ دال کہتے ہیں ۔ ادھر میں نے دال پکائی ادھر میرے میاں نے یہ گنگنانا شروع کر دیا ؎

پکتی ہے جب دال چنے کی دل میرا روتا ہے
ہاتھ میں لوٹا پیٹ میں گڑ گڑ ہوتا ہے

یہ الگ بات ہے کہ تمہارے میاں کو دال نام سے نفرت ہو گی ۔ خیر بات ہنسی مذاق اور مزاجوں پر ہی ختم ہوگئی ۔مگر انیسہ نے جاتے جاتے بیسن جو اس قدر مفید اور بہت سے کھانوں

اور مٹھائیوں میں استعمال ہوتا ہے دالوں ہی سے بنتا ہے بتا ہی دیا۔ میں نے بھی یہی جانا کہ دال ہماری خوراک کا جزو لازم ہے۔ اگرچہ گھر کی مُرغی دال برابر سہی آپ کبھی دال کو مُرغی برابر کر کے دکھائیں۔ میں نے جو کوشش سے یہ سکیم گھر میں چلائی کہ ہفتہ میں ایک بار تو ضرور دال پکے گی تو جانئے کہ جہاں گھر گرہستی رکھنے والی بہنوں میں جو بڑے اونچے طبقے کی بہنیں تھیں یہ کہنے پر مجبور ہوگئیں کہ بھئی تم جیتیں ہم ہارے۔ یا یہ کہہ لو کہ ہماری تو دال نہیں گلتی اور سب سہیلیاں ہنستی ہوئی میٹنگ سے رخصت ہوگئیں۔ کہئے کیسی لگی دال کی کہانی؟



لندن سے قادیان تک

حُبُّ الوطنی ایک فطرتی جذبہ ہے جو ہر ذی روح میں پایا جاتا ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا جو جشنِ تشکر کے سال میرے دل میں مچلتا رہا۔ اور اپنے پیارے وطن قادیان کی زیارت کے لئے مجھے اکساتا رہا۔ ہاں وہ مادرِوطن جو میری بھی جائے پیدائش ہے۔ میں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنے میاں (افتخار احمد ایاز صاحب) سے کیا۔ لہٰذا انہوں نے میری اس خواہش کو پورا کرنے کی سعی شروع کر دی اور میں نے بھی دعاؤں میں وقت گذارنا شروع کر دیا۔ شروع میں چند ایک ایئر لائنز میں سیٹیں نہ ملنے کی وجہ سے بے چینی اور گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ لیکن میں ناامید نہ تھی۔ آخر میرے میاں نے پوری فیملی کے P.I.A کے ٹکٹ لا کر تھما دیئے اور ہم سب 15 دسمبر وطنِ عزیز کے لئے روانہ ہوئے۔ اگلے روز کراچی کی سرزمین پر قدم رکھا تو ہمارے دل ایسی خوشی سے ہمکنار تھے جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ اسی شام لاہور کی فلائٹ تھی لیکن کسی وجہ سے نہ مل سکی تو ہمیں ٹرانزٹ ہوٹل Midway میں لے جایا گیا جہاں ہم نے رات بسر کی اور سفر کی تھکاوٹ دُور ہونے پر صبح ہوٹل کے کمرہ میں لگا ہوا ریڈیو آن کیا تو ریڈیو پاکستان سے یہ بول سننے میں آئے۔ اناؤنسر کہہ رہی تھی ”پہلے دن مہمان، دوسرے دن شیطان اور تیسرے دن وبالِ جان“ یہ تھا تو حسنِ اتفاق لیکن ہم سب ایک دوسرے کے منہ کو اس طرح دیکھنے لگے جس طرح یہ ہمارے لئے ہی کہا جا رہا ہو۔ خیر دوپہر کے قریب ہماری لاہور کے لئے فلائٹ تھی۔ لاہور پہنچ کر رات گزاری اور اگلے دن علی الصبح واہگہ بارڈر پار کر کے انڈیا کی سرزمین پر

قدم رکھا تو ہم سب کے جذبات نا قابل بیان تھے ایک ایسی خوشی تھی جو روئیں روئیں میں بسی جارہی تھی۔ اب ہمارے اردگرد غیر مسلموں کی ٹولیاں تھیں کوئی ہمارا سامان ہاتھ میں لے کر چلنا چاہتا تھا تو کوئی اصرار کر رہا ہے کہ میری ٹیکسی میں سوار ہوں۔ میں سیدھا قادیان لے جاؤں گا۔ پیسے بھی کم لوں گا اور جلدی پہنچاؤں گا۔ بے چاروں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا بے چارے ننگے پاؤں پھٹے پرانے کپڑے، بعضوں کو وہ بھی نصیب نہیں بلکہ اپنے آپ کو چادروں میں ہی لپیٹا ہوا۔ یہاں غربت کے دلخراش مناظر دیکھنے میں آئے۔ ہاں البتہ پاکستانی بھائیوں کی حالت قدرے بہتر نظر آئی۔ میرے میاں چونکہ کامن ویلتھ کی طرف سے جزیرہ طوالو پر ملازم ہیں اس لئے کامن ویلتھ کے آدمی سمجھتے ہوئے انڈین گورنمنٹ نے ان کو ایک خاص ٹیکسی جو کہ پولیس کی تھی کرائے پر لے دی اور خود پولیس آفیسر نے ڈرائیور کو ہدایات دیں کہ یہ برٹش گورنمنٹ کا آدمی ہے اسے سیدھے قادیان پہنچانا، راستے میں کوئی گڑبڑ وغیرہ نہ ہو۔ (ان دنوں چونکہ پنجاب میں اکثر وارداتیں ہونے کا خطرہ تھا) اب ہم امرتسر سے ہوتے ہوئے قادیان کی مبارک بستی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے میاں نے بتایا کہ اب بہت جلد منارہ نظر آنے والا ہے تو ہم سب نے بے چین نظروں سے اس طرح دیکھنا شروع کیا جس طرح انسان عید کا چاند دیکھنے کے لئے بے تاب ہوتا ہے۔ ہاں اسی چاند کو دیکھنے کے لئے تو لندن سے سفر اختیار کیا تھا۔ آج آٹھ سال کے بعد یہ تمنا بر آئی تھی کچھ لمحوں کے بعد ہی ہم الدار کی گلیوں میں مینار کے سامنے کھڑے تھے۔ ہم وہی سب کچھ دیکھ رہے تھے جسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اس وقت مجھے اپنے پیارے آقا حضور اقدس بہت یاد آئے اور میں نے ان کے لئے بہت دعائیں کیں۔

مسجد مبارک کے باہر بیت الدعا میں جانے کے اوقات درج تھے۔ ہم نے خواتین کے

مقررہ وقت سے قبل بہشتی مقبرہ جانے کا پروگرام بنالیا۔ بہشتی مقبرہ کیا ہے؟ منہ بولتا قطعۂ جنت نظیر! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پروانے جوق در جوق عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرتے چلے آ رہے تھے۔ ہم نے بھی حضور کے مزار مبارک پر دعا کے بعد دیگر بزرگ ہستیوں کی قبروں پر دعائیں کیں۔ اس کے بعد شام ڈھلنے لگی شام کے دھندلکے میں مینارہ جھلملاتی رنگ برنگی روشنیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور دور دور سے دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ اس کی سجاوٹ نہایت اعلیٰ طریق پر کی گئی تھی۔ بے ساختہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر زبان پر آ گیا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اس کے علاوہ بھی سارے قادیان کی صفائی اور سجاوٹ کا بے حد اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے کی تقسیم اور لذت اپنے کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ دینی روایات کی پابندی اور وقار نظر آتا تھا۔ اس صد سالہ جشنِ تشکر کے تاریخی جلسہ پر حاضری اس پہلے جلسہ کی نسبت جو اس مقدس بستی میں پہلی بار ہوا تھا سو گنا تھی۔ یعنی اس بستی میں پہلے جلسہ کی حاضری صرف 75 تھی اور اب یعنی 1989 میں 7500 تھی۔ یہ بھی احمدیت کا ایک روشن نشان اور ثبوت ہے۔ جس پر حاضرین کے دل حمد سے لبریز تھے۔ جلسہ گاہ برائے مستورات بہشتی مقبرہ کے ساتھ والے باغ میں تھا۔ مردوں کے لئے ناصر آباد کے وسیع و عریض میدان میں انتظام تھا۔ مستورات کے جلسہ گاہ کو نہایت عمدگی سے سجایا گیا تھا۔ سٹیج نہایت سادہ مگر صفائی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا تھا۔ قناتوں کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خوبصورت رنگوں میں کپڑے کے بنے ہوئے Banner لٹکے ہوئے تھے جن پر خوبصورت حروف میں عبارات لکھی ہوئی تھیں۔ دو

پوسٹرز مجھے بہت پسند آئے جن میں سے ایک تھا کہ ’’سچے احمدی کی ماں زندہ باد‘‘ اور دوسرا ’’اَسْلِمْ تَسْلَم‘‘ گویا ہم ماؤں کے واسطے اپنے بچوں کی تربیت کے لئے یہ دونوں باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔یعنی ’’سچ بولنے کی عادت‘‘ اور ایک دوسرے کوسلام کرنے کی عادت۔ ہمارے یہاں انگلستان میں ایک دوسرے کوسلام کرنے میں پہل کی عادت بہت کم پائی جاتی ہے گویا کہ لوگ منتظر رہتے ہیں کہ کوئی انہیں آگے بڑھ کرسلام کہےتو وہ جواب دیں۔ حالانکہ ہرایک کے دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ سلام میں پہل کریں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ اگر مائیں اس جذبے کو اپنالیں تو بچے خود بخود سیکھ جائیں گے۔

آمدم برسر مطلب، جلسہ کی کاروائی کے دوران انتظام بہت اچھا تھا کوئی خاتون یا بچہ ادھرادھر پھرتے نظر نہیں آئے سوائے ان کے جوڈیوٹی پر تھیں۔تقاریر نہایت محنت اور کوشش سے تیار کی گئی تھیں۔ ہر فرد خاموشی سے تقاریر سننے میں محو تھا۔ کچھ تقاریر مردانہ جلسہ گاہ سے بھی لی جاتی رہیں لیکن زیادہ تر خواتین کا اپنا پروگرام تھا۔ایک تقریر خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ایک نوجوان ہندولڑکی کی تھی جو کہ ہمارے ایک مربی مولوی محمد عمر صاحب کے زیر تربیت ہے وہ لڑکی احمدیت سے اس قدر متأثر ہوچکی ہے گویا کہ احمدیت کی تعلیم سے ہمیں روشناس کروا رہی تھی۔ اگر وہ اپنی تقریر کے آخر میں یہ نہ بتاتی کہ میں ایک ہندولڑکی ہوں تو ہمیں کبھی گمان بھی نہ ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ بہت جلد اسے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قادیان میں چونکہ بجلی کی فراہمی میں کافی دِقّت ہے اس لئے جلسہ کا تمام پروگرام دن کی روشنی ہی میں ختم ہوجاتا تھا۔ لجنہ ہندوستان کی طرف سے جلسہ گاہ کے بائیں پہلو میں نمائش کا انتظام تھا جو جلسہ کے پروگرام کے بعد کھلتی تھی۔ مختصر مگر چنیدہ اشیاء تھیں۔ لجنہ ہندوستان کی بہنوں کے

اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے تحائف خریدنے میں بہت لطف آیا۔ ایک خاص چیز جو میں نے خریدی وہ صندل کا پاؤڈر اور صندل کے برادے سے بنے ہوئے ہار تھے جو لجنہ مالابار کی طرف سے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ یہ ہار دلہن کو پہناتے ہیں یا کپڑوں کے بکس میں رکھتے ہیں تا کہ صندل کی خوشبو آتی رہے۔ پلاسٹک کے بنے ہوئے پھول اور ٹوکریاں بھی بہت خوبصورت تھیں۔ دائیں طرف پکوڑے، سموسے اور چاٹ وغیرہ کے سٹال تھے۔ ہر چیز بے حد لذیذ اور سستے داموں تھی۔ خوب چہل پہل تھی۔ لیکن ہر خرید و فروخت جلسہ کے اختتام پر ہوتی تھی۔

یہاں ایک دلچسپ ملاقات کا ذکر بغرض دعا کرتی چلوں، ہمارے ایک عزیز قادیان میں رہائش پذیر ہیں اور ہم ہمیشہ ان ہی کے پاس ٹھہرتے ہیں اس بار بھی ان کے ہاں گئے۔ بکثرت مہمان ان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک کمرہ مردوں کے لئے اور ایک کمرہ خواتین کے لئے مخصوص تھا۔ ہم رات ساڑھے دس بجے کے قریب سونے کے لئے لیٹے، اس کمرے میں تقریباً بیس افراد زمین پر بستر بچھائے اکٹھے لیٹے ہوئے تھے اور دل ہی دل میں خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے گا رہے تھے اور بے حد خوش تھے کہ اچانک کسی نے مجھے آواز دے کر پکارا، جب میں کمرے سے باہر نکلی تو آپا رفعت مسز برادر رقیب آف کیلیفورنیا کو گرم چادر میں لپیٹے لپٹائے کھڑے پایا۔ بہت تپاک سے گلے ملیں اور کہنے لگیں کہ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ میں نے کہا دو ہی دن کی تو بات ہے، ہم جہاں ٹھہرے ہیں یہیں ٹھیک ہیں اور ہمیشہ یہیں ٹھہرتے ہیں لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور کہا کہ جہاں آپ ٹھہری ہوئی ہیں یہاں تو مہمان کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں لیکن ہمارے ہاں کوئی مہمان نہیں ٹھہرا ہے اور ہم بھی اس برکت میں سے حصہ لینا چاہتے ہیں کہ مہمانوں کو اپنے ہاں ٹھہرائیں اس لئے آپ کو چلنا ہوگا۔ ان

کے پُرخلوص اصرار پر ہم سب کو وہاں جانا پڑا۔ (ان کی اور ہماری ملاقات امریکہ میں ہوئی تھی) گھر لا کر ان میزبانوں نے جو ہماری مہمان نوازی کی اسے بیان کرنے کے لئے میں اپنے پاس الفاظ نہیں پاتی۔ دعا ہے خدا تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ہماری یہ میزبان بزرگ درویش عمر دین صاحب کی بیٹی تھیں اور چونکہ ان کے والد محترم کے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بہت اچھے مراسم ہیں اس لئے ایک ہندو دوست نے اپنی بھینس انہیں مہمانوں کی خاطر دے رکھی تھی کہ مہمانوں کو خوب دودھ اور مکھن کھلاؤ۔ میری طرف سے خاطر و مدارات کا یہ تحفہ ہے۔ اللہ اللہ ہندوؤں کے اس جذبہ اخوت و محبت کو دیکھ کر میرا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہو گیا کہ حضرت اقدس کے مہمانوں کا بھی غیر قوموں کو کس قدر احساس ہے۔ میں اپنی میزبان فیملی کے لئے دُعا کی درخواست کرتی ہوں۔ خدا تعالیٰ ان کی بچیوں کے نصیب نیک فرمائے جن کی ابھی شادیاں ہونے والی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

اب بیت الدعا کا ذکر کرتی ہوں۔ اکثر لوگ تو اس بارے میں جانتے ہیں لیکن جو نہیں جانتے انہیں اپنی زندگی میں اگر کبھی وہاں جانے کا اتفاق ہو تو باہر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر اس جگہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں کئی بار وہاں جانے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ اس مرتبہ چھ بہنوں کو ایک مرتبہ دعا کے لئے اندر جانے دیتے ہیں۔ ایک بہن ڈیوٹی پر کھڑی تھیں اندر جانے والی خواتین کی قطار بنی ہوئی تھی میرے آگے جو دو بہنیں کھڑی تھیں انہوں نے میری بے تابی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ اتنی مضطرب کیوں ہیں باری آ ہی جائے گی۔ میں نے جواب دیا کہ جانا تو باری آنے پر ہی ہے لیکن بہت دور سے آنے کے بعد منزل پر تیز تیز قدم اٹھانے کو جی چاہتا ہے۔ میرے بتانے پر کہ میں لندن سے آئی ہوں

انہوں نے مجھے گلے لگا کر پیار کیا اور رونے لگیں کہ تم بہت خوش قسمت ہو کہ ہمارے پیارے آقا کے پاس سے آئی ہو۔ جا کر ہمارے پیارے حضور کو بتانا کہ ہم اڑیسہ اور سکندر آباد سے ہیں۔ ہمارا سلام حضور اقدس کی خدمت میں عرض کرنا۔ حضور ہمیں جانتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے پہلے اندر بھیجنا چاہا لیکن میں نے عرض کیا کہ میں اپنی باری پر ہی جاؤں گی۔ مجھے کسی کی حق تلفی منظور نہیں۔ ہر بہن کی خدمت میں تین منٹ کے بعد باہر آنے کی درخواست کی جاتی تھی لیکن مجھے رعایت دی گئی کہ میں جتنا وقت چاہوں دعا کر سکتی ہوں۔ اس کے لئے میں ان سب کی اور خدا تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ دعائیں سب ہی نے کی ہونگی۔ خدا تعالیٰ سب کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ دعا کے بعد باہر آنے والی ہر بہن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر پائیں۔

جلسہ کے تیسرے دن ابر رحمت بھی خوب برسا اور ہم بھی جی بھر کر دعائیں مانگتے رہے۔ آج یعنی جلسہ کے تیسرے دن خواتین کے لئے مسجد مبارک میں انتظام تھا۔ اور مردوں کے لئے مسجد اقصیٰ میں۔ علی الصبح لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر دیا گیا کہ مساجد میں جلسہ سننے کے لئے صرف باہر سے آنے والے مہمان تشریف لائیں۔ قادیان کے مقامی لوگ گھروں میں ہی جلسہ کی کاروائی کو سنیں۔ جلسہ کا پروگرام گھروں میں بہ آسانی سنا جا سکتا تھا۔ اکثر لوگ حیران ہوں گے کہ وہ کیسے۔ لیکن حقیقت ہے کہ ایسا انتظام کیا گیا تھا اس عظیم الشان تاریخی جلسہ میں خدا تعالیٰ کی رحمتوں، انعاموں اور کرشموں کے نظارے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان جذبات کی ترجمانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان اشعار سے ہوتی ہے:

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا
گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا

میں تھا غریب و بے کس گمنام بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
اب دیکھتے ہو کہ کیسا رجوع جہاں ہوا
اک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نظم کے الفاظ کو لفظ بلفظ پورا ہوتے دیکھا۔

اختتامی دعا کے بعد کچھ تبرکات و تحائف خریدنے کا سوچا تو ہماری بہن رفعت نے بتایا کہ احمدیہ بازار میں ایک ہندو بھائی مالک رام جی کی دوکان ہے جو ہر سال جلسہ کے مہمانوں کے لئے 5 فیصد رعایت پر چیزیں دیتے ہے۔لہٰذا ہم اسی دوکان پر گئے۔ واقعی گرم چادریں، سوٹ اور سلک کے سوٹ نہایت موزوں قیمتوں پر خریدے۔ اس دوکاندار کے اعتماد اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ دیکھیں کہ چونکہ اس وقت بنک بند ہو چکے تھے اور انڈین روپے اگلی صبح ہی مل سکتے تھے لیکن مالک رام جی نے کپڑوں کی گٹھڑی بھجوادی اور رقم اگلی صبح لینے پر بھی بے حد شکریہ ادا کر رہے تھے اور آئندہ سال بھی جلسہ پر آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

یہ تھا ہمارا سفر قادیان تک جو ہم نے لندن سے اختیار کیا۔

یہ سفر نامہ رسالہ ''النصرت'' لندن، شمارہ جنوری تا مارچ 1990 میں شائع ہوا۔ بعد میں روزنامہ الفضل ربوہ 20 جون 1991 میں بھی شائع ہوا۔



اِک گوہرنایاب

آج جس پیاری بے لوث محبت کرنے والی اور بے شمار خوبیوں سے بھرپور ہستی کی یاد میں کچھ لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں ان کی یاد اس قدر شدت سے ہر گھڑی آتی ہے کہ دل سنبھلتے ہی سنبھلے گا۔اب تو یادیں ہی رہ گئی ہیں۔اور ہماری ذمہ داری حضور یعنی حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سکھلائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔اور اپنے حضور کی روح کو خوش کرنا مقصد ہے۔صدمہ بھاری ہے ساتھ ساتھ صبر و رضا کی تعلیم بھی سامنے ہے۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

19/اپریل کا دن بہت ہی اداسی اور صدمہ لے کر چڑھا سخت غم سے ہم سب دو چار ہو چکے تھے اور ہمارے نہایت شفیق و مہربان آقا ہم سے رخصت ہو گئے تھے جن کے پیار، محبت اور حسن سلوک کے متعلق اس قدر کم وقت اور کم کاغذ پر لکھنا دریا کو کوزے میں بند کرنے والی بات ہے۔اس کے لئے تو کئی ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔اس قدر انعام احسان اور قدردانی فرماتے تھے کہ انسان شرمندہ ہو جاتا تھا۔حضور سے سب سے پہلی ملاقات یوں تو ربوہ میں 1982 کے جلسہ سالانہ پر ہوئی مگر اس سے قبل جب بھی ہم افریقہ سے ربوہ جاتے جلسہ ہی ہوا کرتا تھا بلکہ اس سے قبل بھی سکول اور کالج کے زمانہ میں حضرت اباجان مولوی ابوالعطاء جالندھری صاحبؓ ہمیں یعنی سب بہن بھائیوں کو خاص طور پر یہ کہہ جاتے کہ آج جلسہ سالانہ میں ہمارے حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی تقریر ہے سب وقت پر جائیں اور

ضرور سنیں اور اسی طرح جب واپس گھر آتے تو رات کو اکثر پوچھتے کہ پھر سنی میاں طاہر احمد کی تقریر کیسی عمدہ تھی۔ تھی نا! اور جب ہم سب بتاتے کہ ہاں ابا جان واقعی بڑی ہی معیاری اور اعلیٰ تقریر تھی بڑا ہی مزا آیا سننے کا تو بہت خوش ہوتے۔

کئی مرتبہ ابا جان گھر میں داخل ہوتے تو پتہ چلتا کہ کچھ مہمان ان کے ساتھ آئے ہیں ان کے لئے چائے وغیرہ کا انتظام ہوتا تو حضرت ابا جان خاص طور پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی پسند کی فروٹ چاٹ اور پکوڑے بنواتے اور لندن بھی کئی مرتبہ حضور نے یاد کیا کہ مولوی صاحب کے گھر کی فروٹ چاٹ بڑی مزیدار ہؤا کرتی تھی۔ حضرت ابا جان کی وفات پر تابوت کو کندھا دینے والوں میں سے سب سے آگے حضور ہی تصویر میں دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت ابا جان کے شاگرد ہونے کے ناطے بھی اور واقف زندگی ہونے کے ناطے بھی ہم سب بہن بھائیوں سے بہت پیار تھا۔ یوں تو ساری جماعت کے ہر فردِ بشر کو یہی لگتا تھا کہ اس سے ہی حضور کا خاص پیار اور محبت کا سلوک ہے اور بے لوث محبت کرتے تھے۔ پیار کا انوکھا انداز تھا اس کا اظہار مختلف مواقع پر مختلف الفاظ سے، تحائف سے، سر پرائز سے اور فون سے اور کبھی کبھی اچانک گھر پر آجانے سے ہوا کرتا تھا۔ حضور کی مہربانیوں کو تو سنہری الفاظ سے بھی لکھا جائے تو کم ہے۔ ''وقت کم ہے بہت ہیں کام ملگجی ہو رہی ہے شام'' والی بات ہے کیا کیا علم کے خزانے، تربیت کے طریقے اور تبلیغ کے ذرائع ہمیں سکھا گئے اور بتا گئے ہیں۔ ایم ٹی اے ایک زندہ جاوید عالمگیر سرمایہ علم وعرفان اور بحرِ بیکراں ہے جس سے نہ صرف 7 سال کی عمر کے بچوں سے لے کر خدام، انصار اور بچیاں اور بزرگ خواتین استفادہ حاصل کر سکتی ہیں بلکہ ہر زبان کے جاننے والے دنیا کے کسی کونے میں بیٹھے بھی وہ وہ باتیں سیکھ سکتے ہیں جو ان کے دل میں کبھی آئی ہوں گی۔ سوالوں کے جواب ایسے مدلّل کہ کوئی کیا جواب دیگا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سبھی کو مطمئن کر کے خود نفسِ مطمئنہ پا گئے۔ خدا تعالیٰ میرے حضور کو اپنی دائمی اور حقیقی جنت میں اعلیٰ علیین میں رکھے اور ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلائے آمین۔ آپ کی سیرت تو ایک چلتے پھرتے فرشتہ سیرت انسان کی سی تھی۔ ربوہ میں جب پہلی بار ملاقات ہوئی تو مجھ سے پوچھا کہ حضرت مولوی صاحب کے بچوں میں سے آپ کس نمبر پر ہیں میں نے بتایا کہ حضور میں اپنی امی کی سب سے بڑی بیٹی ہوں۔ آپ صوفہ پر ذرا ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے اور حیرت سے پوچھنے لگے کہ کیا مولوی صاحب کی دو بیویاں تھیں۔ میرے بتانے پر کہ جی حضور بڑی امی کی وفات کے بعد ہماری امی جان سے شادی ہوئی اور پھر باری باری سب بہن بھائیوں کے نام وغیرہ پوچھے۔ تصویر بھی لی تھی جواب یادگاری تصویر بن گئی ہے۔ پھر میں نے ایک آٹو گراف بُک حضور کی خدمت میں پیش کی کہ اس پر حضور کچھ لکھ دیں آپ نے فرمایا میں آٹو گراف نہیں لکھا کرتا آپ مجھے خط لکھیں تو میں جواب دوں گا اور دستخط کر دوں گا جبکہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے آٹو گراف لئے ہوئے تھے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے بھی آٹو گراف میرے پاس تھے۔

اس پہلی ملاقات کے بعد جلد ہم واپس تنزانیہ آ گئے اور پھر تنزانیہ سے 1983 میں۔ مَیں نے ایسا ہی کیا مگر اچانک میری طبیعت خراب ہو گئی اور میں نے ایک فقرہ دعا کیلئے بھی لکھ دیا اس کے جواب میں حضور نے جو ایئر لیٹر نیلے رنگ کا اب تک میرے پاس محفوظ ہے بنفسِ نفیس اس عاجزہ کو اپنے ہاتھ سے چند فقرے تحریر فرمائے ہیں جو یہ ہیں:

''ایاز صاحب کو اور بچیوں کو محبت بھرا اسلام دیں مجھے آپ لوگ دعا میں بھی

یاد رہتے ہیں اور دوا کا بھی فکر ہے آپ کے ابا جان حضرت مولوی ابولعطاء صاحب سے میرا بہت پیار تھا اس نسبت سے مجھے ان کی ساری اولاد پیاری ہے۔'' (ربوہ 23-3-83)

دعائیہ خطوں کا سلسلہ جاری رہا اور جلد ہی ہم اگست 1984 میں لنڈن آ گئے اور اسی سال 30/اپریل کو حضور ہجرت کر کے ربوہ سے آ گئے تھے اس طرح پاکستان کے مخدوش حالات اور مخالفت کا ذکر مجالس سوال و جواب میں بھی ہوتا اور میں نے بھی ایک خط میں قدرے فکر مندی کا اظہار جو کر دیا تو پیارے آقا نے کمال جرأت اور توکّل علی اللہ کی اعلیٰ مثال دیتے ہوئے اپنے قلم سے میرے خط پر تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پہلے بھی فضل کرتا آیا ہے اور اب بھی ہمارے ساتھ ہے اس کے بے شمار فضلوں میں سے اس کا یہ بھی ایک فضل و احسان ہے الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابتلاء کے باوجود جماعت پہلے سے ترقی پذیر ہے۔ خدا تعالیٰ دن بدن روحانیت اور نیک اعمال میں ترقی دیتا جا رہا ہے اور دشمن کے منصوبے بالکل الٹ نتائج پیدا کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے اور کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو تو جماعت سے بڑھ کر کوئی معجزہ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت کی حسنات سے نوازے اور دائمی قرب کی جنت نصیب کرے آمین۔''

(دستخط حضور انور) خط 24-9-84

کیسا عظیم رہنما تھا ہماری ڈھارس بھی بندھائی، سمجھایا بھی اور حوصلہ بھی اور خوشخبری بھی دی۔ اللہ ہزار ہزار رحمتیں اور فضل نازل فرمائے آپ کی لحد پر اور اپنی رحمت کی گود میں رکھے

ہمارے جان و دل سے پیارے آقا کو۔ دراصل ان دنوں بڑی بڑی سازشوں کی خبریں پاکستان سے آرہی تھیں اور دشمن ہاتھ مل رہا تھا کہ کس طرح مرزا طاہر احمد ربوہ سے لندن جا پہنچا۔ مگر ہوتا ہے وہی جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اب بھی تو خدا نے ایک معجزہ ہی دکھایا ہے وہی واقعہ ہوا ہے۔ دشمن بے چارہ ہاتھ نہ ملے تو کیا کرے ان کے تو ہاتھوں سے خدا تعالیٰ ہمارے خلفاء کی حفاظت و نصرت فرماتا ہے اور ہمیں امید واثق ہے کہ ہمیشہ خلیفہ کی صداقت اور حفاظت خدا نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے خدا ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنے کی توفیق دے اور کماحقہٗ خدمت دین کی توفیق دے آمین۔ چونکہ لندن میں کوئی ملازمہ یا ملازم رکھنا بھی ممکن نہیں ہوتا، دوسرے حفاظتی اور صفائی کے نکتہ نگاہ سے حضرت بیگم صاحبہ آپا جان آصفہ مرحومہ کے پاس لندن کی نوجوان بچیاں ڈیوٹی پر مقرر کی جاتی تھیں جو گھر میں وقت مقررہ پر جا کر نہایت ہی پاکیزہ ماحول میں آپا جان آصفہ مرحومہ کے ہلکے پھلکے کام میں ہاتھ بٹاتی تھیں خوش قسمتی سے میری دونوں بیٹیوں عزیزہ امۃ الرافع سلمہا اور عزیزہ بشریٰ ایاز سلمہا کو اس خدمت کا بڑا سنہری موقع ملا اس پر میں جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے میری بچیوں نے آپا جان سے اور حضور کی بچیوں سے بہت کچھ سیکھا اور ڈھیروں دعائیں اور برکتیں حاصل کیں جو ساری عمر کام آئیں گی۔ حضور بچیوں کے کام سے بہت خوش ہوتے اکثر کھانا ساتھ میز پر کھلا کر آنے دیتے اور تحائف جو وقتاً فوقتاً بھجواتے ان کا تو شمار ہی نہیں بس ان چیزوں کو اب دیکھ دیکھ کر دل بھر آتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو ہو جاتی ہیں کہ کس قدر پیار کرنے والی ہستیوں کے درمیان ہم رہے اور یہ پیار پایا۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہمیشہ رہیں گی اور مجھے امید ہے کہ جو دعائیں حضور پرنور ہمارے لئے اور ہمارے بچوں کے لئے کر گئے ہیں ضرور لگیں گی اور یہ سب ثمر آور ہوں گے انشاء اللہ۔ بچیوں کے رشتوں میں حضور نے بھرپور میرا ساتھ دیا چونکہ شروع

1985 میں ہی افتخار صاحب کی تقرری سرکاری ملازمت کے تحت طوالو جزائر پیسیفک میں ہوگئی تھی اور میں سوائے ایک سال مسلسل وہاں جا کر رہنے کے باقی کا عرصہ لندن میں ہی رہی بچوں کی تعلیم و تربیت نیز بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں حضور کی دعاؤں سے وافر حصہ پاتی رہی۔ حضورؒ کے مشورہ سے ہی سب کے رشتے طے ہوئے اور اس موقع کے ایک خط کے جواب میں حضور نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ بھی تحریر فرمائے جو سب جماعت کی بچیوں اور ماؤں کیلئے رہنمائی کا زینہ ہے وہ یہ ہیں:

''ماں باپ تو استخارہ کرتے ہی ہیں بچی بھی خود استخارہ کرے اور اگر شرح صدر ہو تو مان جائے۔''

چونکہ افتخار صاحب طوالو میں ہی تھے کہ ایک بیٹی کا نکاح حضورؒ نے خود دن مقررہ پر پڑھانے کی خواہش کی بلکہ مجھے گھر پر فون کیا کہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ میں گھر میں اکیلی تھی اور برتن دھو رہی تھی۔ صاف کہہ دیا کہ حضور برتن دھو رہی ہوں۔ چونکہ میں نے آواز نہیں پہچانی تھی سلام کیا تو فرمایا میں طاہر بول رہا ہوں امۃ الباسط آج شام عزیزہ بشریٰ کا نکاح میں نے پڑھانا ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ میری کیا حالت ہوگی کہ میاں طوالو میں ہیں جہاں دن رات کا فرق ہے یعنی بارہ گھنٹے وقت آگے ہوتا ہے فون پر بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بچے سب اپنے اپنے سکول کالج گئے تھے لیکن اللہ کے فضل اور حضورؒ کی دعاؤں سے سب کچھ بہت اچھا ہوا اور حضورؒ نے بڑا ہی پیارا خطبہ دیا جو ایک بہت ہی پیاری یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ حضورؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

طوالو میں جب بھی جاتی مل کر جاتی اور دعا کی درخواست کرتی اور وہاں جا کر بھی دعا کے خط لکھتی رہتی ایک خط پر یہ اپنے قلم سے تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آپ کو وہاں مؤثر اور ثمر بار توفیق عطا کرے آمین۔''

یہ دعا اللہ کے فضل سے خوب جی بھر کر اللہ نے قبول فرمائی اور جلد ہی ہماری حقیر کوششوں میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور بیعتیں ہوئیں جس کی خوشخبری بھجوانے پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور پہلے کرسچن کے احمدی ہونے پر اس کا نام عطاء الاوّل رکھا اور مجھے فرمایا کہ عورتوں کے اسلامی نام آپ خود رکھیں۔ اللہ کے فضل سے وہاں لجنہ اور ناصرات کی تنظیم جاری کرنے کے بعد باقاعدہ اجلاس وغیرہ کی رپورٹ جب حضور کی خدمت میں پیش ہونے لگی تو کئی بار خوش ہو کر مبارکباد کا پیغام بھجواتے۔ گویا اس قدر حوصلہ بڑھاتے اور قدر کرتے کہ انسان کا دل چاہنے لگتا کہ اب جان و مال وقت اور اولاد کے علاوہ بھی اگر کچھ ہو تو وہ قربان کردوں۔ طوالو میں جوں جوں جماعت بڑھی مخالفت بھی بڑھنے لگی ہم دونوں گھبرائے اور دعا کے خطوط دھڑا دھڑ لکھنے لگے اس پر حضور نے دعائیں بھی کیں اور خط میں خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا:

''فکر نہ کریں مخالفت ہوتی رہتی ہے آپکے میاں سمجھدار اور بہادر ہیں جیت جائیں گے اور اللہ کے فضل سے دعا گو بھی۔''

یہ دعائیں ہمارے لئے ٹانک اور ڈھال بن گئیں اور اللہ نے فضل فرمایا اور احمدیت طوالو کے قریب والے جزائر ممالک میں بھی پھیلنا شروع ہو گئی۔ الحمدللہ۔

نہ صرف دعاؤں ہی سے اپنے خدمتِ دین کرنے والوں کا خیال تھا بلکہ اُن کے گھر والوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے میں طوالو جا کر کچھ عرصہ کے بعد شدید بیمار ہو گئی اور مجھے ڈاکٹری مشورہ کے بعد حضور کے مشورہ سے فجی ہاسپٹل لایا گیا جہاں اپریشن ہونا تھا حضور نے فجی کے امیر صاحب کو خط لکھا جو ان دنوں مکرم عبدالعزیز وینس صاحب مرحوم تھے کہ:

''میری بیماری کے دوران سہولت اور آرام کا خیال رکھیں۔''

اللہ اللہ میں کیا چیز اور اسقدر شفقت اور احساس کہ اتنی دور بیٹھے بھی ہم جیسوں کی فکر کرتے تھے میں کن الفاظ میں حضور کے احسانوں اور انعاموں کو یاد کروں۔

اللہ کے فضل سے اور حضور کی شبانہ دعاؤں سے میں معجزانہ طور پر صحت یاب ہو کر واپس لنڈن آ گئی اور دو چار خط حضور کی خدمت میں دعاؤں کے شکریہ اور مزید دعاؤں کی درخواست کے ساتھ لکھ ڈالے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ کہیں حضور جان آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے ہیں میں بہت خط لکھتی اور جواب مانگتی ہوں اور اپنے ہاتھ سے خط لکھنے کا بھی مطالبہ کر رہی ہوں۔ اس خط کا جواب کچھ یوں حضور نے تحریر فرمایا جو اپنے ہی قلم سے تھا:

''آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔آپ کی پہلی بات بالکل ٹھیک ہے، آپ نے پابند کیا تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے جواب دوں مگر اس کے لئے وقت نہیں مل رہا اور ادھر ایسے مطالبہ کرنے والوں کی لائن لگی ہوئی ہے۔''

گویا حضور کا دل تو ساری جماعت کے ہر فرد کی خواہش پوری کرنے کو چاہتا تھا جبھی تو ہر ایک کو ایسا ہی لگتا ہے کہ حضور کا اسی سے ہی ایک خاص تعلق اور پیار تھا اور ایک انوکھا اظہار تھا جو کہ کوئی آسان کام نہیں۔ ہزار ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ بچے بچے کو خوش کر دیتے تھے کیا مجموعۂ مہر و وفا، خوش گفتار اور خوش مزاج تھے ہمارے حضور۔اس خط کو پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی میں نے نہ جانے کیسے اپنے دل کی خوشی کا اظہار کن الفاظ میں کیا ہوگا کہ چند دنوں کے بعد دوسرا مکمل خط اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا جو پیش خدمت ہے قارئین سے بھی دعا کی درخواست کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور کی دعاؤں اور تمناؤں کے مطابق بنائے اور ساری نیک تمنائیں پوری ہوں اور یہ برکات ہماری اولاد میں بھی جاری و ساری رہیں آمین۔ کچھ

یوں تھا وہ خط:

’’میں ہرگز آپ سے ناراض نہیں، ہو بھی کیسے سکتا ہوں، آپ ماشاء اللہ مخلص باپ کی مخلص بیٹی، ایک مخلص خاوند کی مخلص بیوی، مخلص بھائیوں کی مخلص بہن اور مخلص بچوں کی مخلص ماں ہیں۔ اللہ کے اتنے فضلوں میں جو گھرا ہوا ہو بھلا میں اس سے کیسے ناراض ہو سکتا ہوں؟ اللہ آپ کو دونوں جہانوں کی سعادتیں نصیب فرمائے اور اپنے سب پیاروں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے۔‘‘

چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے میں حضور سے مشورہ لیتی تھی۔ اور حضور بھی اس بات کی بڑی قدر کرتے اور نہایت پیار سے بہترین مشورہ دیتے اور خوش ہوتے کہ میں ایسے کرتی ہوں کبھی تنگ نہ پڑتے کہ اتنے خط لکھتی ہے میں خود ہی کبھی کبھی یہ بھی لکھ دیا کرتی تھی کہ حضور کو میرے لمبے لمبے خط پڑھنے سے کوفت اور بوریت تو نہیں ہوتی تو فرماتے نہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ کے خطوط بڑے دلچسپ اور بے تکلفی والے ہوتے ہیں مجھے ایسی تحریر پسند ہے اس سے بڑا حوصلہ بڑھ جاتا اور یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو جاتا۔ ایک بار میں نے اپنی زندگی وقف کر کے خدمتِ دین کے لئے کہیں جا کر تبلیغ کرنے کی خواہش کا اظہار بھی خط میں کر دیا اس کے جواب میں خود قلم سے تحریر فرمایا:

’’بظاہر وقف نہ ہوتے ہوئے بھی عملاً واقف زندگی بن سکتے ہیں آپ سے بھی اگر یہی توقع رکھیں تو مضائقہ کیا ہے؟‘‘

گویا اس میں بھی ایک سبق ہے کہ اگر خدمتِ دین کا جذبہ دل میں ہو تو وقف کرنا لازمی نہیں خدمتِ دین کو فضل الٰہی سمجھ کر کئے جاؤ۔ اپنی لمبی بیماری کے باعث حضور کی ڈاک کا کام

چندسال کرنے کے بعد رخصت پر اپنے میاں کے ساتھ طوالو چلی گئی اور وہاں پہنچنے پر حضور کی طرف سے ایک دعائیہ خط ملا لکھا تھا:

''آپ کے میاں اگر ایک تھے تو اب آپ دو گیارہ ہو گئے ہیں اللھم زد وبارک اللہ آپ دونوں کو تاریخ ساز خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔''

یہ بھی حضور نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ پھر دوبارہ تحریر فرمایا:

''آپ دونوں جو تاریخی خدمت کی سعادت پا رہے ہیں طوالو کی تاریخ میں سنہری حروف سے ثبت رہے گا۔''

ایک تربیتی پروگرام کی رپورٹ بھجوائی تو حضور نے پروگرام پسند کیا بہت سی دعاؤں کے بعد اسی خط پر یہ نوٹ خود تحریر فرمایا:

''خدا کرے جو آپ نیک تربیت کریں اس سے پاک تبدیلی کو دیکھ کر علاقہ میں پاک انقلاب آجائے۔''

اس میں ایک گہرا سبق ہے کہ تربیت کی طرف حضور کی شروع سے ہی توجہ رہی اور حضور کے فرمان کے مطابق نہ صرف جماعت میں بلکہ سارے ماحول میں تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے۔ اللہ ہم سب کو حضور کی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ اسی عرصہ میں تبلیغی پروگرام اور دوسرے جزائر پر تبلیغی مہم کے لئے پروگرام بنا کر خدام اور لجنہ کو دوسرے جزائر پر بھجوانے کی کوشش کر رہے تھے اور دعا کے لئے حضور کو خط لکھتے اور مشورہ لیتے تھے اوپر تلے تین خطوں سے ہماری ڈھارس اس قدر بڑھائی کہ کافی پھل لگے الحمدللہ علی ذالک۔ تحریر فرمایا:

''خدا جلد غلبۂ اسلام کا دن لائے ہمارے پاس تو دعا ہی ہتھیار ہے۔ دعا

کرتی رہیں اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔''

ایک دوسرے خط میں یہ تحریر فرمایا:

''جھوٹ کے خلاف جو جہاد شروع کیا ہے بہت اچھا قدم اٹھایا۔ سچ جماعت کا امتیازی نشان بن جانا چاہئے اور جماعت کی پہچان اس اعلیٰ خلق سے ہو۔''

ہوا یوں کہ میں نے ایک طوالو کے بچے کی جھوٹ بولنے اور بار بار وعدہ کرنے کے بعد پھر جھوٹ بولنے کی عادت کو دیکھ کر اس کے لئے دعا کی درخواست لکھی تھی اس پر حضور نے اوپر والا نوٹ جو اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھ بھیجا میں سمجھتی ہوں کہ اس کی برکت سے وہ بچہ اس بری عادت کو چھوڑ کر بڑا مخلص بچہ بنا اور اپنے والدین سے اجازت لے کر زندگی وقف کر کے فجی احمدیہ سنٹر میں مزید تربیت اور علوم دینیہ کے لئے بھجوایا گیا اس کا نام حضور نے عزیز احمد رکھا اور یہ پیارے آقا کی وہ درد بھری دعائیں تھیں جو لگی تھیں اور اس طرح خدا اس کے میٹھے پھل دیتا تھا اللہ کرے کہ یہ ہونہار نوجوان اک سے ہزار ہوویں با برگ و بار ہوویں مولا کے یار ہوویں حق پر نثار ہوویں کا مصداق ہو۔

پھر اسی قسم کا ایک خوشنودی کا خط مجھ جیسے کمزور اور گناہ گار کو میرے آقا نے خود لکھ بھیجا فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔ آپ نے لکھا:

''آپ کی ان خدمات اور جذبۂ تبلیغ سے مولانا ابولعطاء صاحب کی روح کو بہت خوشی ہو گی اللہ کرے کہ اس کا مواصلاتی نظام یہ خبریں ان تک پہنچا دے۔''

کبھی کبھی حضور پرنور کے اس قدر شفقت اور پیار سے بھرے خط آتے تھے کہ میں سارا دن یہی سوچتی اور روتی رہتی کہ میں نے تو نہ کوئی خدمت کی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا بڑا کام کیا اور نہ ہی اس قابل ہوں کہ جس طرح میرے آقا مجھے تھپکیاں دے دے کر ہمت بڑھاتے

اور ہاتھ پکڑ کر چلنے والے بچے کی طرح پاؤں پاؤں آگے بڑھانے کی کوشش کرواتے ہیں۔ اللہ اللہ کہاں کھو گئے ایسے عظیم انسان جو ہم سب کے بھی پیارے تھے اور اللہ کے بھی پیارے ہو گئے۔ یہ سب کچھ لکھتے ہوئے دل پر قابو رکھنا اور آنکھوں کو بے اختیار ہو جانے سے روکنا کچھ آسان نہیں ہے مگر پھر بھی میں بار بار اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب کہہ کر ہی تسلی دیتی ہوں اور ٹھہر ٹھہر کر پھر قلم اٹھا لیتی ہوں اور چند مزید میٹھی یادوں کو کاغذ پر اتار دیتی ہوں۔ کئی روز سے یہی ہو رہا ہے اللہ کرے کہ پڑھنے والوں کو میرے دل کا حال معلوم ہو جائے میں سمجھتی ہوں کہ سبھی لکھنے والوں پر ایسا وقت ضرور آیا ہوگا۔ کبھی یہ بھی لگتا ہے کہ حضور جو مجسم محبت و قدر دانی تھے ان کے الفاظ اپنی تعریف میں اس قدر بھاری لگتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ یہ تو ایک پیارے کی پیاری باتوں کے تبرکات ہیں پیش کر رہی ہوں۔ ایک اور خط جو سامنے ہے حضور نے تحریر فرمایا:

''مولوی ابولعطاء صاحب کی اولاد میں سے لڑکوں میں عطاء المجیب راشد اور لڑکیوں میں آپ امتیاز حاصل کر گئی ہیں اللھم زد و بارک۔''

1991 میں میرے میاں ڈاکٹر افتخار احمد صاحب ایاز کو ایک میڈل انٹرنیشنل اکیڈمی کی طرف سے ملا اس پر حضور نے مبارکباد کا خط تحریر فرمایا۔ حضور کے الفاظ یہ تھے:

''میڈل ملنے پر ایاز صاحب کو بہت بہت مبارکباد دیں۔ اس سے بڑا میڈل تو ان کو آسمان پر ملنے والا ہے ان کو ہی نہیں آپ کو بھی مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پیار سے نوازے، محبت عطا کرے، دونوں جہان کی لامتناہی سعادتوں سے آپ سب کی جھولیاں بھر دے۔''

مزید برآں تربیت کے سلسلہ میں جبکہ میں بچوں کے ساتھ لندن میں رہتی تھی گاہے

بگا ہے دعا کی درخواست کیلئے خطوط خود بھی لکھتی رہتی تھی اور بچوں سے بھی لکھواتی اور حضور سے ملوانے بھی لے جایا کرتی تھی۔ایک مرتبہ حضور نے تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان واخلاص میں برکت دے،صحت وتندرستی سے رکھے،بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کماحقہ ادا کرسکیں۔''

جبکہ مجھے ان کے ابا کی غیر موجودگی میں بہت فکر رہتا تھا کہ بچے تعلیمی وتربیتی لحاظ کے علاوہ اپنے فرائض میں پیچھے نہ رہ جائیں۔عید کے مواقع پر عید مبارک کے خطوط لکھواتی اور نئے سال کی مبارکباد کے خطوط ہم سب لکھتے جواباً حضور نے خط کے آخر پر لکھا ہوتا تھا ''کُلُّ عامٍ وَاَنْتُم بِخَیْرٍ'' پہلی بیٹی کی شادی کی تقریب پر پڑھی جانے والی نظم کے لئے میں نے درخواست کی کہ حضور پرنور کو فرصت ہو تو چند شعر تحریر فرمائیں حضور نے جو پیارا اور انوکھا تربیتی خط مجھے تحریر فرمایا وہ لکھے دیتی ہوں جو مشعلِ راہ ہے ساری جماعت کے لئے:

''آپ کی خواہش کا مجھے احترام ہے لیکن میری دو بچیوں کی شادی ہوئی میں نے کبھی اس پر نظم نہیں لکھی اگر یہ نئی رسم ڈال دوں گا تو ساری عمر سمجھاتا رہوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام ہے،حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا کلام ہے اس لئے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہئے۔''

ایک مرتبہ میں نے زندگی وقف کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں خط لکھ کر بھجوایا کیونکہ مجھے یہ بہت احساس ہوا کرتا تھا کہ میں کوئی خدمت دین نہیں کرسکتی صرف بچیوں کی ہی ذمہ داری کیلئے یہاں لندن میں اپنے میاں سے دور رہتی ہوں حضور سے دعا کی درخواست کرتی ہوں تو جواب آیا:

''اگر آپ وہاں نہ بھی ہوں تو خدمت ہی کر رہی ہیں اگر ان کے پیچھے ان کے

بچوں کا خیال رکھا جائے تو یہ بھی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔‘‘

اس مبارک تحریر میں ایک بڑا ہی پیارا تربیتی مضمون مضمر ہے ہمارے مبلغین جن کی بیگمات چند سال قبل تو کئی کئی سالوں کے لئے اور اب بھی کچھ تھوڑے عرصہ کے لئے پیچھے رہتی ہیں بچوں کے ساتھ ان پر یہ ذمہ داری لاگو آتی ہے اور اس خدمت کو ایک پیاری خدمت سمجھ کر ہمیں کرنا چاہیئے گویا اولاد کی نعمت کی صحیح تربیت خاوند کی عدم موجودگی میں باعثِ ثواب ہے اللہ تعالیٰ جس کو موقع ملے اس کو بہترین توفیق دے۔ آمین۔

فرصت کے لمحات میں میرا شغل ہلکے پھلکے مضامین لکھنا تھا اصلاح کے لئے خیال آیا کہ حضور خطوں کو بھی پسند فرماتے ہیں کیا مضائقہ ہے کہ یہ بھی کوشش کر دیکھوں اگر حضور کو فرصت ہوگی تو ایک نظر ضرور دیکھ لیں گے میں نے ایک مضمون ’’فادرز ڈے‘‘ اور دوسرا ’’ان کے آپ کے اور ہمارے نام‘‘ حضور کی خدمت میں بھجوایا اور اخبار الفضل ربوہ کو چھپنے کے لئے بھی بھجوایا جب ناموں والا مضمون چھپ کر آیا تو مجھے فون کیا کہ آپ کا الفضل آ گیا ہے میں نے جھینپتے ہوئے جھٹ کہہ دیا کہ نہ معلوم اب تو کب الفضل آئے گا پوچھا کیوں کیا بات ہے اور قدرے حیرت کا اظہار فرمایا میں نے بتایا کہ حضور میرا تو الفضل کا چندہ ختم ہو چکا ہے دو ماہ ہو گئے ہیں اور میں ابھی تک رقم بھجوا نہیں سکی۔ فرمایا اچھا۔ اور سب بچوں کا اور افتخار صاحب کا حال احوال پوچھا جبکہ افتخار صاحب طوالو میں اکیلے تھے میں نے سب بتا دیا اور خدا حافظ کر کے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ کوئی پون گھنٹہ کے بعد گھنٹی بجی دیکھا تو حضور کے پہریدار صاحب دروازے پر کھڑے ہیں میں نے پردہ میں ہی دروازہ کھول کر السلام علیکم کہا تو انہوں نے مجھے ایک لفافہ تھما دیا کہ یہ حضور نے آپ کے لئے دیا ہے۔ وہ لفافہ کیا تھا یہی میرا مضمون جس الفضل میں چھپا تھا اس کی فوٹو کاپی بھجوائی

تھی پھر دوبارہ فون کر کے پوچھا کہ مل گیا ہے؟ اور پسند بھی آیا ہے مجھے، یہ بہت پیار سے فرمایا ۔میں کن الفاظ میں حضور کا شکر یہ ادا کروں نہ الفاظ ہیں اور نہ ہی اب وہ ہستی ہمارے سامنے ہے بس دعائیں ہی رہ گئی ہیں جو ہم کر سکتے ہیں کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے و باللہ التوفیق۔

میرے مضامین پر خوشنودی کے خطوں کے دو نمونے درج کئے دیتی ہوں جو حضور کے اپنے قلم مبارک سے محفوظ ہیں:

''آپ کی بے ساختہ خود رو رواں دواں تحریر حضرت مولوی صاحب کی تقریر کی یاد دلاتی ہے ماشاءاللہ چشم بد دور۔''

''ناموں سے متعلق آپکا دلچسپ کھیلتا، ابھارتا ہوا مضمون بھی پڑھ کر لطف اندوز ہوا تھا۔''

ایک مرتبہ اپنے ابا جان کی یادوں میں سے ایک انوکھی یاد قلم کی نوک پر آ گئی اور میں نے بھی بے اختیار لکھ کر حضور سے ابا جان کے لئے دعا کی درخواست اور اپنے لئے یہ دعا کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ ان کی طرح بنائے آمین لکھی تو حضور کی عظیم شخصیت نے اپنے استاد کی بیٹی کی خواہش کا اسقدر خیال کیا کہ یہ پیارا سا خط خود لکھا:

''آپ کا خط ملا پڑھ کر بہت لطف آیا اس میں اصل بات تو حضرت مولوی صاحب کا وہ واقعہ ہے جو دعاؤں کی مشین چلانے سے تعلق رکھتا ہے پتہ نہیں پہلے تو کہیں چھپا ہے یا نہیں مگر میں اب اسے الفضل میں ضرور شائع کروا رہا ہوں۔
بہت ہی پیارا واقعہ ہے ماشاءاللہ۔اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے اور ہمیشہ ان کی ساری اولاد میں ان کی نیکیوں کو زندہ رکھے۔''

اس خط سے میری اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ میں شرمندہ ہوگئی۔گھر کا واقعہ تھا اس

کے بعد میرا قلم قدرے تیزی سے چلنے لگا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ حضور کی ڈاک لکھنے کی برکت سے قلم میں واقعی برکت پڑتی ہے۔ اب بھی جو بہن بھائی یہ کام کرتے ہیں ضرور اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کے کاموں میں برکت صحت میں برکت اور وقت میں برکت اور تحریر میں برکت بڑھ جاتی ہے بہت ہی مبارک کام ہے سب کو دل لگا کر یہ اہم کام کرنا چاہئے۔ مجھے بھی اس کام سے بہت برکت حاصل ہوئی اور ایک دفعہ حضور نے تحریر فرمایا:

''آپ ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں اور پرانی یادوں کو اچھے رنگ میں لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیک تمناؤں کو پوری فرمائے۔''

تحفہ دینے میں حضور کے دریا دل کا جواب نہیں اس قدر فراخ دل اور موقع کی نوعیت سے ایسا انوکھا تحفہ بھجواتے۔ چاکلیٹ کی ٹکیاں تو دنیا کے بچے حضور انور کے دست مبارک سے حاصل کر کے اب تک مزے لے رہے ہیں اور مزا لیتے رہیں گے ساری عمر مگر مجھے بیماری کے بعد ہاسپٹل سے گھر آنے کے بعد پھولوں کا بہت ہی خوبصورت گلدستہ بھجوایا میں خط تو نہ لکھ سکتی تھی میں نے فون پر شکریہ ادا کرنے کے لئے جب یہ کہا کہ حضور آپ نے کتنی تکلیف کی اور اس قدر خوبصورت پھولوں کا گلدستہ مجھے بھجوایا ہے میں تو اس قابل نہیں ہوں پتہ ہے کیا فرمایا؟ امۃ الباسط آپ تو اس قابل ہیں نہ معلوم پھول آپ کے قابل ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد میرے منہ سے کوئی الفاظ نہ نکل سکے۔ آنسوؤں نے آواز بھی روک دی۔ آخر کیا چیز تھے ہمارے حضور اس قدر مصروفیت، ذمہ داریاں، ہزار کام، ہر ہر لمحہ کوئی نہ کوئی پروگرام زیر غور، ریکارڈنگ، خطبات، تقاریر، تحریر کا کام، اجتماعات، وغیرہ وغیرہ، پھر بھی ایک نہایت ہی ادنیٰ عاجز بندی کو اس طرح یاد فرمایا میں کیسے ان کے احسانوں کا شکریہ ادا کر پاؤں گی۔ خدا تعالیٰ ہی میرے دل کو سکون دے اور شکر گزاری کے لئے توفیق دے یہ دعائیں میں روزانہ کرتی

ہوں۔لندن بچوں کو جب سکول و کالجز میں چھٹیاں ہوتیں تو یہ طوالو آ جاتے ا یکدفعہ عزیزہ امۃ القدوس اور فرزانہ ایاز دونوں بہنیں سیر و تفریح کے لئے ہمارے پاس آئیں ان کے آنے پر جو پیارا خط مجھے طوالو میں ملا یہ تھا بنفس نفیس حضور نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔دفتری خط کے آخر پر یہ نوٹ:

''یہ خط انگلستان جاتے ہوئے سمندری جہاز سے لکھ رہا ہوں انشاء اللہ 7 گھنٹے تک ہم ہیرچ پورٹ ، انگلستان پر پہنچ جائیں گے امید ہے کہ قدوس اور چھوٹی بہن طوالو اور جزائر کی سیر سے خوب لطف اندوز ہو رہی ہوں گی اس سفر میں اگر فجی اور نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی مختصر سیر بھی ہو جائے تو بہت اچھا ہے آپ دونوں کے اعصاب بھی ان دونوں کی معیت سے اس سفر سے آسودہ اور تازہ دم ہوجائیں گے۔جاتی دفعہ ملنے آئی تھیں تو بہت خوش تھیں میری طرف سے محبت بھرا اسلام۔اللہ آپ سب کو راضی رکھے۔''

یہی نہیں بلکہ عزیزہ امۃ القدوس سے بہت پیارا قریبی تعلق ان دنوں قائم ہوا جب کہ عزیزہ بیٹی سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی بیماری میں ہاسپٹل کافی لمبا عرصہ ساتھ ساتھ رہتی تھی۔دوا وغیرہ دینی ایلوپیتھی ادویہ کے علاوہ عزیزہ کو ہومیوپیتھی ادویہ سے بھی متعارف کرا کے بی بی کو دوا دینے کے وقت اور احتیاطیں حضور خود سمجھایا کرتے تھے اور اس طرح روزانہ ہاسپٹل میں مقررہ وقت پر ملاقات ہوجاتی اور سارے دن کی رپورٹ حضور عزیزہ سے لیتے اور مشورہ دیتے گویا بہت قریب سے جاننے لگے تھے۔جبھی اس کی پڑھائی کی فکر لگ گئی تھی کہ یہ تو روزانہ ہسپتال بی بی کے ساتھ بیٹھی ہوتی ہے ایم بی بی ایس کا فائنل ایئر ہے پاس کیسے ہوگی؟ مگر خدا کب ایسے پیارے کی خدمت کرنے والے کو ضائع کرتا ہے اور حضور کی دعائیں

بھی شامل حال تھیں ۔اور ہوا بھی ایسے ہی کہ باوجود تین ماہ کی غیر حاضری کے یونیورسٹی کے سالانہ امتحان میں نہ صرف پاس بلکہ اعلیٰ کامیابی سے اللہ تعالیٰ نے نوازا یہ محض اور محض حضور انور کی خاص الخاص دعائیں اور بی بی کی دعائیں اور محبت تھی جو اللہ تعالیٰ نے پسند کی اور شرفِ قبولیت فرمایا اور یہ خوشخبری حضور ہی نے اپنے قلم سے خود یہ مبارکباد کا خط تحریر فرمایا جو ہمیں طوالو میں ملا۔

’’آپ دونوں عزیزہ امۃ القدوس سلمہا کی شاندار کامیابی پر دل کی گہرائی سے مبارکباد قبول فرمائیں ۔بے حد خوشی ہوئی ماشاء اللہ، چشم بددور، اللّٰھم زد وبارك۔‘‘

1992 میں جب افتخار صاحب لندن واپس آئے تو حضور بھی بڑے خوش تھے ہر ملاقات میں وہاں کی یادیں دہراتے، رابطے اور آئندہ کے پروگرام کے بارے میں بھی مشورہ دیتے۔ افتخار صاحب کے آنے پر طوالو میں جو خدمت کا موقع ان کو ملا تھا اس کی قدر افزائی کے طور پر لندن میں محمود ہال میں تبشیر کی طرف سے میرے میاں کے استقبالیہ کا شاندار انتظام حضور نے کروایا جس میں ہمارے سارے عزیزان کو بھی مدعو کیا گیا اور اس موقع کی بڑی اچھی حضور کی تقریر ویڈیو کی صورت میں میرے پاس ہے میں نے ’’من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ ‘‘ کے تحت یہ لکھکر ہی حضور کی خدمت میں شکریہ کا خط لکھا۔ جواباً حضور نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا:

’’جماعت نے جو ان کا استقبال کیا ہے وہ تو بہت معمولی سا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے عظیم کارنامے سرانجام دینے کی توفیق دے اور جماعت کو ان کے شایان شان استقبال کی توفیق دے۔‘‘

تحائف کی پسند اور اظہار خوشنودی میں بھی ایک انوکھا انداز تشکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عیدی کے ساتھ میں نے سوچا کہ حضور کو میرے ابا جانؓ سے اس قدر محبت تھی اور بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں ملاقات میں بھی کئی تبلیغی سفروں کا ذکر کیا اور دلچسپ واقعات ہمیں بتائے۔ ابا جان کی طبیعت میں بھی سادگی تھی۔ ایک ڈھاکہ کے سفر کے دوران دعوت میں جو مزے کی باتیں ہوئیں وہ بھی بتائیں اور پھر ابا جان کی دعوتیں کرنے کی عادت اور خواہش پر کئی بار کہا کہ آپ کو بھی اپنے ابا جان کی طرح دعوتوں کا شوق ہے اسی محبت کی وجہ سے میں نے حضور کی خدمت میں ایک تحریر جو ابا جان نے اپنے ہاتھ سے میری تفسیر صغیر جو مجھے شادی کے موقع پر تحفۃً دی تھی میں نے اس کی ایک فوٹو کاپی حضور کی خدمت میں بھجوائی تو میرے محسن آقا نے پتہ ہے کیا جواب میں تحریر فرمایا:

''حضرت مولوی صاحب کی جو تحریر آپ نے بھجوائی ہے وہ بہت ہی پیاری تحریر ہے اور میرے لئے یہی تحفہ سب سے اعلیٰ تحفہ ہے۔''

اسی قسم کا ایک نہ بھولنے والا اور قدردانی اور خلوص کا واقعہ بھی پیش آیا۔ میں کوشش کیا کرتی تھی کہ وقتاً فوقتاً نذرانہ بھجوادوں اب کے جو موقع بن پایا تو یہ جوابی خط اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:

''چونکہ آپ کے میاں بحیثیت امیر جماعت یو کے خدمت کر رہے ہیں اور میرا اصول ہے کہ اس طرح خدمت کرنے والوں کی بیگمات سے بھی ہدیہ نہیں لیتا۔''

حضور جس طرح روحانی بیماریوں کا علاج جانتے تھے اسی طرح جسمانی بیماریوں کے بھی کامیاب معالج تھے۔ ایلوپیتھی سے بھی بخوبی واقف تھے مگر ہومیوپیتھی علاج بالمثل پر تو اس

قدر عبور حاصل تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا ہومیو پیتھ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اللہ کے فضل سے اس عاجزہ کو بھی حضور کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور لمبا عرصہ با قاعدہ کلاسز میں شامل ہو کر استفادہ کیا۔ اس کلاس میں ہلکے پھلکے مزاح کا بھی موقع بنا لیتے ۔ ہمارے ادویہ کے تجربات کے بارہ میں مجھ سے پوچھا کہ کیوں امۃ الباسط آپ بتائیں آپکی ہومیو پیتھی کیسی چل رہی ہے میں نے قدرے مایوسی سے بتایا کہ حضور ایسے ہی ہے۔ پوچھا کیا مطلب؟ میں نے بتایا کہ حضور بس تصادم ہو جاتا ہے؟ استفسار فرمایا کیسے؟ میں نے بتایا کہ بس میری چلتی نہیں، تو سب کو بتانے لگے کہ ان کی بیٹی ایلوپیتھی کی ڈاکٹر ہیں نا، اور خوب محظوظ ہوئے اس بات سے۔

ایک مرتبہ میں نے کلاس فیلوز کے ساتھ حضور اقدس کو گھر دعوت کے لئے آنے کا کہا تو کلاس میں ہی فرمایا کہ اگر آپکی دعوت مانوں گا تو چھیڑ پڑ جائے گی اس لئے معذرت ہے اور دعوت کے شوق کو سراہا اور شکریہ ادا کیا۔ جب کلاسز اختتام کو پہنچیں تو سب طلباء اور طالبات کو اپنی ہومیو پیتھی کی ایک ایک کتاب تحفۃً دی اور ساتھ میں ایک ایک بڑا باکس ادویہ کا تحفہ میں دیا جو اتنا بڑا ہے کہ شاید ساری عمر کے لئے کافی ہے نہ صرف یہ بلکہ کتاب کے پہلے صفحہ پر اپنے قلم سے دعائیہ نوٹ لکھکر دیا میری کتاب پر لکھا ہے:

’’آپ محض للہ دنیا کے دکھ بانٹ رہی ہیں اللہ آپ کے سب دکھ زائل کر دے اور ہر اندھیرے کو روشنی میں بدل دے۔‘‘

جب افتخار صاحب مستقل لندن آ گئے تو ہمیں اپنے مکان میں مہمانوں کی خاطر داری اور مردانہ اور زنانہ نشستوں کے لئے دِقّت محسوس ہونے لگی تو ہم نے حضور کی خدمت میں دعا کے لئے خطوط لکھے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بڑا اور بابرکت گھر دے۔ یہ طوالو ہاؤس اللہ کے فضل سے اور حضور کی دعاؤں سے ہی ملا ہے جس میں حضور پرنور دو بار تشریف لائے۔

سارے گھر کا Tour کیا، ہر چیز کو سراہا اور ناشتہ مجھ سے بنوایا اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر کیا۔ ہمارے گارڈن کے آلو بخارے بھی کھائے صحن اور پھولوں کو پسند کیا اور لمبی دعا کے بعد رخصت ہوئے۔ یاد رہے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے خود اپنے ایک ہاتھ سے گھنٹی بجائی اور دوسرے میں ایک گرانقدر بڑی خوبصورت پینٹنگ کا فریم لئے کھڑے تھے جو ہمارے ڈرائنگ روم کی خوبصورتی کو دوبالا کرتا ہے اور ہر آن حضور کی شفقت کی یاد دلاتا ہے۔

موسم بدلتے رہتے ہیں مگر حضور کا پیار اور محبت اور حسن اور احسان کا سلوک آخر دم تک وہی رہا جو شروع دن سے تھا۔ موسم کے پھل خاص طور پر آم جب پاکستان سے آتے تو بکثرت ہمارے لئے بھجواتے۔ کبھی عربی مٹھائی کا ڈبہ بھجواتے اور کبھی سپین سے آمدہ Nuts اور جوس جسے Chuffi کہتے ہیں بہت ہی مزیدار اور روح افزاء ہوتا تھا اور ہم سب کو بہت پسند تھا چونکہ ایک ملاقات میں گھر پر ہمیں پلایا تھا سب کو پسند آیا تو بس باندھ لگادی۔ اس پیارے آقا نے اور ہم نے جی بھر بھر کر پیا۔ الحمدللہ۔

جب کبھی ہم میں سے کوئی پاکستان کے سفر پر جانے سے پہلے ملنے جاتا تو ضرور اصرار سے فرماتے کہ احمد نگر ضرور جائیں اور باغ کے کینو ضرور کھا کر آئیں۔ چونکہ ہماری شادی بھی احمد نگر میں ہوئی تھی میرے ابا جان ان دنوں جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے اور جامعہ احمد نگر میں ہی ہوتا تھا لہٰذا ہمیں ان پیاری یادوں کے ساتھ ساتھ حضور کی بھی یاد آتی رہے گی۔ حضور کی پسند بہت اونچی تھی، بڑی نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ خوشبو بہت پسند تھی۔ اور اگر کوئی چیز اچھی نہ ہوتی یا پسند نہ آتی تو بتا دیتے۔ کافی اور آئس کریم بہت شوق سے کھاتے پیتے اور سب کو پلاتے جو چیز پسند آتی اس کی تعریف دل کھول کر کرتے کہ تحفہ دینے والا یہ محسوس کرتا کہ معمولی سی چیز ہے اور حضور اس قدر خوش ہو گئے ہیں۔

خطوں کے علاوہ بیشمار دلچسپ ملاقاتیں اور واقعات ہیں یوں لگتا تھا کہ حضور ہمارے گھر میں اور ہمارے دل میں ہر گھڑی رہتے ہیں گویا ''دل میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی'' خط لکھکر ہی تسلی ہوجاتی تھی کہ کام بس ہوگیا اور اس کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہوجاتا تھا۔ عجیب بات ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مِنْ بَعْدِ خَوْفھم اٰمْنًا والی بات ہو بہو پوری ہوئی ہے اور یہی اب بھی ہونے لگا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کو خط لکھ کر اتنے پیارے جواب آرہے ہیں اگر کسی بچے کے خط کا جواب ابھی تک نہیں بھی آیا (اگرچہ دیر کون سی ہوئی ہے بچے یونہی گھبرا کر انتظار کرتے ہیں) مگر ان کی کامیابی اور مسائل حضور خامس کی دعاؤں سے حل ہونے لگے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد وبارك دل کو خدا نے ایک عجیب سا سکون عطا کیا ہے اللہ کرے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی ہم سے خوش ہوں اور ہم بھی حضور کی کماحقہٗ اطاعت اور خدمت کی توفیق پائیں۔ آمین۔ اللہ میاں ہمارے پیارے آقا کو صحت وتندرستی والی لمبی فعال زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

ہمارے گھر کے باہر حضور کے ہاتھ سے آویزاں "Tuvalu House" کی تختی حضور رابع ؒ کی یاد دلاتی رہے گی جونہی گھر میں داخل ہوتے ہیں ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ رمضان المبارک کے درس، عیدی فرداً فرداً ملا کرتی تھی اور ایسی انوکھی چیزیں ہوتی تھیں کہ کہیں کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ ایک مرتبہ چھوٹی دونوں بیٹیوں کے نام عیدی کے لفافے اور ان میں بیس بیس پونڈ کے نوٹ تھے دونوں فرزانہ اور سعدیہ خوش تو بہت ہوئیں مگر یہ کہنے لگیں امی نوٹ تو خرچ کرلیں گے مگر چیز تو ہم حضور کا تبرک کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یہ بات ان دونوں نے گھر میں ہی کہی مگر اللہ تعالیٰ نے اگلے سال ان کی خواہش پوری کردی نہایت ہی خوبصورت جوڑے ان کو حضور نے بھجوائے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

حضور کے پیار کی جھلک ہر آن نظر آتی تھی ایک مرتبہ ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے دیکھ کر فرمایا: یہ افریقن Queen آ گئی ہیں۔آپ یہاں تشریف رکھیں۔

میں قدرے جھینپ گئی کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں حضور، اور شاید کسی اور کو کہہ رہے ہیں، اس پر دوبارہ کہا کہ امۃ الباسط آپ ہیں نا افریقن کوئین۔ میں نے پوچھا کیسے حضور؟ آپ نے فرمایا کہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ آپ کو کہا کرتے تھے نا مجھے یاد آیا کہ ہاں حضور خلیفۃ المسیح الثالثؒ مجھے اسی طرح پیار سے کہا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی زندگی میں ہم بہنوں میں سے بیاہی جانے والی میں ہی افریقہ میں سب سے پہلے اور سب سے لمبا عرصہ رہی اور یہ کہا کرتے تھے کہ ''تم تو افریقن ہونا'' اس پر ہی اکتفا نہیں دوسری مرتبہ پھر یاد رکھا اور فرمایا آج ملاقات کے لئے افریقن کوئین اکیلی ہی کیوں آئی ہے کیونکہ اس روز بچے ساتھ نہ تھے ملاقاتیں بھی کیا خوب ہوتی تھیں۔ باری باری ہر بچے سے بات کرتے اور خوب زندہ دلی اور ہنسی مذاق کی باتوں سے خوش کر دیتے تھے۔ایک مرتبہ میری باری نہ آئی اور میں کچھ نہ بول سکی یا بچوں نے زیادہ وقت لے لیا اس دن حضور نے خود ہی فرمایا امۃ الباسط آپ بھی کوئی بات سنائیں۔ پھر گھر جا کر بے چارے افتخار صاحب کو کہیں گی کہ مجھ سے تو حضور نے کوئی بات ہی نہیں کی۔

بے اختیار زبان پر یہ شعر آ رہا ہے۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

حضور خود بھی شعر کے شوقین تھے۔قدرتی نظاروں اور مناظر سے لطف اندوز ہوتے اور اگر کہیں دوسرے ملک سفر پر جاتے تو واپسی پر ضرور کوئی نہ کوئی تحفہ لا کر گھر بھجواتے۔لندن کے قیام میں حضور روزانہ کئی کئی میل سیر کے لئے نماز فجر کے بعد تشریف لے جاتے۔ ہمارے

بچوں کو بھی کئی مرتبہ ساتھ جانے کا موقع ملا اس طرح سے ایک سیر پارٹی بن گئی تھی جو بھی اس سے لطف اندوز ہوا ہے کبھی نہ بھول سکنے والی یادیں رکھتا ہوگا۔ کیا سہانا سماں ہوتا ہوگا کہ صبح کا سہانا منظر اور امام وقت آگے آگے دعائیں کرتے اور حمد و ثنا کے گیت گاتے رواں دواں ہوتے۔ اور کوئی حضور کی سی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے پاتا۔ سبحان اللہ۔

مجھے حضور کی خدمت میں چند ایک مرتبہ پلاؤ پکا کر پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضور نے پسند فرمایا اور ایم ٹی اے والوں کو کہا کہ خانہ داری کے پروگرام المائدہ میں مجھے شامل کریں کہ میں سب کو پلاؤ بنانے کی ترکیب سکھاؤں۔ ایم ٹی اے والوں نے جب مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے کوئی حامی نہ بھری اس پر دوبارہ مجھے کہا گیا کہ حضور کا ارشاد ہے کہ آپ یہ پروگرام پیش کریں اس پر میں فوری تعمیل کے لئے حاضر ہوگئی لیکن اس ادنیٰ سی بات پر کمال محبت پیار اور حوصلہ افزائی کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا خط موصول ہوا۔ اس خط کے پہلے حصے سے آپ کے اعلیٰ اخلاق اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہیجان پیدا کرنے والی قدر افزائی کے پہلو کا ایک دلکش اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس عظیم انسان کے اسوہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس خط کا دوسرا حصہ پڑھنے سے تو جذبات قابو میں نہیں رہتے اور دل چاہتا ہے کہ ساری زندگی اس عظیم انسان کے لئے دعاؤں اور گریہ وزاری میں گزارے۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی آپ کو بخشش کی فکر تھی اس خیال سے تو میرا جسم کانپنے لگتا ہے۔ مجھ خاک کے ایک حقیر ذرے کا کیا ہوگا اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ حضورؒ کی امی جان مرحومہ کے لئے، حضور کے لئے اس جذبہ کے ساتھ دعائیں کرتے رہیں جس کا نہایت ہی دلگداز انداز میں حضور نے اس خط میں ذکر فرمایا۔

آپ جماعت کے علماء، بزرگوں اور خادموں کی بے انتہا قدر کرتے تھے اور آگے ان کی

اولادوں کی بھی ۔حضور نے مجھے جو پیار دیا وہ میں سمجھتی ہوں اس پیار کا ایک شیریں ثمر تھا جو آپ کو میرے پیارے ابا جان مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم سے تھا اور اس کا آپ نے ذکر کئی مرتبہ اپنے خطوط میں کیا

اب اس مضمون کو اس خاص بات پر ختم کرتی ہوں کہ ایک عرصہ سے جب بھی میں ملاقات کے لئے حاضر ہوتی تو فرماتے میں آپ کے لئے باقاعدگی سے اس طرح یہ دعا کرتا ہوں:

یایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔

اب خود تو رب کی طرف لوٹ گئے اور اللہ نے کتنے پیار سے ان کو گلے لگا کر اپنے پیاروں میں شامل کیا ہوگا اور جنت کے سارے دروازے ان کے لئے کھول دیئے ہوں گے کاش حضور کی یہ دعا میرے حق میں بھی قبول ہو اور اللہ اپنے رحم و کرم سے، مجھ سے اور میرے سب پیاروں سے بھی یہ سلوک فرمائے۔آمین۔



ایک پکنک ایک سہانی شام

رحیمیت اور رحمانیت کے جلوے

(یہ South Pacific میں ایک جزیرہ پر پکنک کا ذکر ہے)

اس روزمرہ زندگی کے شب و روز اور ماہ وسال اور لمحات کے جاری سفر کے دوران ہم اپنے اپنے ماحول اپنے گھروں اور اپنی نجی زندگی میں خدا تعالیٰ کی رحیمیت اور رحمانیت کے لاتعداد جلوے دیکھتے اور زندہ خدا کی زندہ تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ذرہ ذرہ میں خدا تعالیٰ کی ہستی کی جھلک اور جمال یار کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ سورج روشن ہے اور اس کی روشنی اور اس کی کرنوں سے ایک نہیں، دو نہیں لاکھوں فائدے دنیا کو پہنچ رہے ہیں اور پھر ان فائدوں سے ایک دو ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق حصہ پا رہی ہے۔ جانور اپنی کھوہ پرندے اپنے آشیانوں اور انسان اپنے گھروں میں اپنے حالات کے مطابق اس کی رحیمیت اور رحمانیت کے جلووں کے مورد ہیں۔ غرضیکہ زندگی کا ہر پہلو اور کائنات کا ہر ذرہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے دنیا کے بہت سے ملکوں اور شہروں کی سیر و تفریح کے مواقع حاصل ہوئے ہیں جن شہروں کا دائرہ تمام براعظموں پر محیط ہے۔ ہر ملک اور ہر علاقہ، طرز معاشرت حالات اور مناظر کے لحاظ سے دوسرے سے مختلف ہے اپنی زندگی کے شب و روز اور مختلف علاقوں کے سفر کے دوران ایسے بہت سے امور اور واقعات میرے مشاہدہ میں

آئے ہیں جن میں، میں نے خدا تعالیٰ کی صفات کے جلوے کارفرما دیکھے جو خدا کی ہستی کو ثابت کرتے ہیں۔انہیں یادوں میں سے ایک سہانی یاد پکنک سے وابستہ ہے۔

پکنک میں تو آپ سب کبھی نہ کبھی شامل ہوئے ہوں گے اور اس سے خوب لطف اندوز بھی ہوئے ہوں گے۔ میں جس پکنک کے پرلطف واقعات بیان کرنا چاہتی ہوں وہ جزیرہ طوالو کی جماعت کی پکنک ہے۔12 جنوری 1991ء ہمارا پکنک کا دن طے پایا۔جبکہ (اتوار) تھا۔ہم بہت پہلے سے اچھے موسم کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کیونکہ عموماً موسمی لحاظ سے اس جزیرہ میں ہر تیسرے چوتھے دن ضرور بارش ہوجاتی ہے۔خدا تعالیٰ کی قدرت نے جزائر کے رہنے والوں کیلئے پینے اور استعمال کے میٹھے پانی کی فراہمی کا انتظام بارش کے ذریعہ سے کر رکھا ہے۔بارش کے ذریعہ سے حاصل ہونے والا میٹھا پانی سب کاموں اور ضروریات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

جس طرح ہم اپنے پروگراموں میراتھن ریس، گیمز یا جلسہ کے دن دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ موسم اچھا رہے کیچڑ نہ ہوجائے۔کارکنان اور حصہ لینے والوں کیلئے دشواری ہوگی۔بہرحال ہمیشہ کی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کا پیار ظاہر ہوا۔ جہاں نہ صرف کھلی جگہ وافر موجود تھی۔ بلکہ ناریل کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے عمودی درختوں کے گھنے جھنڈ بھی خدا تعالیٰ کی رحمت کی چھتری کی صورت میں سایہ کئے ہوئے تھے۔اور یہ آئیڈیل جگہ جزیرے والوں نے پکنک کیلئے مخصوص کر رکھی تھی، وہاں پہنچ گئے۔ پکنک کے مقام کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں بچے بالے گیت اور پاکیزہ نظمیں گاتے ہوئے جارہے تھے۔جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں اور مقامی زبان کے گیت شامل تھے۔

منزل پر پہنچنے کے بعد تمام بڑے چھوٹے تیاری کے کاموں میں لگ گئے۔سب سے

پہلے تو ناریل کے پتوں سے جھاڑو بنا کر جگہ کو صاف ستھرا کیا گیا۔ پھر اسی جگہ کو ناریل کے درخت ہی کے پتوں سے بنائی گئی چٹائیوں سے آراستہ کیا گیا اور تھوڑی دیر سستانے کے بعد ہم سب ٹولیوں کی شکل میں بٹ گئے۔ مرد عورتوں لڑکوں اور لڑکیوں کی علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بن گئیں۔ مردوں اور چھوٹے بچوں نے سمندر کا رخ کیا اور اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی Fishing Rods سنبھالیں اور سمندر کی ریت میں چھپے چھوٹے چھوٹے کیڑے پکڑ کر کنڈیوں کے اگلے حصہ پر لگائے جن کو کھانے کے لئے مچھلیاں آتیں تو یہ باہر کھینچ لیتے۔ اسی طور پر چند لمحوں میں ہی مچھلیوں کا شکار شروع ہو گیا۔ کچھ نوجوان لڑکوں کی ایک ٹولی نے ناریل کے درختوں کے بارش کے پانی سے دھلے ہوئے صاف ستھرے پتے چن کر ہم عورتوں کے پاس لا کر ڈھیر کر دئے اور چلے دوپہر کے کھانے کیلئے مشروبات کا انتظام کرنے۔ کیا دیکھا کہ ناریل کے درختوں کی طرف بڑھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ جا وہ جا۔ درخت کی چوٹی پر چڑھ کر چن چن تازہ ناریل اتار کر پھینکنے لگے۔ یہ ناریل بہت تازہ اور رس سے بھرے ہوئے تھے درخت پر چڑھنے اور اترنے کا منظر بھی بہت خوب تھا۔ درخت کی چوٹی پر نگاہ پہنچانے کیلئے لازماً ہر فرد کو سر اونچا کر کے اور گردن پیچھے کر کے ہی دیکھنا پڑتا تھا۔ بڑا تعجب خیز منظر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹوں میں زمین پر ناریل کا ڈھیر لگ گیا۔ اب اس گروپ کے ایک فرد نے اپنا مُفوّضہ کام شروع کیا اور ناریل چھیل کر اس میں سوراخ کر کے سب کام کرنے والوں کی پیاس بجھانے کیلئے Refreshing Drink کے طور پر مزے دار اور فرحت بخش ناریل کا پانی پلانا شروع کیا اور کچھ دوپہر کے کھانے کیلئے ضرورت کے مطابق محفوظ کر لیا۔ مقامی عورتوں نے زمین میں گڑھے کھود کر اس میں جو اُودن (زمین دوز چولہے) بنائے تھے ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور دل خدا تعالیٰ کی حمد کی طرف مائل ہوتا کہ ہر جگہ اور ہر علاقے کی ضرورت کے مطابق

حیرت انگیز طور پر ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ یہ اُوون سادہ گڑھوں میں اس طور پر بنائے گئے تھے کہ ناریل کے خشک خول کے ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے انہیں آگ لگا دی گئی ان کے آگ پکڑنے کے ساتھ ہی درمیانے سائز کے پتھروں سے اس آگ کو ڈھانک دیا گیا اور اسی اثناء میں وہ مرغیاں چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹنی شروع کیں جو ہر کوئی اپنے حصہ کے مطابق ہمراہ لایا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں مرغ کے گوشت کا ڈھیر لگ گیا۔ ادھر اوون جسے لوکل زبان میں Umu کہتے ہیں تیار ہو چکے تھے۔ گوشت کے ٹکڑے اس کے اوپر ساتھ ساتھ جوڑ کر رکھنے شروع کئے اور گویا سارا گڑھا گوشت کے ٹکڑوں سے بھر گیا۔ اب لگیں اس کو کیلوں کے پتوں سے ڈھانپنے۔ اس کے بعد ناریل کی خشک چھال سب سے اوپر ڈال کر ایک بوریا سے ڈھانپ کر ارد گرد پتھروں سے منڈیر کی طرح کنارہ بنا کر عورتیں چٹائیوں پر بیٹھ گئیں اور خوشی سے فخریہ انداز میں کہنے لگیں کہ ہمارا کام تو مکمل ہوا۔ مرد ابھی نہیں آئے مچھلی لے کر جو انہوں نے خود روسٹ کرنی ہے۔ یا کچی ہی کھانے کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس دوران عورتوں نے مقامی گیت گانے شروع کئے۔ گیت گانے کے ساتھ ساتھ ناریل کے صاف پتوں سے کھانا serve کرنے کیلئے baskets اور bowls اور کھانا کھانے کیلئے پتوں کی اس قدر خوبصورت پلیٹس اتنی تیزی سے بنائیں کہ عقل دنگ رہ گئی۔ اور بے اختیار قدرت کی طرف سے عطا کردہ ہر قسم کے سامان ضرورت اور اس کی عطا کردہ عقل و فہم پر خدا تعالیٰ کی حمد کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ مگر میں نے ساتھ ساتھ یہ تمام چیزیں بنانی سیکھ لیں۔ ان ناریل کی بنی ہوئی پلیٹس کو بنانے کیلئے استعمال ہونے والے پتے ایک خاص درخت کے بڑے بڑے پتے تھے جنہیں خدا تعالیٰ نے ایک رات پہلے بارش برسا کر صاف و شفاف کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں اوون کی طرف سے خوشبو کی زبانی یہ پیغام ملا کہ کھانا تیار ہے۔ کھول کر دیکھا تو بڑے ہی خوبصورت

براؤن رنگ میں مرغی کے ٹکڑے روسٹ ہو کر تیار ہو چکے تھے۔اب وہ مرغ جو بچا کر رکھے گئے تھے جنہیں مرغ مسلم کے طور پر روسٹ کرنا باقی تھا انہیں چھوٹی چھوٹی باسکٹس میں رکھا گیا۔مرغ کا پیٹ چاک کر کے اس میں پہاڑی مرچ اور کرش کیا ہوا ناریل جس میں نمک ملایا ہوا تھا بھرا گیا۔اب ان ٹوکریوں کو ناریل کے چھلکے سے بنائی گئی رسی کے ذریعہ باندھ دیا گیا۔تقریباً دس ٹوکریوں کو ساتھ ساتھ اُوون میں رکھ دیا گیا۔اور اس خود ساختہ اوون کا منہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔مرغ مسلم نے تیار ہونے میں نسبتاً زیادہ وقت لے لیا۔مگر جب پک کر تیار ہوئے تو پہلے گوشت سے زیادہ مزے دار نکلے۔یہ انوکھا تجربہ انسان کو قدرت کے عطا کردہ ہزارہا انعامات میں سے ایک انعام تھا اور اس کے رب العالمین، الرحمن والرحیم ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔جو اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ لبوں پر بے ساختہ بار بار الحمدللہ اور سبحان اللہ جاری ہو۔اسی اثناء میں جبکہ میں اپنے تصور میں خدا تعالیٰ کی رحمانیت اور اس کی رحیمیت کے جلووں کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی دیکھا کہ مردوں کا گروپ جو مچھلیاں پکڑنے گیا تھا واپس آ گیا اور ڈھیر ساری مچھلیاں اپنے ساتھ لایا۔اب ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا اظہار شروع کیا کہ وہ کس طرح مچھلی کے گوشت سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔کچھ نے کچی مچھلی کھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔اور باقی مردوں نے smoked مچھلی کھانے کو کہا اور خود ہی لکڑیاں اکٹھی کر کے تاروں پر مچھلیاں لٹکا کر سلگتی آگ پر مچھلیاں روسٹ کر لیں۔روسٹ مرغی کے علاوہ گھر سے ہمراہ لائے ہوئے چاول اور ابلے ہوئے انڈوں سے بنایا ہوا سلاد پہلے سے موجود تھا۔ان سب کو اکٹھا رکھ دیا گیا۔اب امیر قافلہ گویا ہوئے۔بہنو اور بھائیو! پکنک تو پہلے بھی آپ نے کئی مرتبہ کی ہو گی۔پہلے بھی آپ اس جگہ پر آئے ہوں گے۔گروپس کی صورت میں اور تنہا بھی۔لیکن جہاں تک آج کی پکنک کا تعلق ہے تو آج کی پکنک اپنے

لطف اور اپنی خوشی کے لحاظ سے بالکل منفرد رنگ رکھتی ہے۔ اور جو روحانی سرور اور لذت ہم آج حاصل کرر ہے ہیں وہ احمدیت کی عظیم نعمت سے مالا مال ہونے کی لذّت ہے۔ اور آج ہم جماعت احمدیہ کے ممبران کی حیثیت سے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ چلئے اب ڈھائی بج چکے ہیں۔ کھانا شروع کریں۔

سب نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ اور خوشگوار ماحول میں خوب پیٹ بھر کر عمدہ کھانے سے لذت یاب ہوئے۔ جب جب سمندر کے اوپر سے آنے والی ہوا کا جھونکا آتا تو کھانے کا مزہ دوبالا کر جاتا۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سبھی لوگ کھانے سے لطف اندوز ہوتے رہے اور پھر کھانا کھا کر ایک گھنٹہ ستانے کے بعد لڑکیاں بالیاں تو پھول چن چن کر ہار گلوبند اور سر پر پہننے کیلئے ہالے بنانے لگیں اور لڑکوں نے فٹ بال کھیلنا شروع کر دیا۔ اور مرد حضرات گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک گھڑی کی طرف جو نگاہ پڑی تو سب چونک پڑے کہ اب تو hired ٹرک ہمیں لینے کیلئے آنے والا ہے۔ اور ابھی ظہر و عصر کی نمازیں پڑھنی باقی ہیں۔ اس پر سبھی وضو کی طرف متوجہ ہوئے۔ عجیب روحانیت کا سماں بندھا۔ جب افتخار صاحب نے با آواز بلند اذان شروع کی۔ کبھی کسی نے اس سے پہلے یہاں کب اذان دی ہوگی۔ کب یہاں اس سے پہلے نماز ادا کی گئی ہوگی۔ سمندر کی مچھلیاں اور اس ماحول کے سبھی جاندار خدا تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی وحدانیت پر مشتمل نغموں سے ضرور جھوم جھوم اٹھے ہوں گے۔ سب نے باجماعت نمازیں ادا کیں اور اپنی اپنی چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا جو ادھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ چنانچہ اس آخری مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد چھ بجے شام ہم سب خدا تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتے واپس اپنے گھروں کو لوٹے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

اس مضمون میں ناریل کا بار بار ذکر آیا ہے۔ یہ بے وجہ نہیں ۔ واقعتاً یہ درخت حیرت انگیز خواص اور فوائد کا حامل درخت ہے۔ ناریل کے درخت کو ساتویں سال میں ناریل لگتے ہیں۔ اور دس سال کے اندر پورا پھل جوبن پر ہوتا ہے۔ ناریل کے درخت کو اگانا بہت آسان ہے۔ کھاد کی ضرورت نہیں ۔ عموماً ریتلی زمین میں اگتا ہے۔ البتہ اس کو پانی کی کثرت سے ضرورت ہوتی ہے۔ جبھی سارے tropical ملکوں یعنی ساحل سمندر یا جزائر میں ناریل کے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ جزیروں میں بسنے والے افراد کی زندگی کا بڑا انحصار تنہا اسی ایک درخت پر ہے۔ اگر کلی طور پر نہیں تو ضرورت کی خوراک کا معتد بہ حصہ اسی ایک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کی طویل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ ان مقامات پر اس درخت کی لکڑی سے رہنے کیلئے مکانات بنائے جاتے ہیں۔

☆ اس کے پتے چھت ڈالنے کے کام آتے ہیں۔

☆ ناریل کا تیل کھانا پکانے، سر میں لگانے اور مالش کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

☆ ناریل کا تیل صابن بنانے میں کام آتا ہے۔

☆ کچے ناریل کی کریم مچھلی یا چاول پکانے میں استعمال کی جاتی ہے۔

☆ ناریل کرش کر کے خشک کرنے کے بعد چاکلیٹ بنائی جاتی ہیں۔

☆ ناریل فروخت کر کے آمد پیدا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر گھر میں ناریل کے درخت ملتے ہیں۔

☆ کچے ناریل میں سے نکلنے والا میٹھا رس گرمیوں میں مفرح و مفید مشروب کی صورت میں عطیۂ قدرت بنتا ہے۔ کچا ناریل افریقہ میں Madafu کہلاتا ہے۔ یورپ میں Madafu نہیں ملتا البتہ پکے ہوئے ناریل مل جاتے ہیں جو باہر کے ممالک سے آتے ہیں۔

☆ ٹرانسپورٹ کیلئے بھی یعنی ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے تک آمدورفت کیلئے اوراسی طرح مچھلیاں پکڑنے کیلئے Canoe جو ہر گھر کے باہر پارک ہوتی ہیں۔حتیٰ کہ ڈاکٹر کو بھی دی جاتی ہے تاکہ مریضوں تک پہنچنے کیلئے اسے آسانی ہو۔

☆ ناریل کے سخت حصہ یعنی اس کے خول سے خوبصورت پیالے بنا کر مختلف استعمال میں لاتے ہیں۔اسی طرح ناریل کے درخت کی لکڑی کو گھڑ کر کونڈی ڈنڈا بناتے ہیں۔لوکل طور پر بنائے جانے والی ادویہ بھی اسی سے پیسی جاتی ہیں۔

☆ ناریل کے اوپر کی کھال جیسا کہ ذکر آچکا ہے oven میں آگ سلگانے اور برتن مانجھنے کے کام آتی ہے۔

☆ گھر کے باہر گارڈن اور سڑکوں کی صفائی کیلئے پتوں کے درمیان سے نکلنے والے تنکوں سے جھاڑو بناتے ہیں۔

☆ پینٹنگ کیلئے انہیں تنکوں کو دانت سے چبا کر برش کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

☆ رسی بنا کر مختلف کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔خوبصورت Rugs،ٹیبل میٹس اور ٹوکریاں بناتے ہیں۔

☆ کچے ناریل اور اس کے شربت سے حاصل کردہ میٹھے رس کے ذریعہ چینی بناتے ہیں جس سے مٹھائی اور مختلف رس تیار کئے جاتے ہیں۔

☆ گرم موسم میں ہوا لینے کیلئے اسی درخت سے حاصل ہونے والے اجزاء سے پنکھے چٹائیاں اور بہت سی دوسری استعمال کی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔غرضیکہ ایک بلند و بالا ہستی کی طرف سے عطا کردہ بلند قامت درخت سے حاصل ہونے والے تمام تر فوائد رب الاعلیٰ کی طرف ہی متوجہ کرتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔اللہ اکبر۔ ○○

نیوزی لینڈ کی سیر

خدا کے فضل سے بہت سے ملکوں اور جزیروں کی سیر کرنے کا موقع ملا ہے جن میں ایشیا، افریقہ، امریکہ، یورپ شامل ہیں۔ آسٹریلیا کی سیر بھی کر چکی تھی مگر نیوزی لینڈ کی سیر اس سال کرنے کا موقع خدا تعالیٰ نے دیا۔ اس سیر سے میں بہت متاثر ہوئی۔ بہت لطف آیا اور بہت سی یادیں ذہن پر نقش ہوگئی ہیں۔ سوچا کہ اگر ان سب کو لکھ کر محفوظ کرلوں تو شاید کسی کے لئے دلچسپی اور معلومات کا باعث ہو۔

ماہ جولائی 1993 کی آخری تاریخیں تھیں اگر موسم کی بات کریں تو ہر ملک میں مختلف ہوتا ہے۔ پاکستان اور لندن میں گرمی کا موسم اور سکولوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ یہاں طوالو میں بھی شدید گرمی تھی ہم نے نیوزی لینڈ کی سیر کا پروگرام بنایا وہاں گئے تو شدید سردی کہ آپ تصور بھی نہیں کرسکیں گے کہ سویٹر، کوٹ اور ہیٹنگ کی موجودگی کے بغیر آرام سے بیٹھ کر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ کاروں میں بھی ہیٹنگ آن کرنا پڑی۔ خیر سیر کے بارے میں مزید کچھ لکھنے سے قبل میں اس چھوٹے سے مگر خوبصورت ترین ملک کے بارے میں کچھ بتا کر سب کو اس کا تعارف کروادوں کہ ''نیوزی لینڈ'' کی تاریخی داستان ایک ہزار سال سے کچھ ہی اوپر ہوگی لیکن سفید فام آبادی کے لحاظ سے نو آباد ملک ہے اور بڑی تیزی سے ترقی پذیر ہے یہ جان کر کہ اس ملک کے دو حصے ہیں کچھ تعجب نہ ہوا آپ نقشے سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملک کی شکل کیسی ہے یہ ملک آسٹریلیا سے 1600 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے اور اس کا کل

رقبہ 268,046 مربع کلومیٹر ہے اور یہ ملک دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے شمالی جزائر اور جنوبی جزائر اگرچہ رقبے کے لحاظ سے جنوبی جزائر بڑے ہیں مگر آبادی شمالی جزائر کی زیادہ ہے۔ نیوزی لینڈ کا صدر مقام ولنگٹن ہے (Wellington) ہے دوسرا بڑا شہر آکلینڈ (Auckland) ہے۔کل آبادی 3,300,000 ملین ہے۔ان لوگوں میں انگریز،لوکل باشندے جن کو ''ماؤری'' Maori کہتے ہیں اور چینی، ایشیائی باشندوں کے علاوہ جزائر بحرالکاہل کے بہت سے لوگ آباد ہیں۔مگر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس ملک میں 60 ملین بھیڑیں ہیں۔یعنی انسانی آبادی سے زیادہ بھیڑیں ہیں جو اس ملک کی دنیا بھر میں شہرت اور تجارت کا باعث ہے اور اچھی خاصی آمدن بھیڑوں کی وجہ سے ہی ہے۔

یہاں پہلے پہل پولی نیشین لوگ آئے جلد بعد عیسائی مشنری 1814 میں آن پہنچے مگر یہ ضرور خواہش ہوتی ہے کہ پتہ چلے کہ سب سے پہلے کون انسان تھا جس نے یہ ملک ڈھونڈا اور نام رکھا Maori لوگوں کے بتانے کے مطابق تو ایک پہلا آدمی جو اس جزیرے کو ڈھونڈ پایا اس کا نام Kupe تھا اس نے اس ملک کو Aoteora کا نام دیا جس کا مطلب ماؤری زبان میں یہ ہے "Land of The Long White Cloud" اور واقعی اگر آپ اس کے نقشے کو دیکھیں تو برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کی چوٹیاں اور کہیں کہیں سمندر اور آسمان نظر آئے تو بادلوں کی ایک لمبی لکیر ہی دکھائی دیتی ہے۔ہوائی جہاز میں سے لی گئی تصاویر اور پوسٹ کارڈ دیکھنے سے بھی بالکل بادلوں کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

مؤرخوں نے تاریخ لکھنے کے لئے مزید تحقیق کی تو کچھ مؤرخ اس رائے کو با اتفاق نہ لکھ سکے بلکہ یہ کہا جانے لگا کہ Captain Cook ہی وہ پہلا کیپٹن تھا جو سب سے پہلے اس ملک کے جزائر کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوا تھا شاید یہ درست ہو کیونکہ ولنگٹن میں ملک کا سب

سے بڑا پہاڑ بھی اسی کیپٹن کے نام پر Mount Cook کہلاتا ہے جس کی بلندی 3,760 میٹر ہے ۔ یہ سن کر اور پڑھ کر خوشی ہوئی اور دلچسپی کا باعث بنی کہ یہ پہاڑ اتنا بڑا ہے کہ سارا سوئٹزرلینڈ اس پہاڑ میں چھپ جائے ۔ یاد رہے کہ ماؤنٹ کک نیوزی لینڈ کے Southern Alps میں ہے۔جنوبی جزائر کا بڑا مشہور Christ Church نامی شہر ہے۔اور سیر وسیاحت کے لئے اچھی سیر گاہیں بنی ہوئی ہیں ۔آک لینڈ شہر کی شہرت بھی ملک کی تجارت جو جہازوں اور کشتیوں کے ذریعہ ہوتی ہے کی وجہ سے ہے ۔ یہ شہر بڑا مشہور شہر ہے اس شہر کو City of Sail بھی کہتے ہیں ۔ساحل سمندر کے رہنے والوں کو کشتی رانی ،اور تیراکی میں بہت مہارت حاصل کرنا ہوتی ہے۔اور کشتی تقریباً ہر شخص خرید کر اپنی مقررہ پارکنگ کی جگہ پارک کرتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے آپ سب کاریں پارک کرتے ہیں ۔ کشتی رانی کے مقابلے اور مچھلی پکڑنے کے مقابلے ان کے پسندیدہ کھیل ہیں۔کبھی کبھی گاڑی چور کی طرح کشتی چور کشتی بھی چرا کر لے جاتے ہیں ۔ کیونکہ سب مالکوں کی کشتیاں سمندر میں مقررہ جگہ پر ساتھ ساتھ ہی لگا کر پارک کی جاتی ہیں ۔ پولیس کو اطلاع کی جاتی ہے اور کبھی کبھی خوش قسمتی سے تلاش اور کوشش کے بعد واپس مل بھی جاتی ہے۔غلط پارکنگ پر جرمانہ اور کشتی کا لائسنس بھی ہذف کر لیا جاتا ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اکثر کھیلوں کے عالمی مقابلے کے لئے نیوزی لینڈ سے کھلاڑی آتے ہیں یا وہاں جا کر مقابلے میں حصہ لیتے ہیں یہ عالمی سٹیڈیم بھی آک لینڈ میں ہی بنایا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتا چکی ہوں کہ ملک کی اکثریت شمالی حصہ میں ہے جو اندازاً 93 فیصد ہے۔ اور چونکہ نیا ملک ہے نوجوان لوگوں سے آبادی شروع ہوتی ہے اور اب آدھے سے زیادہ آبادی میں بچے 18 سال سے کم عمر کے ہیں جو اب ملازمت کی تلاش میں دوسرے بڑے

شہروں میں جا کر آباد ہونے لگے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اور کلچر کی سمجھ بوجھ کے لئے جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی درسگاہیں بنائی گئی ہیں تاکہ دوسرے لوگ جو بھی اس ملک میں آ کر آباد ہوں ملک کے رہن سہن کے طریقے سیکھ لیں اور مل جل کر رہیں۔ ان سکولوں کی تعداد 450 تک ہے۔ اکثر غیر ملکی لوگ ان سکولوں میں اپنے بچوں کو ضرور داخلہ دلواتے ہیں تاکہ ان کی زبان بچپن ہی سے بچے سیکھ جائیں۔

یہاں کے لوگ اچھے صحت مند، خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔ دیکھنے میں ہمارے پہاڑی علاقہ کے لوگوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کا اصل لباس تو مختصر سا ہی ہوتا تھا مگر اب ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ لباس کی تراش خراش اور زیبائش میں نمایاں فرق آ گیا ہے۔ نیوزی لینڈ کے لوگوں کے کلچر میں یہ بات خاص قابل ذکر ہے کہ پرانی طرز پر اور روایاتی طریقوں پر قائم ہیں۔ مثلاً فیمیلیز کا مل کر رہنا ایک ہی گھر میں بے شمار افراد مل جل کر اس طرح رہ لیتے ہیں کہ ہر ایک کو ایک دوسرے کا بے حد خیال ہوتا ہے کھانا پینا اکٹھا ایک ہی دستر خوان پر کھاتے ہیں۔ اور ضرورت کی تمام اشیاء ہنسی خوشی ایک دوسرے کی استعمال کر لیتے ہیں بلکہ مالک بن بیٹھتے ہیں۔ چیز کا مالک واپس لینے کا مطالبہ ہرگز نہیں کر سکتا آداب کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ غیر ممالک سے آنے والے مہمانوں کا استقبال بڑے جوش و خروش سے کرتے اور اپنے ملک کے خاص ڈانس کرنے والوں کو ان کے آبائی لباس میں آراستہ کر کے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایئر پورٹ پر لے جاتے اور گیت گاتے ہیں اور اپنی خوشی کا اظہار Maori زبان میں کرتے ہیں۔ بڑے جوشیلے اور بہادر ہوتے ہیں۔

ملک کی شروع کی آبادی میں عیسائیوں نے اپنی تعلیم کے لئے چرچ بنا کر صرف عیسائیت کی تعلیم دینی شروع کی مگر بعد میں ان کے اپنے اپنے الگ الگ قبائل کے سرداروں

نے اپنی مذہبی تعلیم کو رائج کرنا ضروری سمجھا اور اپنے گرجے بنائے اور عبادت گاہیں بنائیں جن کو Marai کہتے ہیں ان کے اعتقاد میں روحوں کا زندہ انسانوں سے باتیں کرنا بہت یقینی حد تک پہنچ گیا ہے۔ یہ توہم پرست لوگ ہیں۔خدا کرے کہ اب اسلام اور احمدیت کے آنے سے ان کی صحیح رہنمائی ہو سکے اور یہ لوگ اندھیروں سے روشنی میں آسکیں۔

چونکہ یہ ملک سطح سمندر سے 200 میٹر اونچا ہے پانی کی فراہمی کا انتظام بہت عمدہ ہے۔ گھروں میں لگے نلوں میں ہی فلٹرڈ پانی یعنی صاف پانی آتا ہے۔اس کو ابالیں پھر ٹھنڈا کریں اور استعمال میں لائیں۔ پبلک کی سہولتوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ سیاحوں کی قدر کرتے اور ان کے آرام کے لئے آرام گاہیں اور ہوٹل اور موٹل بکثرت اور مناسب ریٹس پر بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ آبادی بہت کھلی جگہ کی وجہ سے کم ہے سڑکیں نہایت صاف اور کھلی ہیں ڈرائیونگ کرنے کا خوب مزا آتا ہے۔ ڈرائیور کو اجازت ہے کہ آپ 100 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلا سکتے ہیں اسی طرح ڈرائیونگ لائسنس بھی آپ پندرہ سال کی عمر میں حاصل کر سکتے ہیں گاڑی قانونی طور پر بائیں ہاتھ ہی چلانے کا حکم ہے سرکاری زبان انگریزی ہے مگر مختلف ملکوں کے لوگ اپنی اپنی زبانیں بولتے ،سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں نے اپنے بچوں کو عربی اور اردو پڑھانے کے لئے مدرسے بنا رکھے ہیں۔

ٹیلیفون کی سہولت پبلک کے لئے عام ہے لوکل کالز بالکل مفت تو نہیں مگر بہت سستی ہیں۔ یعنی ایک منٹ بات کریں تو 40 سینٹ ہوں گے جبکہ ڈالر میں 100 سینٹ ہوتے ہیں اور یہاں اس ملک میں ڈالر اور سینٹ ہی ملک کی کرنسی ہے۔ نیوزی لینڈ کے آسٹریلیا کی طرح اپنے ڈالر ہیں۔

سیر کرتے کرتے جگہ جگہ ہرن اور ان کی چراگاہیں نظر آئیں۔ بڑا پیارا جانور ہے سردی

بھی برداشت کر لیتا ہے اور شدید سردیوں میں لوگوں کو گھروں میں بیٹھے کھانے کو اس جانور کا گوشت بھی مل جاتا ہے جو بند ڈبوں میں بکتا ہے اور بہت لذیذ گوشت ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں سے اس کی تجارت کر کے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس کے گوشت کو VANESA کہتے ہیں۔

لندن میں رہتے ہوئے جب بھی شاپنگ کو گئی نیوزی لینڈ کا Lamb مکھن اور پنیر خریدا کرتی تھی جو کہ سب کو گھر میں پسند آتا تھا۔ اب جو اپنی آنکھوں سے اس ملک کو ان بھیڑوں کو اور اس جگہ کو دیکھا جہاں یہ سب کچھ تیار کر کے ڈبّوں میں بند کر کے ہمیں یورپ بھجوایا جاتا ہے تو اس چیز کا لطف ہی کچھ اور تھا آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور یقین نہ آ رہا تھا کہ میں یہ سب کچھ خود دیکھ رہی ہوں۔ مجھے بھیڑ کی اون کے بنے ہوئے کمبل خریدنے کا بڑا شوق تھا مگر جب قیمت پوچھی تو میری جیب نے اجازت نہ دی مگر میں نے اس خوبصورت جانور کی کھال سے بنا ہوا ایک ننّھا منّا کشن خریدا جو ہو بہو ایک دُنبے کی شکل میں تھا اور ایک چھوٹا سا سفید رنگ کا چمڑے کا بنا ہوا دُنبہ خریدا کشن کے پچھلی طرف زپ لگا دی گئی تھی کہ غلاف کی طرح بن گیا۔ روئی یا فوم بھر کر تکیئے یا کشن کی طرح استعمال کرو دیکھنے میں بالکل یوں لگتا ہے کہ ایک اصلی بھیڑ آپ کے بستر پر یا صوفے پر آ بیٹھی ہے۔ بچے گود میں لے لے کر پیار کرتے اور کھیلتے ہیں۔ بھیڑ کی کھال کی بنی ہوئی مصنوعات خاصی مہنگی ہیں کم سے کم 40 یا پچاس ڈالر میں ایک چھوٹا سا سووینیئر خرید سکتے ہیں۔ کمبل تو 400 ڈالر سے شروع ہوتا تھا اور 1000 ڈالر تک اس کی قیمت جاتی تھی۔ اس کی اون بہت نرم اور گرم ہوتی ہے۔ صوفہ بیک اور آتش دان کے لئے خوبصورت قالینوں کی تجارت ملک کی ترقی کا بڑا ذریعہ آمد ہے۔

مشہور جنگلات کی بھی کثرت ہے بعض درخت دو سو سال پرانے بتائے جاتے ہیں

مشہور جنگل کا نام وائی پو یا ہے۔شمالی جزائر میں مشہور آبشاریں جن کا نام Huka Falls ہے جو دریائے Waikato سے نکلتی ہیں۔اس کے علاوہ ملک کے اس حصے میں گندھک کے پہاڑ ہیں جن میں سے اکثر زندہ آتش فشاں پہاڑ ہیں۔اور اس ملک میں جو بھی سیر کو آتا ہے ان گندھک کے چشموں کو ضرور دیکھ کر جاتا ہے جو کہ دنیا میں کہیں اور نہیں ہیں۔میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو اس علاقہ کی سیر کراؤں تاہم سننے پڑھنے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہی گندھک کے گرم پانی کے چشمے جن کو Mud Pools یعنی کیچڑ کے تالاب کہتے ہیں اور اس علاقہ کو جس میں یہ گندھک کے دھواں دار چشمے جاری ہیں اس علاقہ کو Roto Rua کا نام دیا گیا ہے اس کی کہانی کچھ یوں بتائی گئی ہے کہ اس علاقہ میں ایک TARAWARA پہاڑ ہے جو 1884 میں پھٹا تھا اور تب سے اس سے آتش فشاں سیال مادہ نکلتا ہے اور زمین کے اندر دھنس جانے کی وجہ سے گرم پانی کے ابلنے اور لاوے کے باہر گرنے کی آوازیں مسلسل سنائی دیتی ہیں اور ہر طرف دھواں اور گندھک کی بدبو جو بہت ناگوار گزرتی ہے بالکل جلے ہوئے انڈوں کی بدبو کی طرح ہوتی ہے مسلسل آپ کو اس علاقہ کی سیر کے دوران سونگھنا پڑتی ہے چونکہ یہ بھی شوق ہوتا ہے کہ قدرت کی اس عجیب کاریگری کو ضرور دیکھیں اس لئے یہ بدبو بھی اتنی بری نہیں لگتی کہ آخر گندھک کے فوائد بھی تو بے شمار ہیں جگہ جگہ ایسے مقام کو جہاں سے دھواں اور لاوا نکل رہا ہے ان علاقوں کو خوبصورت طریقے سے محفوظ اور محصور کر کے باغ کی صورت میں یا پبلک باتھ کی صورت میں گرم پانی کو استعمال کے لئے لایا گیا ہے پانی اتنا تیز گرم ابلتا ہوا ہوتا ہے کہ ہاتھ لگانے سے جل جاتا تھا پانی کو ٹب کی صورت میں جمع کر کے کھُلا بھی رکھا تھا کہ ایک طرف سے گرم پانی آتا جائے اور دوسری طرف سے دریا میں بہہ جائے اور لوگ اس پانی میں نہاتے اور یا اپنے پاؤں رکھ کر اپنے جوڑوں کے دردوں اور زخموں کے

لئے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ باقاعدہ غسلخانے وقت مقررہ پر کھلتے ہیں اسی طرح سٹیم باتھس بھی بنائے گئے ہیں سارے جسم کو کچھ وقت کے لئے گندھک کی بھاپ لینے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے جلدی امراض اور دوسری دمہ وغیرہ کی تکلیف کے لئے بے حد مفید ہوتا ہے۔ انسان روزمرّہ بھی اس سٹیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں چونکہ جگہ جگہ سے گرم بھاپ نکل رہی ہے لوگوں نے اس کے گرد لکڑی کے باکس بنا کر ڈھکن لگا دیا ہے صبح ہوتے ہی اپنے اپنے کھانے پکانے کی چیزیں اس بکس میں بند کر کے کاموں پر چلے جاتے ہیں اور واپس آ کر تیار کھانا بالکل ایسے ہی ملتا ہے جیسے اوون میں پکایا گیا ہے دم پخت مرغ اور پائے کا تو کچھ نہ پوچھیں کہ کتنا لذیذ بنتا ہے مگر جب اس علاقہ کو دیکھیں تو عجیب نظارہ ہے کہ جگہ جگہ سے دھواں ایسے نظر آتا ہے جیسے گھروں کی چمنی ہو مگر ہے زمین جس میں یہ دھونی لگا رکھی ہے لکڑی کے اس بکس کا ڈھکن اٹھا کر آپ اپنے پاؤں یا ہاتھ درد دور کرنے کے لئے سٹیم لے سکتے ہیں فوراً آرام آجاتا ہے ایسے ہوٹل جنھوں نے ان گرم گندھک کے چشموں یا سٹیم والے باتھ روم بنا لئے ہیں ان کا ریٹ زیادہ ہے اور اکثر امیر لوگ علاج معالجہ کے لئے دنیا کے اس قدرتی طریق علاج سے فائدہ اٹھانے آتے ہیں۔

نیوزی لینڈ میں اونچے اونچے پہاڑ بھی ہیں جو اپنی اونچائی کی وجہ سے مشہور ہیں اکثر پر جنگلات موجود ہیں مگر ایک پہاڑ صرف اس وجہ سے مشہور ہے جس کی چوٹی پر صرف ایک ہی درخت ہے باقی سارا پہاڑ بالکل چٹیل ہے اس کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ دوسرا بڑا مشہور پہاڑ جس کو Wendi Hill کہتے ہیں اس پر چڑھ کر سارے جزیرہ نیوزی لینڈ کی رات کی روشنی میں خوبصورتی کو دیکھ لیتے ہیں۔ ہمیں بھی یہ شوق چرایا سردی جوبن پر تھی تاہم رات کے گیارہ بجے ہم اس پر چڑھے کار کے جانے کا راستہ پکا بنایا گیا ہے واقعی قدرت نے بعض مقامات کو انوکھی

خوبصورتی عطا کر کے ممتاز کر دیا ہے بڑا ہی خوبصورت نظارہ تھا رنگ برنگی روشنیوں کو مختلف شکلوں میں لگے دیکھ کر بے اختیار سبحان اللہ ہی منہ سے نکلا۔

چونکہ سمندر سے بھی اس ملک کی خوبصورتی وابستہ ہے جو علاقہ خشکی میں ہے اس پر صرف ایک ہی موٹروے ہے جس علاقہ سے آپ اس پر سفر کریں صرف آدھا گھنٹہ کا ہے قدرت نے سمندر کی گہرائی میں سے نکلنے والی دولت سے بھی اس ملک کو مالا مال کیا ہے سیپیوں یعنی Shell بھی مختلف قسم کے اور رنگوں کے نکلتے ہیں اور یہ Maori لوگ اپنی ذہانت اور کاریگری سے ان کو مزید خوبصورت بنا کر دولت کماتے ہیں ایک سبز رنگ کا Sea Shell ہے جس کو Kawa کہتے ہیں اس کی انوکھی رنگت اور شیڈ و رنگ نہایت پیارا اور بھلا معلوم ہوتا ہے اس کی انگوٹھیاں، Key Chains، اور پن ہولڈر کے علاوہ نیکلس اور بروچ اور کئی قسم کی اور بہت سی چیزیں بنتی ہیں جو بہت ہی خوبصورت ہوتی ہیں سیر کرنے والے ضرور تحفہ کے طور پر ان چیزوں کو خریدتے ہیں یاد رہے یہ چیزیں بہت مہنگی ملتی ہیں۔

سارے پھل ملتے ہیں ٹھنڈا تربوز کھانے کا بھی بڑا مزا آیا مگر Kivi فروٹ جس کی رنگت اور شکل آلو کی طرح ہوتی ہے اندر سے سبز ہوتا ہے بڑا میٹھا ہوتا ہے اس ملک کی خاص چیز ہے ڈبوں میں بند کر کے دوسرے ملکوں میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ طوالو میں بھی کئی بار ڈبے خریدے ہیں دراصل یہ فروٹ ایک پرندے کے نام پر جو اس سے ملتی جلتی شکل کا ہے لمبی چونچ اور موٹا پیٹ رکھتا ہے یہ پرندہ ہی اس ملک کا نشان ہے۔ نیوزی لینڈ کی ایئر لائن پر بھی یہی پرندہ بنایا جاتا ہے ہم نے ایئر نیوزی لینڈ سے ہی سفر کیا فجی سے تقریباً ساڑھے تین گھنٹہ کی فلائٹ تھی۔

جگہوں کے نام بھی کافی دلچسپی کا باعث بنے۔ مثلاً جس علاقے میں ہم نے Motel میں ٹھہرنا تھا اس علاقے کا نام ''پاپاٹوئے ٹوئے'' Papatoetoe اور مانوکائی وغیرہ۔

آرٹ میں بھی یہ Maori لوگ بہت مشہور ہیں لکڑی کا کام Carving کے علاوہ Weaving میں بھی ماہر ہوتے ہیں۔ پینٹنگ بھی بڑا آرٹ ہے ہم نے Maori Village کی بھی سیر کی اور بہت سی معلومات حاصل کیں۔

نیوزی لینڈ میں ملک کا سب سے بڑا Aquarium بھی دیکھا جس کسی نے سڈنی میں ایسا Aquarium دیکھا ہو تو نئی بات نہیں لگتی کہ Sharks پانی میں تیرتی ہوئی شیشے کے اندر اِدھر اُدھر بھاگتی ہوئی نظر آتی ہیں اور آپ ایسے ہی پانی کے کمرہ میں کھڑے ہوتے ہیں اور وہ آپ کے سر کے اوپر سے گزرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بچے جو کمزور دل کے ہوتے ہیں اکثر ڈر کر ماؤں کے ساتھ لپٹ جاتے ہیں مگر بڑے تو یہ جان کر کہ اوپر شیشہ ہے اور پانی ہے ڈرنے کی کوئی بات نہیں مگر جیسے سمندر سے یہ چیز اخذ کر کے ہمارے لئے دلچسپی کا موجب بنائی گئی ہے۔ میں کاریگروں کی داد دیتی ہوں ضرور دیکھئے بڑا لطف آئے گا۔



وادیٔ کشمیر کی سیر

کشمیر کی سیر کا شوق مجھے اپنے بچپن سے تھا کیونکہ میرے والدین اور بڑے بھائی بہنیں میری پیدائش سے قبل جبکہ ابھی ملک ہند کی تقسیم معرض وجود میں بھی نہ آئی تھی کشمیر کی سیر کیلئے گئے تھے اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنی امی جان سے اکثر کشمیر میں گزارے ہوئے چار ماہ کو یاد کرتے ہوئے سنا۔ وہاں کی آب و ہوا لوگوں کا رہن سہن اور پھل فروٹ کی فراوانی کے علاوہ سیر کی باتیں سن سن کر کچھ یوں لگنے لگا تھا کہ میں نے بھی کشمیر دیکھا ہوا ہے۔ میرے ذہن میں ایک تصویر ضرور بن چکی تھی کہ کشمیر ایسا ہوگا ویسا ہوگا۔

گزشتہ سال جو کہ 2003ء تھا ہم نے دہلی سے ہوتے ہوئے کشمیر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ تاکہ یہ خواہش بھی اللہ تعالیٰ پوری کردے کہ ایک ایسے برگزیدہ نبی کی قبر پر جا کر دعا کر سکیں جس کو وفات یافتہ نہ مان کر بہت سے انسان اس دنیا سے خود بھی رخصت ہو گئے اور اپنی اولادوں کو بھی اس حقیقت کو قبول نہ کرنے کی گھٹی دیتے چلے گئے۔ مگر پھر بھی سعید روحیں تو اس ایمان اور یقین حق کو قبول کر رہی ہیں۔ کیونکہ حقیقت کو کب تک جھٹلایا جاتا رہے گا آخر کار یہ ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ لیجئے اب سفر اور سیر کریں۔ جب ہم نے دہلی سے سرینگر جو کشمیر کا دارلحکومت ہے (یاد رہے کہ کشمیر کا دارلحکومت سری نگر موسم گرما کا ہے اور موسم سرما کا دارلحکومت جموں ہے۔ یہ موسم کی وجہ سے ہے۔ یعنی برفباری کی وجہ سے آنا جانا مشکل ہو جاتا ہے) انڈین ائر لائنز کا ٹکٹ خریدا۔ ائر پورٹ پر سیکیورٹی کچھ زیادہ ہی تھی۔ جگہ جگہ پولیس

والے اسلحہ سے لیس ہو کر کھڑے نظر آتے تھے۔اور خطرہ ہی خطرہ دکھائی دیتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ ناخوشگوار حالات کے پیش نظر فلائٹ ہی کینسل ہو جائے جیسا کہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اکثر ہو جاتا ہے۔آج فلائٹ تو کینسل نہ ہوئی مگر ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ روانہ ہوئی۔موسم کی خرابی تھی سرینگر میں۔خیر راستہ خوشگوار تھا۔برف سے لدے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گزر رہے تھے کہ گرما گرم کھانے سے ہماری تواضع جہاز کے سفر کے دوران خدمت کرنے والی لڑکیوں نے کھانا لاکر کی۔جو قارئین کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔چونکہ جہاز انڈیا سے آ رہا تھا۔اکثر مسافر ہندو یا سکھ تھے۔کھانا Vegetarian تھا مگر تھا بڑا مزیدار۔کھانے میں کریلے،کدو اور چنے کی دال ملے ہوئے مزیدار تھے اور سویٹ ڈش رسگلے تھے اور مشروبات میں انناس کا رس اور مالٹے کا رس تھا۔اچھا مزیدار کھانا اور چائے اور کافی بھی کھانے کے بعد دی گئی۔سفر دہلی سے سرینگر تک کا کل صرف ڈیڑھ گھنٹے کا تھا اور جب ہم سرینگر پہنچے تو درجہ حرارت 4 ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔اترنے سے پہلے پائلٹ نے اعلان کیا کہ ہم اب سرینگر ائرپورٹ پر اترنے والے ہیں۔یہاں بہت سختی سے اس بات کی پابندی کی جائے کہ کوئی مسافر بھی تصویر نہ لے سیکیورٹی کے لحاظ سے قوانین کافی سخت ہیں۔

یہ تھا سفر کا آغاز جو کافی دلچسپ بھی تھا اور تاریخی بھی۔کشمیر میں ہمارا کوئی عزیز یا رشتہ دار یا دوست تو نہ تھا البتہ اب سب تعلقات سے بڑھ کر اپنی جماعت کے کچھ بہن بھائیوں سے غائبانہ شناسائی اور تعارف بھی تھا۔یہی تو اس پیارے مسیح کی جماعت کا امتیازی نشان ہے۔کہ جہاں بھی ہوں سب آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔اور ایک دوسرے کا خیال اور پیار بھی ویسے ہی کرتے ہیں جس طرح ایک بھائی دوسرے سے کرتا ہے۔الحمدللہ۔چونکہ ہمارا قیام ایک ہوٹل میں تھا جو جھیل کے کنارے پر تھا یہ ہوٹل ائرپورٹ سے کافی دور تھا اور تھا بھی

راجہ کا محل ۔مگر اب اسکو ہوٹل کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔راجوں مہاراجوں کی قدآدم تصاویر دیواروں پر آویزاں تھیں ۔ بڑی اونچی اونچی چھتیں اور نہایت آرام دہ کمرے جو ہال نما تھے یعنی کافی بڑے کھلے ۔صوفے اور ڈائننگ روم ساتھ ہی ۔مگر چونکہ شدید سردی تھی اور سینٹرل ہیٹنگ کا انتظام نہیں تھا چار پورٹیبل ہیٹر لگا کر بھی بیروں نے کمرے کو گرم کرنے کوشش کی مگر کمرے کے حجم کی وجہ سے رات بھر ٹھٹھرتے ہی گزری ۔اگلے دن ہم نے شہر میں جھیل سے ذرا ہٹ کر ایک جگہ جہاں کمرہ گرم کرنے کا اچھا انتظام تھا وہاں ایک دوسرے ہوٹل میں رہنا پسند کیا یہاں سے ہماری مسجد بھی قریب تھی ۔اگلا دن جمعہ کا دن تھا ہم نے امیر صاحب کو اپنے آنے کی اطلاع تو دے دی تھی جب ہم مسجد پہنچے تو ہمیں اھلاً و سھلاً کے بعد زری والے سبز کاغذ جو چمکدار اور خوشنما پھولوں سے بنایا گیا تھا ہار پہنا کر استقبال کیا ۔ یہ کاغذ کے ہار صرف سردی کے موسم میں پھول نہ ملنے کی وجہ سے پہنائے جاتے ہیں اور خُلوص ،خوشی اور محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔مسجد میں مستورات کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی سردی اپنے جوبن پر تھی جنوری کا مہینہ ہے سردی بہت ہے قاعدہ یسرنا القرآن میں پڑھا کرتے تھے واقعی گرم کپڑوں میں لپٹے مگر ٹھٹھر رہے تھے اور دانت بج رہے تھے مسجد کے اندر زنانے اور مردانے میں صرف ایک ایک ہی ہیٹر رکھا تھا جو ضرورت کے لئے ناکافی تھا تاہم اس جگہ بے حد خلوص اور مہمان نوازی کی گرمی نے کچھ بھی محسوس نہ ہونے دیا مردوں میں الگ ساری جماعت کی طرف سے دعوت اور سوال و جواب کی محفل سجی تھی اور ایسا روحانی ماحول تھا کہ اللہ کے فضلوں کو آسمان سے اترتے دیکھ رہے تھے۔

ادھر لجنہ کی صدر امۃ الرفیق صاحبہ اور مولانا نیاز صاحب کی بیگم اور دیگر عہدیدار بہنوں نے مجھے بھی اس شاندار لائبریری کی سیر کرائی جو باقی سب دنیاوی سیروں سے بڑھ کر تھی گویا

سیر روحانی تھی مزا آ گیا۔ عاملہ کی ممبرات نے بتایا کہ یہ سرینگر جماعت کی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ہے مشن ہاؤس بھی دیکھا جو اپنی طرز میں منفرد ہے سادگی بے حد ہے لائبریری میں ہزاروں کی تعداد میں کتب موجود تھیں اور نہایت عمدگی مگر سادگی سے علم کے اس خزانے کو ترتیب سے جمع کر رکھا ہے اللہ تعالی اس خزانے سے بہتوں کو فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور لائبریری قائم کرنے اور محفوظ رکھنے والوں کی خود حفاظت فرمائے آمین۔ ہم نے اس سیر کی تصاویر بھی لیں اور ویڈیو بھی بنائی۔

یہاں ایک بات کا ذکر ضرور کروں گی کہ افتخار صاحب کا تعارف پیش کرتے ہوئے جب امیر صاحب نے یہ بتایا کہ آپ کو حضرت ابا جان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے تو کچھ لوگ جو اس وقت جب میرے ابا جان کشمیر تشریف لے گئے تھے وہاں موجود تھے اور ان کے گھر بھی گئے تھے اٹھ کر ملے اور بہت خوش ہوئے الحمد للہ۔

نماز جمعہ مشن ہاؤس لائبریری کی سیر اور بہنوں سے ملاقات کے بعد سب بہنوں نے پر تکلف چائے کی پارٹی کی جس میں ناریل کی مٹھائی، کیلے اور چکن کی Patties نہایت لذیذ تھیں چائے بڑی ہی مزیدار مصالحہ دار کشمیری طرز سے بنائی ہوئی تھی۔ گرما گرم چائے پی کر بڑا ہی لطف اٹھایا دعا کے بعد آج کی یہ تقریب برخاست ہوئی۔ یہ تھا ہمارا پہلا دن کشمیر جنت نظیر کی سیر کا۔

اگلے دن ہم نے یہاں کے دو مشہور باغ نشاط باغ اور شالیمار باغ کی سیر کا پروگرام بنایا یہ دونوں باغ مغل بادشاہ جہانگیر نے اپنی چہیتی بیوی نور جہاں کے لئے بنوائے تھے ان باغوں کو جہاں قدرت نے پہاڑوں کی چوٹی کو برف سے ڈھک کر ڈھلوان کے ساتھ ساتھ سیڑھیوں کے اتار چڑھاؤ پر پھولوں کی رنگارنگ کیاریوں اور درختوں سے سجا کر سنوارا ہے

وہاں ان عظیم بادشاہوں کی اپنی بیویوں سے محبت کی یاد بھی خوب رنگ لاتی ہے کہ آج تک اتنے سال گزرنے کے بعد بھی نور جہاں اور ممتاز اپنے پیار اور خوبصورتی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو مسحور کرتی ہیں اور لوگ تاریخ کو دہرانے لگتے ہیں مختصر یہ کہ یہ باغات دیکھنے کے قابل ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آگرہ جائیں تو تاج محل ایک انوکھا شاہکار دیکھنے کی خواہش ضرور ہوتی ہے چلتے چلتے یہ بھی بتاتی چلوں کہ پانی کا شاہی چشمہ بھی قابل دید ہے پانی کی اپنی ہی آوازوں میں جو پیار کے گیت بہتے ہیں وہ بھی ان مغل بادشاہوں کے کاریگروں کی کاریگری کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جبھی ان لوگوں نے ایک جگہ کشمیری لباس میں ملبوس ہو کر اور چاندی کے زیوروں سے لد کر کشمیر کی دلہن بن کر تصویر اتروانے کا شغل بھی بنا رکھا ہے۔ لوگ جوق در جوق اسی طرف جا کر اپنا شوق پورا کر رہے تھے۔ کشمیری لباس میں تصویریں اتروا رہے تھے۔

اگر چہ سردی تھی تاہم ہم اپنی سیر کے شوق کو پورا کرتے ہوئے آج دنیا میں جو ایشیا کا سب سے بہترین Golf کورس ہے اس کو دیکھنے گئے یہ گولف کورس اور کلب پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے جو ان دنوں برف سے ڈھکے پڑے تھے۔ سردی شدید تھی اور ہوا کی وجہ سے مزید سردی لگ رہی تھی۔ چونکہ یہ گولف کورس میلوں میل علاقہ میں نہایت عمدگی سے بنایا گیا ہے ساتھ میں ٹریننگ سنٹر ہے دنیا بھر سے موسم گرما میں لوگ گولف کھیلنے آتے ہیں اور مقابلے بھی ہوتے ہیں اور نئے کھلاڑی بھی تیار ہوتے ہیں چونکہ پیدل چل کر دیکھنا تو ممکن ہی نہ تھا اس کے مالک نے ہمیں انگلستان سے آنے کی وجہ سے اور مسلمان ہونے کے ناطے اپنی کار میں ساری سیر کرا دی سیر کے بعد چائے پینے کی شدید خواہش ہوئی مگر بہت دور جا کر کہیں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ نظر آیا بالکل پاکستان کے گاؤں کی طرح جہاں سے ہمیں شیشے کے

گلاسوں میں گرما گرم چائے تو ملی مگر میٹھی اس قدر تھی یا شاید چونکہ ہمیں اب عادت نہیں زیادہ چینی ڈال کر چائے پینے کی خیر سردی میں یہ چائے کا گلاس ایک نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھا خوب مزے لے لے کر پی۔

آج موسم قدرے بہتر تھا ہم نے جو پروگرام رکھا تھا اس کو چھوڑ کر ہم نے سوچا کہ چونکہ پیدل چل کر جانا پڑتا ہے اس لئے ہم آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر پر دعا کیلئے جاتے ہیں لہٰذا تھوڑا فاصلہ ہوٹل سے لے کر محلہ خانیار تک تو ہم کار میں گئے پھر کچھ فاصلہ پیدل چل کر آخر اس جگہ پہنچ گئے جس کو دیکھنے کی خواہش اور تمنا تھی اس گلی کا نام روضہ بَل تھا سامنے مقبرہ نظر آیا اور ہم نے خادم سے دروازہ کھلوایا اور اندر جا کر دعا کی اور تصویر بھی لی دل کو ایک نہ بتا سکنے والی خوشی کا احساس تھا یہ دیکھ کر اور جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اس جگہ شرک نام کی کوئی چیز نہیں اور نہ پہرہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں بلکہ صاف ستھری عام قبر ہے جس کو لوہے کا جنگلہ لگا کر مزید محفوظ کر دیا گیا ہے ایک نگران جو کافی معمر تھا، ہم نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے کیا حضرت عیسیٰ کی قبر ہے تو کہنے لگا کہ یہ حضرت عیسیٰ کی تو نہیں مگر کہتے ہیں کہ کوئی بزرگ تھے جو یہاں آ کر بیمار ہوئے اور پھر ادھر ہی فوت ہو گئے یہ تو ان کے کہنے کی بات ہے اصل حقیقت سے انکار ضرور اقرار میں بدلے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب جو جگہ ہم نے دیکھنے کے لئے چنی وہ ہے گلمرگ پہاڑی جو آٹھ ہزار فٹ کی اونچائی پر ہے اور کشمیری اس کو پہاڑی سیرگاہ کی ملکہ کا نام دیتے ہیں ایک بالکل لٹو کی طرح گول دائرے میں سڑک بلندی پر لے جاتی ہے سڑک بالکل کچی یعنی پتھروں کی بنی ہے صرف ایک طرف پہاڑ ہے اور دوسری طرف گہری اور عمیق کھائی نظر آتی ہے اور جب ہم گئے ہر طرف سفیدی سے ڈھکے لمبے لمبے چنار کے درخت بھی سفید پول Pole کی طرح نظر آ رہے تھے

چونکہ سڑک کے دوسری طرف کوئی رکاوٹ کے لئے کنارہ نہ تھا اگر آگے سے کوئی کار آجاتی تو بہت ڈر لگتا کار کو ڈرائیور روک لیتا اور چڑھائی ہونے کی وجہ سے کبھی رکنا مشکل ہوتا ادھر لٹو کی سی گولائی میں پیچھے مڑ کر بھی دیکھو تو کچھ نظر نہ آتا تھا اس لئے ڈرائیور بھی کافی مضبوط یعنی صحت منداور ماہر ہوتے ہیں تجربے سے یہ جان جاتے ہیں کہ چار فٹ برف میں کیسے کار چلے گی۔ اس پہاڑ یعنی گلمرگ کی چوٹی پر ایشیا کا سب سے بڑا Skiing ٹریننگ سینٹر ہے اور وہاں ان لوگوں کے لئے خوبصورت ریسٹورنٹ اور (Huts) جھونپڑیاں بنائی گئی ہیں بالکل ایسے جیسے ناروے میں سیر گاہوں کے لئے بنی ہوئی ہوتی ہیں اور لوگ گرمیاں اور چھٹیاں گزارنے جاتے ہیں۔ برف کی اپنی خوبصورتی اور دلکش نظارے تھے۔ سفید یونیفارم میں Oak اور Coniferous Trees بہت ہی انوکھا نظارہ پیش کررہے تھے تمام راستہ۔ الحمدللہ اور سبحان اللہ کا ورد زیر زبان رہا اور اللہ اکبر کی آواز سے دل کو سکون ملتا رہا ہم نے کافی لطف اٹھایا کھانا ریسٹورنٹ میں کھایا جو نہایت شاندار گرما گرم اور مزے کا تھا اور ہوٹل بھی کافی گرم تھا یعنی ہیٹنگ کا انتظام تھا یوں لگ رہا تھا کہ ہم Igloo میں یعنی برف میں بنے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے چونکہ باہر سفید برف کے ڈھیروں میں سے گزر کر ہم ہوٹل کے اندر داخل ہوئے تھے اور ابھی اس دوران میں برف باری ہوتی جارہی تھی اور جب ہم واپس آئے تو ہماری کار بھی برف کی سفید چادر اوڑھے تھی اور یہ معلوم کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کاروں میں سے کون سی کار ہماری ہے۔

اب میں سب سے آخر میں اس دن کی سیر کا ذکر لکھتی ہوں جس کا بھول جانا ممکن ہی نہیں ہے یہ تھا ہمارا جھیل ڈل کی سیر جس کے لئے ہمیں میزبانوں نے بتایا کہ موسم کے لئے دعا کریں کہ دھوپ نکلے اور ہوا بھی تیز نہ ہو۔ اور اچھی دھوپ نکل آئے۔ جھیل ڈل کی سیر جس کشتی میں

کرتے ہیں اسے ''شکارہ'' کہتے ہیں یہی کشتیاں گرمیوں میں اس جھیل میں ٹرانسپورٹ کا کام کرتی ہیں یعنی کشتی کو ٹیکسی کی طرح کرایہ پر لیتے ہیں۔ اللہ کا شکر کہ موسم نے وفا کی خوب دھوپ چمکی اور ہم اپنی کشتی جو کرایہ پر لی تھی میں سوار ہو کر جھیل کی سیر کو نکلے اور جو نظارہ دیکھنے میں آیا اس کا شاید میں صحیح طور پر بیان نہ کر سکوں مگر جب ہم اس کشتی میں سوار ہوئے تو ایک طرف تو شہر کا نظارہ تھا اور دوسری طرف قطار در قطار (House Boats) جو خوبصورت ڈیزائن سے لکڑی کے بنے ہوئے جہاز نما ریسٹورنٹ تھے اور بالکل گھروں کی سیڑھیوں کی طرح کسی ایک گھر میں جانے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جو پانی میں لگی ہوئی تھیں اور پانی اس قدر صاف اور شفاف نظر آتا تھا بلکہ اگر کوئی سکہ پھینکتے تو وہ بھی صاف دکھائی دیتا۔ ہر ہاؤس بوٹ کے اوپر اس کا نام لکھا ہوا تھا بالکل ایسے جیسے ہم بھی اپنے گھروں پر راجپوت منزل اور یوگنڈا ہاؤس وغیرہ لکھ دیتے ہیں ایک ہاؤس بوٹ کے اندر جا کر پتہ چلا کہ یہ دور سے نظر آنے والا جہاز نما بڑے اعلیٰ درجے کے اور آرام دہ ہوٹل ہیں جن میں آ کر سیاح رہتے اور آرام کرتے ہیں ہمارے ابا جان نے بھی ان میں رہ کر ایک کتاب لکھی تھی واپسی پر ہم نے جھیل میں پھرتے ہوئے کشتی یعنی شکارے میں بیٹھے بیٹھے دوسرے شکارے سے جو ہماری کشتی کے گرد جمع ہو گئے تھے اور کسی کے پاس سبزیاں فروٹ اور کسی کے پاس جیولری زیورات جو موتیوں اور سیپیوں کے بنے ہوئے تھے بیچ رہے تھے اور کوئی دوسری کشتی زعفران، لُبان اور اگربتی اور سلاجیت بیچ کر ہمیں مزید کشمیری تحفوں سے مالا مال کرنا چاہتے تھے ہم نے نمونہ کے طور پر سب سے خرید کر کچھ زاید قیمت دی تاکہ یہ ملاح خوش ہو جائیں کیونکہ سردی کی وجہ سے سیاح بھی بہت کم آتے ہیں۔

کشمیری بہت ہی مہمان نواز اور ملنسار لوگ ہیں۔ کھانے پینے کے بھی بہت شوقین ہیں۔ خاص دعوتوں میں بہت اہتمام ہوتا ہے اور 36 قسم کے مختلف کھانے پیش کئے جاتے ہیں اور اس خاص دعوت کو خاص باورچی تیار کرتے ہیں جن کو 'وازوان' کہتے ہیں۔

سرینگر سے باہر بھی بہت خوبصورت اور قابل دید مقامات ہیں جن کو ہم برفباری کی وجہ سے نہ دیکھ سکے اور سب کا اصرار تھا کہ ہم واپس موسم گرما میں ضرور آئیں اور ارادہ بھی ہے۔ دیکھیں کب۔ بس اللہ اس وادی کو مسیح الزماں کے نور سے منور کر دے اور امن و امان کی نعمت سے سرفراز کرے۔ آمین۔

